

گلشنِ ہند

1951

مشہور شعراے اردو کا ایک تذکرہ

جس کو

سچیز اعلیٰ متخلص لطیف

checked 1969.

CHECKED 1969

نے، بہمد مارکوس آفٹ ویلزنی گورنر جنرل ہند، اردو کے مشہور سرپرست مشر جان گلگرسٹ کی فرمائش سے، علی براہیم خاں کے فارسی تذکرہ گلزارِ ابراہیم سے، مع اضافوں کے اردو زبان میں جو آج سے ایک سو پانچ برس پیشتر کی سادہ اردو نثر کا ایک عمدہ نمونہ ہے،

۱۸۰۱ء

میں تصنیف کیا، اور

۱۹۰۴ء

میں

شمس العلماء مولوی شبلی کی تصحیح و تشریح اور مولوی عبد الحق صوابی، اے کے ایک عالمانہ مقدمہ کے ساتھ، اردو زبان کی خدمت کے لئے عبد اللہ خاں نے حیدر آباد دکن سے شائع کیا

دارالاشاعت پنجاب
کے

رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپا

مجموعہ حقوق بذریعہ رجسٹری محفوظ ہیں۔

ویدیو کیشن

ہزار کیلنسی مہاراجہ بیرہن السلطنتہ
بہادر وزیر اعظم دولت آصفیہ کوچوں کہ
اردو زبان سے ایک خاص دلچسپی
ہے، اور آپ خود بھی اردو زبان کے
ایک ممتاز مصنف اور بلند پایہ شاعر
ہیں، لہذا یہ کتاب جناب کے نام
نامی پر ویڈیو کیٹ کی جاتی ہے
گر قبول افتدز ہے عرو شرف

خالکسار
عبدالمصطفیٰ حیدر آباد دکن

فہرست تذکرہ گلشن

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۸	بقا، محمد بقا	۲۰۱	پیشکش کی القاس
۵۹	بیدار، میر محمد	۲۰۲-۱	مقدمہ، از مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے
۶۳	بہل، سید جبار علی	۶-۱	دیباچہ مصنف
۷۱-۷۵	باب التاء	۲۰۳-۶	باب الف
۶۵	تانا شاہ، ابوالحسن والی گوگکنڈہ	۶	آفتاب، شاہ عالم باو شاہ غازی
۸۱-۷۱	باب الجیم	۱۲	آصف، نواب آصف الدولہ وزیر اودہ
۷۱	ہما نزار، میرزا جوان نخت ولی عہد شاہ عالم	۱۶	انجام، عمدۃ الملک نواب امیر خاں
۷۳	جرات، شیخ قلندر بخش	۱۷	امید، میرزا محمد رضا
۷۶	جوشش، شیخ محمد روشن	۲۳	آرزو، سراج الدین علی خاں
۹۷-۸۱	باب الحاء	۲۵	آبرو، شاہ نجم الدین
۸۱	حاتم، شیخ ظہور الدین	۲۸	احسن، میرزا احسن
۸۳	حزین، میر باقر	۲۹	الہام، شیخ شرف الدین
۸۴	حسرت، میرزا جعفر علی	۳۰	اثر، میر محمد
۸۵	حیران، میر حیدر علی	۳۳	الم، صاحب میر
۸۶	حسرت، مسیت قلی خاں	۳۳	اشتقاق، شاہ ولی اللہ
۸۹	حسن، خواجہ حسن	۳۵	انشاء، میر انشاء اللہ خاں
۹۲	حسن، میر غلام حسن	۳۷	امانی، میر امانی
۹۸-۹۷	باب الخاء	۴۰	ایمن، خواجہ ایمن الدین
۹۷	خاکسار، محمد یار	۴۷	افسوس، میر شیر علی
۱۰۳-۹۸	باب الدال	۵۰	آشفۃ، حکیم رضا قلی خاں
۹۸	درد، خواجہ میر درد	۵۰-۵۲	باب الباء
۱۰۰	درومند، فقیر صاحب	۵۳	بیدل، میرزا عبدالقادر
۱۰۲	دل، شیخ محمد عابد	۵۵	بیان، احسن اللہ خاں

مضامین	نمبر صفحہ	مضامین	نمبر صفحہ
دیوانہ رائے مرہب سنگھ	۱۰۲	کلیف، شیخ محمد حسین	۱۴۵
باب التین	۱۰۳-۱۰۴	باب اللام	۱۵۰-۱۵۶
سوز، میرزا محمد رفیع	۱۰۳	لطف، میرزا علی، مصنف	۱۵۰-۱۵۶
سوز، سید میر	۱۱۳	تذکرہ ہند	۱۵۲
سجاد، میر سجاد	۱۱۹	باب المیم	۱۵۳-۱۵۷
باب الشین	۱۲۱	میر، میر محمد تقی	۱۵۲
شورش، میر غلام حسین	۱۲۱	منظر، میرزا جان جاناں	۱۵۰-۱۵۹
باب الصاد	۱۲۲-۱۲۳	مضمون، شیخ شرف الدین	۱۶۰
صانع، نظام الدین	۱۲۲	مخلص، مخلص علی خاں	۱۶۲
باب الضاد	۱۲۳-۱۲۴	مجزوب، میر غلام حیدر	۱۶۵
انیا، میر ضیاء الدین	۱۲۳	مصطفیٰ، غلام جہانی	۱۶۵
باب العین	۱۲۴-۱۲۵	محبت، انوار محبت خاں	۱۶۶
عزت، سید عبدالولی	۱۲۴	منت، میر قمر الدین	۱۶۱
عشق، شاہ رکن الدین	۱۲۶	باب القون	۱۶۵-۱۶۳
عیش، میر ذاعکری	۱۲۸	تاجی، محمد شاکر	۱۶۳
باب الفاء	۱۲۸-۱۲۹	نفیم، نفیم اللہ	۱۶۵
فقیر، میر شمس الدین	۱۲۸	باب الواو	۱۶۵-۱۸۰
فغان، شرف علی خاں	۱۳۰	ولی، شاہ ولی اللہ وکئی	۱۶۵
فرحت، شیخ فرحت اللہ	۱۳۱	ولی، میرزا محمد ولی	۱۶۹
فدوی، میرزا محمد علی	۱۳۶	باب الہاء	۱۸۰-۱۸۶
باب القاف	۱۳۶-۱۳۷	ہدایت، شیخ ہدایت اللہ	۱۸۰
قایم، شیخ محمد قایم	۱۳۶	باب الیا	۱۸۶-۱۹۹
قدرت، شاہ قدرت اللہ	۱۳۸	یقین، افغان اللہ خاں	۱۸۴
باب الکاف	۱۳۸-۱۳۹	یک رنگ، مصطفیٰ قلی خاں	۱۹۵

پبلشر کی التماس

۲۰ سالہ ہجری کے موسم برسات میں پائے تخت حیدر آباد کی مشہور ندی میں، جو ہمارے شہر کے نیچے بہتی چلی گئی ہے، ایک عظیم الشان سیلاب آیا۔ اس سیلاب سے لاکھوں روپے کا نقصان ہوا، اور کچھ لوگوں کو یہ مصداق ”چوں خراب شود خانہ خدا گردو“ فائدہ بھی پہنچا۔ لیکن اس طوفان کی سب سے بڑی اور مفید یادگار یہ تذکرہ ہے، جو پبلک میں پیش کیا جاتا ہے۔ اگر سیلاب نہ آتا تو اس منجد زمین سے اس علمی چشمے کا بہنا ممکن نہ تھا۔ یہ سیلاب جہاں اُور ہزاروں چیزوں کو اپنے ساتھ لایا، وہاں کسی آخت زدہ کا ایک کتب خانہ بھی بہا لایا، اور اُس میں یہ تذکرہ بھی تھا۔ پبلک میں یہ آج آدھ دو کتا ہیں کوڑیوں کے داموں کیس، اور یہ تذکرہ ہمارے کرم فرما، مولوی غلام محمد صاحب مددگار کینٹ کونسل دولت آصفیہ کے ہاتھ لگا، انہوں نے علامہ شبلی کو دکھایا۔ علامہ موصوف نے اس کو بدرجہ غایت پسند کیا، اور انجمن ترقی اُردو کی طرف سے شائع کرنے کا قصد کیا، لیکن انجمن اپنی پیچ در پیچ طرز عمل کی وجہ سے اس کو نہ چھاپ سکی۔ اور علامہ موصوف نے ہم کو اُس کے شائع کرنے کی رائے دی، اور خود اُس کے ایڈٹ کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ علامہ موصوف نے اس کی تصحیح بھی کی، اور اُس پر کچھ نوٹ بھی لگائے، جو بچہ نہ چھاپ دیئے گئے ہیں۔

اس تذکرے کی معنوی خوبیاں، اور تاریخی حیثیت سے اُس کی اہمیت، اُس مقدمے سے ظاہر ہوگی جو ہمارے کرم فرما مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے، پرنسپل مدرسہ آصفیہ حیدر آباد نے ہماری فرمائش سے اس تذکرے پر لکھا ہے جس میں انہوں نے اُردو زبان کی نشوونما کی تاریخ اور اُس کی قدیم تصانیف کا بیان اور تذکرہ ہذا کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب کو پری فیس لکھنے میں جو خاص مالکیت ہے، اُس کو تمام اُردو دوایں پبلک جانتی ہے، کہ وہ کس خوبی سے اس اہم کام کو انجام دیتے ہیں، اس لئے ہم بجز شکرینے کے اور زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

ہمیں مولوی غلام محمد صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے، جنہوں نے اپنی علمی فیاضی سے، یہ کتاب ہم کو چھاپنے کے لئے دی اور کئی سال تک ہمارے پاس رہی۔ علامہ شبلی بھی خاص شکریت کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی عنایت سے اُس کی تصحیح اور تشریح میں اپنا وقت صرف کیا +

اس کتاب کے چھپانے میں خاص اہتمام کیا گیا ہے، اور سچی الامکان اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کا ایک حرف بھی چھوٹے نہ پائے، البتہ صرف اتنا صرف کیا گیا ہے کہ تیر، سودا، درو اور مصنف کا نمونہ کلام، جو اس تذکرے میں نہایت کثرت کے ساتھ درج تھا، اس میں سے صرف عمدہ نمونہ چن لیا گیا ہے، اور اس خدمت کو بھی مولوی عبدالحی صاحب کے ذوق سلیم نے انجام دیا ہے۔ اس کے سوا اس میں اور کوئی نقص نہیں کیا گیا بلکہ مقدمے اور نوٹوں سے اُس کو اور زیادہ محزن معلومات بنایا گیا ہے جس کی قدردانی کی پبلک سے اُمید کی جاتی ہے۔ اگر پبلک نے اس کی قدردانی کی تو ہم بہت جلد اور مفید علمی کتابوں کے شائع کرنے کے قابل ہو سکیں گے جو انگریزی اور عربی سے ترجمہ کی گئی ہیں +

عبدالمہد خاں

کتب خانہ تصفیۃ
۱۶ نومبر ۱۹۰۶ء
حیدرآباد دکن

مقدمہ

بر تذکرہ گلشن ہند

(از مولوی محمد الحق صاحب بی۔ اے۔ پرنسپل مدرسہ آصفیہ - حیدر آباد دکن۔)

یہ کتاب شعراے اردو کا قابل قدر دنیا یاب تذکرہ ہے اتفاق زمانہ سے ایک ایسے نیک دل اور باہمت شخص کے ہاتھ لگ گیا جس نے باوجود بے بضاعتی کے چھپوانے کا تہیہ کیا، اور مجھ سے کتاب پر مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی۔ میں خود بے بضاعت، تاہم اس فرمائش کو جو انہوں نے دلی شوق سے کی تھی ٹال نہ سکا، اور سبر و چشم قبول کیا۔

حقیقت اس کتاب کی یہ ہے کہ فواب وزیر الممالک آصف الدولہ آصف جاہ کے عہد، اور امیر الممالک لارڈ دارن ہیں، ٹنگز، گورنر جنرل کے زمانے میں، علی ابراہیم خاں نے ایک تذکرہ شعراے ہند کا فارسی

مولوی محمد اشرف خان صاحب کیتھڈ آصفیہ حیدر آباد دکن ۱۲۸۵ھ علی ابراہیم خاں، جنھیں یہی، مشہور ادیب اور مورخ ہیں۔ چننے کے رہنے والے تھے، اور بعد گورنر جنرل لارڈ کارفولس، بنارس میں چیف مجسٹریٹ اور بعد ان کے گورنر بنے، اور شاہ جہاں پوری میں، وہیں انتقال کیا ان کی مشہور تصانیف میں (۱) گلزار ابراہیم، تذکرہ شعراے اردو، جو شاہ عالم کی بادشاہت، آصف الدولہ کی وزارت، اور دارن میں ٹنگز کی گورنری میں، ۱۷۵۷ء سے ۱۷۶۱ء میں لکھا ہے، اور جس پر میرزا علی لطف نے اپنے اس تذکرہ گلشن ہند کی بنیاد رکھی۔

(۲) خلاصۃ الکلام اور مصحف ابراہیم، یہ دونوں فارسی شعرا کے تذکرے ہیں۔
(۳) وقایع جنگ مرہٹہ، یہ کتاب بعد لارڈ کارفولس ۱۷۶۱ء جہاں پوری میں لکھی گئی۔ اس میں ۱۱۶۱ھ سے ۱۱۹۹ھ تک کے حالات درج ہیں یہ پیرخانہ نے انگریزی میں اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ اس میں بڑی خوبی سے مرہٹوں کے حالات لکھے گئے ہیں، اور باقی پرت کی جنگ کا حال ایک ایسے شخص سے لے کر لکھا گیا ہے جس نے اپنی آنکھوں سے جنگ دیکھی تھی۔

(۴) ایک کتاب میں راجہ جیت سنگھ دلی بنارس کے بغاوت کے حالات لکھے ہیں۔ یہ واقعہ خود مصنف کے زمانے کا ہے، مگر چونکہ اس کتاب کے شائع ہونے میں یہ فرقہ لکھا ہے کہ "من کہ علی ابراہیم خاں کے ازیر خوانان یعنی انگریز نام" لہذا کسی قدر عجیب لگتی ہے۔
(۵) خطوط، جو برٹش تہذیب کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ اور جس سے اس زمانے کے بعض حالات پر روشنی پڑتی ہے۔

میں لکھا تھا: اور اس کا نام گلزارِ ابرہیم رکھا تھا۔ کوئی بارہ برس کی محنت میں ۹۸۱ھ ہجری مطابق ۱۵۷۳ء عیسوی میں جا کر ختم ہوا۔ اتفاق سے یہ تذکرہ اردو کے بڑے قدردان اور محسن، مسٹر گلکرسٹ کی نظر سے گزرا۔ انہوں نے مولف تذکرہ ہذا سے فرمائش کی کہ اگر اس کا ترجمہ سلیس اردو میں ہو جائے تو بہت خوب ہو۔ ان کا منشا اس سے یہ تھا کہ انگریز بھی اسے پڑھ سکیں، اور ان میں اردو زبان اور شاعری کا ذوق پیدا ہو جائے۔ اس طرح یہ کتاب اردو میں لکھی گئی۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ ترجمہ ہے، بلکہ مترجم نے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے، حالات میں بھی اور کلام میں بھی، جس سے بالکل نئی صورت پیدا ہو گئی ہے اور ایک تالیف کی حیثیت ہو گئی ہے +

یہ تالیف اُس زمانے میں ہوئی جب کہ دہلی میں شاہ عالم بادشاہ اور لکھنؤ میں نواب سعادت علی خاں رونق بخش مسد حکومت تھے۔ بادشاہ تو ایک بے بسی اور بے کسی کی حالت میں تھے، اور نام کے بادشاہ رہ گئے تھے؛ البتہ پورب کی طرف سے ایک جھلکی دکھائی دی۔ دلی کے اہل کمال اپنے وطن سے منہ موڑا اُسی طرف ہوئے۔ یہ قدردانی کے بھوکے تھے، قدر ہونے جو دیکھی تو وہیں کے ہو رہے۔ سب زیادہ شاعری کا ہنگامہ گرم تھا۔ پچہ شاعری کا دم بھرتا تھا۔ ادھر کے اساتذہ جو پیچھے تو انہوں نے وہ رنگ جمایا کہ سب رنگ پھیکے پڑ گئے۔ یہاں تک کہ نواب سعادت علی خاں جیسا عالی دماغ، متین، منتظم، اور کام کرنے والا شخص بھی اس کے اثر سے نہ بچا۔ باوجود اس کے انشاء اللہ خاں نے جو ہزار پھلوں کا ایک پھلڑا تھا، آخر انہیں اپنی گوں نہ دیکھ کر کہہ ہی دیا۔

”میں ہوں ہنسٹا اور تو ہے قطع میرا تیرا ایل نہیں“

کہتے ہیں کہ یہ اردو شاعری کے عروج کا زمانہ تھا۔ بیشک، لیکن یہ ایک ایسا عروج تھا جس کے ایک رخ پر عروج اور دوسرے رخ پر زوال کی تصویر نظر آتی تھی۔ عروج تو اس لئے کہ زبان روز بروز منجھی جاتی تھی اور مصنف اور شاعر ہوتے جاتی تھے، اور زوال اس لئے کہ فن شاعری میں صرف فارسی والوں کی تقلید کی جاتی تھی اور تقلید بھی ناقص۔ اس کے بعد اور لوگ جو پیدا ہوئے وہ بھی اسی ڈگر پر چلے۔ شاعری بس اسی کا نام رہ گیا تھا کہ بندش چست ہے، تانے کو ابھی طرح نیا دیا

ایک آدمہ محاورہ آگیا، کسی نئی یا سنگلاخ زمین میں غزل کہ دی، کبھی کبھار ڈرتے ڈرتے سال و سال میں کسی نئی تشبیہ یا استعارے کا استعمال ہو گیا، رہا مضمون، سو خدا کے فضل سے اس میں برکت ہی برکت تھی، اور اب بھی وہی حال ہے۔ مضمون تو مضمون تشبیہات تک مقررہ ہیں، اور اب تک وہی استعمال ہوتی چلی آتی ہیں کسی نئی تشبیہ کا لکھنا بڑی بہادری اور جرأت کا کام ہے، کیوں کہ ہمارے نکتہ سنج شاعر اس کے لئے منطوب کرتے ہیں۔ جیسے کوئی قانون داں کسی فوجداری جرم میں تعزیمیت ہند کی دفعہ تلاش کرتا ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ان شعرا کی محنت سے زبان صاف ہو گئی، لیکن اپنی شاعری کی طرح ٹھٹھ کے رہ گئی، اور جو حصار کہ ہمارے نغز گو شعرا نے اس گردبانہ دیا تھا اس سے آگے قدم نہ رکھ سکی۔ اس سے بڑھ کر کچھ دو ہونے کی آؤ کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ شاعری کا دعویٰ ہے، اردو کے استاد ہیں۔ مگر خط و کتابت فارسی میں کرتے ہیں، دیوان اردو ہے، مگر مقدمہ فارسی میں لکھا ہے۔ کوئی معاملہ آہڑا انہما مطلب فارسی میں ہوتا ہے اردو میں نہیں، کسی طبیب کے پاس جاسیے نسخہ فارسی میں ہے (اور یہ اب تک رائج ہے)، سرکاری و فائزین فارسی رائج ہے، یہاں تک کہ خط کی مشق کے لئے بھی شعر لکھے جاتے ہیں تو فارسی، اب اردو کو دوست ہو تو کیوں کر؟

لیکن ایک قوم جو سات سمندر پار سے آئی تھی، اور جس کا تسلط اس وقت ہندوستان پر اس طرح بڑھتا چلا جاتا تھا، جیسے سادون بھادوں کی گھٹا آسمان پر چھا جاتی ہے، اس نے اردو کی دستگیری کی۔ اور وہ اس لئے کہ ہندوستان سے واقعہ ہونے اور یہاں کی مہذب سوسائٹی میں ملنے جلنے کے لئے اس کا جاننا ضروری تھا۔ دوسرے یہ زبان ریاست کی گود میں پئی تھی، جہاں جہاں اس وقت بھی مغلیہ حکومت کے آثار تھے، اسی کا دور دورہ تھا۔ علاوہ اس کے ہندوستان کی جدید زبانوں میں سے زیادہ ہونا نظر آئی۔ اس لئے انہوں نے اس کی سرپرستی کی۔ سب سے بڑا احسان ڈاکٹر جان گلکرسٹ کا ہے جس نے انیسویں صدی کے شروع میں، بمقام فورٹ ولیم کالج اس کا ایک محکمہ قائم کیا، جس کا ابتدائی اور اصلی مقصد یہ تھا کہ جو انگریز یہاں ملازمت اختیار کرتے ہیں، ان کی

تعلیم کے لئے اردو کی مناسب اور مفید کتابیں تالیف کرائی جائیں۔ اور غالباً اسی شخص کا احسان ہے کہ بجائے فارسی کے اردو زبان و فقہ کی زبان قرار پائی۔ یہ عجیب واقعہ ہے، اور یاد رکھنے کی بات ہے کہ فارسی جو مسلمان فاتحوں کی چھٹی زبان تھی، ایک ہندو راجہ ٹوڈرل کی کوشش سے دفاتر میں داخل ہوئی، اور دوسرے دور میں اردو نے ایک انگریز کی وساطت سے دربار سرکاری میں رسائی پائی۔ اس شخص نے اس وقت کے قابل قابل لوگ ہم پہنچائے۔ اور مختلف کتابیں لکھوانا شروع کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو نثر کا لکھنا اسی وقت سے شروع ہوا، اور بلا مبالغہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ جو احسان ولی نے اردو نظم پر کیا تھا، اس سے زیادہ نہیں تو اسی قدر احسان جان گلگرسٹ نے اردو نثر پر کیا ہے +

چوں کہ یہ تذکرہ بھی اسی نامور اور قابل شخص کی تحریک سے لکھا گیا تھا، لہذا اس مقام پر مختصراً یہ بیان کرنا کہ اس کی نگارنی میں، یا اردو انگریزوں کی سعی سے کیا کیا کام ہوا، اور اردو زبان میں کس قدر اضافہ ہوا، نامناسب نہ ہوگا +

اس سلسلے میں سب سے اول سید محمد بخش حیدری قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے سلسلہ عیسوی میں تو تانکا فی لکھی، جو اصل میں انہوں نے طوطی نامہ کو اپنی زبان میں لکھا ہے۔ طوطی نامہ ابن نشاطی نے عبد اللہ قطب علی شاہ کے زمانے میں، وکئی زبان میں لکھا تھا، مگر اخذ اس کا ایک سنسکرت کتاب ہے۔ آرایش محفل یعنی مشہور قصہ حاتم بھی جواب تک عوام میں دھچی سے پڑھا جاتا ہے، انہیں کا لکھا ہوا ہے۔ ایک کتاب گل مغفرت یا وہ مجلس مسلمانوں کے اولیاء اللہ کے حالات میں بھی لکھی ہے۔ فارسی کی مشہور کتاب بہار دانش کا بھی اردو ترجمہ کیا ہے جس کا نام گلزار دانش ہے۔ ایک اور کتاب تاریخ نادری اردو میں لکھی، یہ کسی فارسی تاریخ کا ترجمہ ہے + دوسرے صاحب میر بہادر علی حسینی ہیں انہوں نے میر حسن دہلوی کی مشہور و معروف مثنوی سحر البیان (قصہ بدیع و بے نظیر) کو اردو نثر میں کیا ہے اور اس کا نام نثر بے نظیر رکھا ہے۔ اور ایک اور کتاب اخلاق ہندی کے نام سے لکھی ہے، اس کتاب کا ماخذ فارسی کتاب مفرح القلوب

۵

ہے جو اصل میں سنکرت سے لی گئی ہے۔ یہ دونوں کتابیں ۱۸۰۲ء میں لکھی گئی تھیں۔

میرامن دہلوی سب سے زیادہ قابل ذکر ہیں۔ احمد شاہ درانی کے زمانے میں جو دلی پر آفت آئی تو یہ وطن کو چھوڑ کر پٹنہ میں آ رہے، یہاں سے ۱۸۰۱ء میں کلکتہ پہنچے۔ بدخ و بہار کی وجہ سے ان کا نام ہمیشہ یاد رہے گا۔ یہ کتاب ۱۸۰۱ء میں لکھی گئی ہے۔ اور انیسویں صدی کے آغاز میں دلی کی جو زبان تھی اس کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کتاب کا ماخذ امیر خسرو کی چار درویش ہے میرامن نے امیر خسرو کی تصنیف سے ترجمہ نہیں کیا، بلکہ اس سے پشتہ ایک صاحب تحسین نامی ساکن اتادہ نے اسے امیر خسرو کی کتاب سے ترجمہ کیا تھا، اور اس کا نام نو طرز مرصع رکھا تھا؛ امیر امن نے اخلاق محنی کے نتیجے میں ایک کتاب گنج خوبی بھی اسی زمانے میں لکھی۔ حفیظ الدین احمد فورٹ ولیم کالج میں پروفیسر تھے، ۱۸۰۳ء میں انہوں نے علامی ابو الفضل کی کتاب عیادۃ کاترجمہ اردو میں کیا، اور خرد وافر و اس کا نام رکھا۔ اصل کتاب سنکرت میں ہے، اور عربی میں کلیدِ دمنہ کے نام سے مشہور ہے۔

میر شیر علی افوس بھی اسی سلسلے میں ممتاز شخص ہیں۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ گیارہ برس کے سن میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آئے۔ بہت سے انقلابات کے بعد نواب لارجنگ اور پھران کے بیٹے نوازش علی خاں کے ہاں ملازم رہے، اور جب یہ شیرازہ بکھر گیا تو صاحب عالم و عالمیان مرزا جواں بخت جہاندار شاہ کے متوسل ہو گئے۔ مگر جب شہزادہ عالم کو کوچ شاہ جان بابو کی طرف ہوا تو یہ ساتھ نہ جاسکے۔ اور نواب سرخاں الدولہ بہادر کے ساتھ زندگی کے دن بسر کرنے لگے۔ تلمذ ان کو میر حیدر علی حیراں سے ہے، اور بعض کا قول ہے کہ میر درد اور میر سوز کے شاگرد ہیں۔ اتنے میں صاحب عالی شان، بارلو صاحب، مٹر گلگرسٹ کے مشورے سے، زباں دانان ریختہ کو لکھنؤ سے طلب فرمایا، چنانچہ لکھنؤ کے رزیڈنٹ مٹر اسکاٹ نے میر شیر علی افوس کو انتخاب کیا، اور دو سو روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر کر کے پانسو روپے بیچ راہ دیا، اور کلکتہ روانہ کیا۔ ۱۸۰۵ء میں کلکتہ پہنچے، اور فورس بعد انتقال کر گئے۔ یہاں انہوں نے

ایک قابل قدر کتاب آرائش محفل لکھی، جس میں ہندوستان کے مختلف حالات درج ہیں۔ اس کتاب کا ماخذ سچان رائے کی کتاب خلاصۃ التواریخ ہے، اور مرنے سے سال بھر پہلے اپنی ششہ اعیس سعدی کی گلستاں کا ترجمہ بلغ اردو کے نام سے اردو میں کیا۔
 نہال چند نے ششہ اعیس شہنوی گل بکاولی کو اردو شریں لکھا، اور نام اس کا مذہب عشق لکھا۔

کاظم علی جوان بھی دہلی کے تھے، بعد ازاں لکھنؤ میں آئے، اور وہاں سے ششہ اعیس کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج میں آئے۔ انہوں نے ششہ اعیس شگنلا کا قصہ اردو میں لکھا۔ نوادیشتر نے جو برج بھاکا میں ششہ اعیس شگنلا کی کہانی لکھی تھی، اس کا یہ ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایک بار واسمہ بھی لکھا ہے، اور اس میں ہندو مسلمانوں کے تیوہاروں کا ذکر ہے، جس کا نام دستور ہند ہے، اور جو ششہ اعیس چھپا۔

اکرام علی نے ششہ اعیس رسائل اخوان الصفا میں سے ایک رسالے کا ترجمہ عربی سے اردو میں کیا، جس میں شاہ اجتہ کے سامنے انسان و حیوان کا جھگڑا پیش ہے، کہ ہم دونوں میں کون افضل ہے۔ یہ بھلاؤں رسائل کے ہے جو بغداد کی مشہور رسوائی اخوان الصفا کے اہتمام سے لکھے گئے تھے۔

سری لالو کجرات کا برہمن تھا، جو شمالی ہند میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ اس نے فورٹ ولیم کالج کی نگرانی میں ہندی کی بعض کتابیں، مثلاً پریم ساگر، رانج منتی، و لطائف ہندی ترجمہ یا تالیف کیں۔ سنگھاس پتی، سری لالو اور جوان نے مل کر ششہ اعیس لکھی، جو آدھی اردو آدھی ہندی ہے۔
 مظہر علی دلائے بیتان پچسی لکھی، جو مضمون اور زبان کے لحاظ سے سنگھاس پتی کے مثل ہے۔
 اور تیزولا کی مدد سے قصہ مادھو نال کو برج بھاکا سے اردو میں ترجمہ کیا۔

علامہ اس کے خود گلکرسٹ نے ششہ اعیس اردو کی ایک نعت لکھی، زبان کے بعض قواعد لکھے، اور مختلف طرح سے اردو زبان کی خدمت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر گلکرسٹ سے اول بھی

ایک شخص فرگسن نامی نے اردو کی ایک لغت لکھی تھی، جو لندن میں ۱۷۷۷ء میں طبع ہوئی۔ مگر چونکہ وہ باطل ناکافی تھی، جنرل ولیم کرک پیارٹک نے ایک ڈکشنری لکھنے کا ارادہ کیا، جس کے انہوں نے تین حصے کئے، مگر اس کا ایک ہی حصہ طبع ہونے پایا۔ اس حصے میں انہوں نے وہ الفاظ لئے ہیں جو عربی فارسی سے ہندی میں آگئے ہیں۔ باقی دو حصوں کے طبع کرنے کے لئے انہیں ناگری ٹائپ کا انتظار تھا، وہ جلد تیار نہ ہو سکا، اور کتاب ناقص رہ گئی۔ یہ ایک حصہ لندن میں ۱۷۸۵ء میں طبع ہوا۔ لندن سے جب یہ واپس آئے تو دیکھا کہ ڈاکٹر گلکرسٹ بھی اسی کام میں لگے ہوئے ہیں، تو چاہا کہ دونوں مل کر اسے انجام دیں، مگر چونکہ ان کو اور بہت سے کام کرنے تھے، اس لئے تھوڑے دنوں کے بعد وہ الگ ہو گئے، اور ڈاکٹر گلکرسٹ تنہا یہ کام کرتے رہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ایک حصہ انگریزی ہندوستانی لغت کا تیار کر کے ۱۷۹۵ء میں چھاپ دیا، مگر دوسری جلد ہندوستانی انگریزی لغت ختم نہ کر سکے۔ علاوہ ان تمام وقتوں کے جن سے وہ گھبرا گئے تھے، ایک وقت یہ بھی تھی کہ خریدار بہم نہ پہنچے۔ صرف نشتہ صاحبوں نے خریداری منظور کی۔ حالانکہ خرچ کا اندازہ کم سے کم چالیس ہزار روپیہ کا کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کام کو نہایت حسرت کے ساتھ خیر باد کہا۔ اس کے بعد میجر ڈیوڈ ٹامسن رچرڈسن پرنٹنگ وکمانڈنٹ ملٹری ایکاڈمی نے اردو لغت لکھنی شروع کی، مگر افسوس کہ اس کا بھی وہی حشر ہوا، اور طبع ہوتے ہوئے رہ گئی۔ اس کے بعد ۱۸۰۵ء میں ڈاکٹر ٹیلر نے ایک ہندوستانی انگریزی لغت طبع کرائی۔ اسی کتاب کو پھر ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے فورٹ ولیم کالج کے ویسی ادیبوں کی امداد سے نظر ثانی کر کے چھپوایا۔

گیلڈن نے ایک لغت فارسی اور ہندوستانی زبان کی دو جلدوں میں لکھی، جو کلکتہ میں ۱۸۰۹ء میں چھپی۔ مسٹر جان شیکسپیر نے ایک اردو لغت ۱۸۱۰ء میں طبع کرائی، یہ کتاب زیادہ تر ٹیلر کی لغت سے ماخوذ ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اسی کتاب کو دوسرے قلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ فورس کی لغت ۱۸۱۲ء میں لندن میں چھپی۔ ایک فرانسیسی

برنزینڈ نے بھی ایک لغت لکھی، جو پیرس میں ۱۸۵۷ء میں طبع ہوئی۔ برائیس کی لغت ۱۸۶۲ء میں لندن میں چھپی۔ پلیٹ نے بھی ایک لغت لکھی ہے، جس کے طبع ہونے کا سن مجھے معلوم نہیں ہوا۔ اس زمانے میں ڈاکٹر فین نے اردو کی کئی لغات لکھیں، ان کی ہندوستانی انگریزی لغت درحقیقت سب سے بہتر ہے، یہاں تک کہ اہل زبان نے بھی جو دو ایک لغت لکھے ہیں، ان میں بھی زیادہ تر فین کا متبع کیا گیا ہے، بلکہ اسی سے ماخوذ ہیں۔

اس مقدمے میں جو انگریزوں کے احسان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس تذکرے سے بھی بعض باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جن سے ظہر ہوتا ہے کہ انگریزوں کو اس زبان سے خاص دلچسپی تھی، اور اس کی ترقی دینے میں انہوں نے حتی الامکان کوشش کی۔ میر شیر علی افوس کا ذکر تو پہلے ہو چکا ہے، اور وہ ہم نے اسی تذکرے سے لیا ہے۔ میر کے حال میں لکھا ہے :-

”جن ایام میں کہ درخواست صاحبان عالی شان کی زبان دانان ریختہ کے مقدمہ میں کلکتہ سے لکھتو
 ”گئی تو پہلے کرنل اسکاٹ صاحب کے سامنے تقریب میر کی ہوئی، لیکن علت پیری سے یہ بچارے بھول
 ”کے بھول ہوئے، اور جو انانہ نشتی مرئی گری سے قوت بدنی کے مقبول ہوئے۔ زمانہ خوش طبعوں
 ”سے کبھی نہیں خالی ہے، اکثر اہل لکھتو پکارتے تھے کہ کلکتہ میں شاعری کی جا درخواست حالی ہے“
 غالباً اس جگہ کے لئے میر شیر علی افوس کا انتخاب ہوا، کاش میر صاحب کا انتخاب بتاتا!
 چوں کہ ان کی نظم میں انتہا درجے کی فصاحت و شیرینی اور سلاست اور گھلاوٹ موجود ہے
 اس لئے ممکن تھا کہ وہ فورٹ ولیم کالج میں جا کر نثر میں کوئی ایسی یادگار چھوڑ جاتے کہ اہل
 زبان ان کی نظم کی طرح اسے سراور آنکھوں پر رکھتے، اور اردو زبان میں ایک عجیب اور قابل
 قدر اضافہ ہوتا۔

نواب محبت خاں محبت، خلف ارشد نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں، کے
 ذکر میں لکھا ہے کہ :-

”انہوں نے ذاب متا زیادہ لکھ کر جانسین کی فرمائش سے قصہ سسی بنوں کا اردو میں نظم کیا اور
نام اس کا اسرارِ محبت رکھا“

میر قمر الدین کے حال میں درج ہے کہ:-

”انہوں نے میر محمد حسین - فرنگی نقب کے تول سے متا زیادہ لکھ کر جانسین کی سرکار میں تول
حاصل کیا، اور ان کی رفاقت میں کلکتہ آکر عا والدہ لکھ کر سر مشقین (ہینڈنگ) جلالت جنگ بہاد
گی اعانت سے پیشگاہ نظامت صوبہ بنگ سے ملک الشعر کا خطاب لیا“

اس زمانے میں علاوہ ڈاکٹر فیض کے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، کرنل ہال رائے سابق
ڈاکٹر سر مشقین تعلیم پنجاب نے بھی اردو زبان کی ترقی میں بیش بہا مدد دی، سلسلہ تعلیم کے
لئے عمدہ عمدہ کتابیں لکھوائیں، انگریزی سے بھی بعض چیزیں ترجمہ کر لیں، اور اس میں مفید
اور نیک مشورہ دیا۔ کتابت اور چھپائی میں بھی خاص اہتمام کیا، اور اس میں کار آمد مصلحتیں
کیں۔ اور سب سے بڑا کام یہ کیا کہ لاہور میں ایک انجمنِ تعلیم کی جس میں نیچل مضمائین پر عمدہ
عمدہ نظمیں لکھوائیں شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی، اور شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد
کی بعض نظمیں انہیں کی تحریک سے لکھی گئیں اور وہیں پڑھی گئیں کرنل رائے کا یہ کام بہت قابلِ قدر اور قابلِ
تقریف ہے، اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو نشر کی طر اردو نیچل شاعری کی بنا بھی ایک
حد تک انگریزوں ہی کے ہاتھوں رکھی گئی۔ آج کل مشربل ڈاکٹر آف پبلک انسٹرکشن پنجاب
نے جو انجمن ترقی اردو کی صدارت قبول فرما کر اردو کی سرپرستی فرمائی ہے وہ بھی کچھ کم قابلِ
شکریہ نہیں۔ اسی سلسلے میں جو ایک اور قابلِ قدر کام انگریزوں کے ہاتھوں ہوا ہے، اور
جس کا ذکر میں یہاں مناسب سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ سب سے اول اردو کتابیں بھی انہوں ہی نے
چھپوائیں، اول اول فورٹ ولیم کالج ہی کے پریس میں اردو کتابیں ٹائپ میں طبع ہوئیں، اور
جتنی کتابیں کہ ڈاکٹر گلکرسٹ، اور اس کے جانشینوں کی نگرانی اور مشورے سے تیار ہوئی تھیں
وہیں چھپتی تھیں اس کے بعد لٹھو گراف پریس سب سے پہلے دہلی میں ۱۸۳۷ء میں، استعمال ہوا

اور اس کے بعد سے روز بروز کتابوں کے پھینے میں ترقی ہوتی رہی +

وہ انگریز حاکم، جس نے اُس ملک میں بیٹہ کرجو اردو کا جنم بھوم اور وطن مالو فہ ہے، اُسے دفاح سے نخل کر ذیل کرنا چاہتا تھا، وہ سخت غلطی پر تھا۔ اگر وہ اس زبان کی تاریخ سے واقف ہوتا، اور یہ جانتا کہ اس کے واجب التحظیم بزرگوں نے اس کے حامل کرنے اور اسے وسعت دینے میں کسی کیسی مشقتیں بھہلی ہیں، اور اس عجیب و غریب سلطنت کی بنیاد کے ساتھ ہی اس عجیب و غریب زبان کی بنیاد بھی تنگم کی ہے، تو ضرور اپنی حرکت پر نادم ہوتا۔ یہ زبان کسی خاص فرقے، یا کسی خاص ملت کی نہیں ہے، اس پر دنیا کی تین بڑی قوموں نے عرق ریزی کی ہے، ہندو اس کی ماں ہیں، مسلمان اس کے باوا ہیں، اور انگریز اس کے گاڈ فادر ہیں۔ جو لوگ اس کے مٹانے کی کوشش کرتے ہیں وہ گویا اُس نشانی کو مٹانا چاہتے ہیں، جو تینوں کے اتحاد کی یادگار ہے۔ وہ غلطی پر ہیں، جب تک ہندو اور مسلمان اور انگریز دنیا میں قائم ہیں، کم از کم اس وقت تک یہ زبان ضرور قائم رہے گی +

افسوس ہے کہ صاحب تذکرہ نے اپنے حالات کچھ نہیں لکھے، دیباچے میں تو ذکر ہی نہیں، اشعار کے سلسلے میں جہاں اپنا حال لکھا ہے وہ بھی برائے نام ہے، بلکہ دوسرے شعرا کے مقابلے میں بالکل کم اور نا کافی ہے، البتہ اپنا کلام بڑے شوق سے نقل کیا ہے، اور شاید اس موقع کو غنیمت سمجھ کر سب کا سب دہجہ تذکرہ کر دیا ہے۔ لہذا ہم نے کچھ ان کے کلام سے اور کچھ ادھر ادھر سے تھوڑا بہت حال بہم پہنچایا ہے +

نام میرزا علی قلی لطف تھا، ان کے والد کاظم بیگ خاں اسطر آباد کے رہنے والے تھے، شاہ بھری میں نادر شاہ کے ساتھ شاہ جہاں آباد تشریف لائے، اور ابوالنضر خاں صفدر جنگ کی وساطت سے دربار شاہی میں رسوخ پایا، فارسی کے شاعر تھے اور ہجری تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں میرزا علی لطف باپ ہی کے شاگرد تھے۔ میرزا لطف دیباچے میں لکھتے ہیں۔

”میر ارادہ میر حیدر آباد کا تھا مگر جہاں کر مرثیہ گلزار مرثیہ بڑے اخلاق اور تپاک کے ساتھ ہم سے اس

متذکرے کے لکھنے کی خواہش کی ہند میں نے اسے برسوں پہلے قبل کیا۔
اس کے بعد وہ لکھتے ہیں :-

”آج کے دن تک ۱۲۱۵ ہجری اور ۱۸۰۳ء کے ہیں، عہد سلطنت قائم ہے، اُسی بادشاہِ اردش
”دل خدا پرست سے“

پھر اس کے بعد نوابِ سعادت علی خاں بہادر کا ذکر کیا ہے، اور بعد ازاں مارکوس آف ملزلی
کا ذکر کے لکھتے ہیں :-

”موافق حکم اس صاحبِ والا مناقب کے، کہ نام نامی اور اسم گرامی اُس کا اوپر مذکور ہوا ہے، اس
”بچہ جان نے یہ تذکرہ لکھا۔“

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تذکرہ مؤلف نے ۱۸۰۳ء میں ترتیب دیا، اس کے مادہ
تایخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۱۲۱۵ ہجری میں لکھی گئی +

”تجراں پھر ہیں بے سرو پا بہمن اور دے“

تایخ اس کی جب سے کہ رشک بہشت ہے“

اور غالباً ہی سالِ اتمام تذکرہ کا بھی ہے +

دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس فرمایش کے بعد نہیں، تو اول ضرور حیدر آباد

میں تشریف رکھتے تھے، کیوں کہ ان کے کلام میں وہ قصایدِ برج ہیں جو انہوں نے اعظم الامرا

ارسطو جاہ، اور میرِ عالم کی برج میں لکھے تھے۔ اعظم الامرا مرہٹوں کی قید سے نجات پانے

کے بعد دوبارہ ۱۷۹۹ء میں وزیر مقرر ہوئے، اور ۱۸۰۳ء میں انتقال کر گئے۔ ان کے بعد

اسی سال میرِ عالم وزیر ہوئے، اور ۱۸۰۳ء میں وفات پائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ مؤلف اس زمانے میں حیدر آباد چلے گئے تھے۔ چون کہ ان کو زیادہ تر یا تو انگریزوں سے

سابقہ رہا ہے، یا اہل حیدر آباد سے، اس لئے انہوں نے ایک شعر میں اس نقلی کو بڑی خوبی

سے ادا کیا ہے، کہتے ہیں :-

”ہو آوارہ ہندوستان سے لطف آگے خدا جانے“

”دکن کے سانولوں مارا یا انگلن کے گوروں نے“

جو قصیدہ انہوں نے اعظم الامر ارسطو جاہ کی منج میں لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی وہ فراغ ہال اور خوش حال تھے باور دکن میں جا کر ارسطو جاہ کے ہاں ڈیڑھ سو روپے ماہانہ کے ملازم ہو گئے تھے، مگر اس تنخواہ سے خوش نہیں تھے، اضافے کی درخواست کرتے ہیں اور بڑے زور سے کہتے ہیں :-

کل ہی کی بات ہے، یہ سا فظن میں تھا
”شکر خدا، کالج بیک بینی دود گوش
”ہر چند ہے تری ہی عنایت سے یہ سکول
”اس سامعہ خراشی سے مجھ کو جو ہے غرض
”سہ کار سے تری جود راہ تغفلت
”ہر چند جائے شکر ہے، پر عرض کیا کروں
”بے گفتگو چپاس تو ان ڈیڑھ سو میں سے
”خلق خدا کا بار اٹھاتی ہے پالکی
”باقی جو سور ہے، کئی دن میں زبان پھر
”مجھ سے ہو قدر ان نکات، اور یہ عکتہ سنج
”فضل و ہنر جو مجھ میں ہے وہ بت کیوں
”ہے بہت بلند کا تیری جود انقضا
”از بس کہ کم دماغ ہوں منیق معاش سے
لیکن مذہب اضافہ جو ہو دے برے نام

سودو سو آشتا کا قی بندگی گزار
گرچہ دکن میں ہے، نہیں ہر دیہ خوار و زار
لازم و گرنہ تھا بشارت کو اضطراب
سو یہ ہے، اے امیر فلک قدر کے تبار
ہے ڈیڑھ سو روپے ترے خادم کا ماہوار
جس طرح اس میں کاشتا ہوں بیل او تبار
ہو کر سوار چھاتی پہلے جاتے ہیں کمار
میں اپنی پالکی کا ہوں برعکس زیر بار
مثل جودات فقط ان کا ہے شمار
یوں ہو امیر پنجہ چنچ ستم شعار
اور قدر و انیاں بھی تری سب یہ یک کنار
اس امر میں تو ہے تجھے آئندہ اختیار
بالفضل و اضافے کا ہوں گا امیدوار
کہ انہوں سو چپاس میں گر ہو کشود کار

کیوں کر یہ بے حیائی نہیں ہوتی بابا!
چھ سو جب اُمیوں کو تو سے بلکہ چھ ہزار

تقصیف من چاہتا ہو تجھ سے ضعیف
”غالب نے تجھ پر شاق نہ ہوں سیکہ تین سو

جو شکایت شاعر نے اخیر شعر میں کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں قدیم سے چلی آرہی ہے، اور اب تک باقی ہے۔

اس قصیدے میں شاعر نے نقلی کی لی ہے، اور ناصر علی کا ذکر کیا ہے کہ ذوالفقار خاں کی طرح میں اس نے قصیدہ کہا اور صرف اس کے اس مطلع پر۔

”اے شان حیدری زجین تو آشکار

نام تو در بند کند کار ذوالفقار“

امیرالاعمار نے زروسیم بنا رکھا۔ پھر اس مطلع کو پڑھ کر کہتا ہے کہ اس میں کیا رکھا ہے۔

”خبر فقط ذوالفقار نہیں اس میں کوئی بات ایسی کہ ڈال دیوں سپر جس کے گے یاد“

”آئینِ قدردانی میں لیکن برے نام لازم ہی ہے گر گیا جو خان با وقار“

اور پھر خود اس مطلع کا جواب لکھتا ہے:-

”کتی ہے فارسی میں بھڑکے مطلعے ہاں در جواب مطلع ناصر علی بیار

آئے ذرہ از نام تو خورشید اعتبار تا یہ اسم اعظم از اسم تو آشکار

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس میں بھی سوائے لفظ اعظم کے اور کیا رکھا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود اس کے یہ مطلع ناصر علی کے مطلع کو نہیں پہنچتا۔

میر عالم بہادر کی طرح میں جو قصیدہ لکھا ہے اُس میں بھی یہی رونما ہو یا ہے،

”دہر اتنی عرض اے حاجت روا سے خلق جو تجھ سے کہ میں خواہاں نہیں کچھ ملک و کوس و بیل و لشکر کا

”قصبہ اتنی فربہا تو کہ مایحتاج کی رو سے نہ ہوں محتاج عند الوقت سیم و در و گوہر کا

نواب مصطفیٰ خاں شیفہ اپنے تذکرہ شعر انگلش پتھار میں لکھتے ہیں کہ:-

”میرزا لطیف کچھ دنوں نواحِ عظیم آباد میں بھی رہے ہیں، اور نسبت شاردی میر تقی نے رکھتے ہیں“

لیکن خود میرزا لطف اپنے حال میں یہ لکھتے ہیں :-

”اور مشورہ ریختہ کا فقہ اپنی ہی طبع نا صواب سے ہے“

اور اسی کو صحیح سمجھنا چاہئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ میر تقی کے بہت بڑے مداح اور ماننے والے ہیں، اور غالباً اسی وجہ سے وہ ان کی شاعر دی سے منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ لطف ایک معمولی شاعر ہیں، غزل و قصیدہ و مثنوی سب کچھ لکھا ہے، مگر کلام میں لطف نہیں۔ البتہ یہ تذکرہ ان کا ایک ایسا کارنامہ ہے، جو اردو زبان میں قابل یادگار ہے۔ چوں کہ ایک انگریز با اقتدار کی فرمائش سے لکھا ہے، زبان صاف اور سادہ ہے، تاہم قافیے کو ہاتھ سے جاتے نہیں دیتے۔ تذکرے اگرچہ اُدبی لکھے گئے ہیں، مگر اس میں بعض خصوصیتیں ایسی ہیں کہ جس سے یہ درحقیقت قابل قدر ہے۔

۱۔ اول تو سو برس پہلے کی زبان ہے، جس سے زبان کے متعلق بہت کچھ پتہ لگ سکتا ہے، اور محقق علم اللسان کو، اور نیز ان لوگوں کو جنہیں زبان کا چسکا ہے، بہت کچھ نئی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ ایک ظاہر بات جو ہمیں عام طور پر اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتی، وہ یہ ہے، کہ دکن کی زبان میں بعض الفاظ جو روزمرہ بول چال میں آتے ہیں، اور ہندوستانیوں کو اجنبی معلوم ہوتے ہیں، وہ درحقیقت پرانی زبان کی یادگار ہیں۔ مثلاً ”کر کے“ کا خاص استعمال، جو ہم یہاں ہر روز سنتے ہیں، اس تذکرے میں بھی جا بجا پایا جاتا ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں :-

”شورش تمھیں، متوطن غلیم آباد کے، مشہور میر جھنا کر کے“

اسی طرح میر قمر الدین منت کے حال میں لکھا ہے :-

”چنانچہ شکر تان کر کے، ایک نسخہ اس شیریں مقال کا بدور نکلتا ہے کے مشہور ہے“

دکن میں بعض لوگ ”بعد میں“ کی جگہ ”بعد از“ بولتے ہیں، سوزن نے ایک شعر میں ہی لفظ لکھا ہے :-

”ہے جیتے ہی تو مجھے کوئے یار میں رونا“

رہے گامرگ کے بعد از، مزار میں رونا“

فعل کے بعض استعمال بھی بعض اوقات باطل ایسے ہیں جو ہم حیدر آباد میں اکثر سنتے ہیں۔ مثلاً: فعل متعدی میں فعل بہ لحاظ مفعول کے آتا ہے، مگر اس کتاب میں بعض جگہ فاعل کے لحاظ سے آیا ہے۔ دکن میں عموماً اسی طرح بولتے ہیں۔ منیا کے حال میں لکھا ہے:-
 مٹی سے جبکہ لکھنویں آئے تو طور سکونت کا وہیں ٹھیرے؟

فقیر کے تذکرے میں لکھتے ہیں:-

”بیشہر دکن بطور سیاحت کے دیکھے، اور اکثر مقاموں میں سیر کی وضع پر پھرے؟“

دکن میں عام طور پر ”کما“ بولتے ہیں، قائم کہتے ہیں:-

”میں کما“ ”مہد کیا کیا تھا رات“

”ہنس کے کہنے لگا کُیا دھنیں“

۲۔ دوسرے علاوہ اس کے کہ مؤلف ایسے زمانے میں تھا جب کہ اردو زبان عروج پر تھی، اور بڑے بڑے اساتذہ زندہ تھے، مولف ان کا ہم عصر تھا، اور ان میں سے اکثر سے ان کی شناسائی اور دوستی تھی، اور اس لئے جس وثوق اور صحت کے ساتھ اُن کے حالات یہ لکھ سکتا ہے دوسرا نہیں لکھ سکتا۔ اور بعض حالات تو ایسے لکھے ہیں جو کہیں دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آئے۔ مثلاً: رزیدنٹ لکھنؤ کا میر تقی کو فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زبان ریختہ میں تالیف و تصنیف کے لئے طلب کرنا، اور بوجہ پیرائہ سالی اُن کا منتخب نہ ہونا۔ یا میر صاحب ہی کے حال میں ایک ایسا فقرہ لکھا ہے جس کا دل پر بہت اثر ہوتا ہے، اور جو صرف اس تذکرے کا مؤلف ہی لکھ سکتا تھا، کیوں کہ وہ ان کا دیکھنے والا تھا اور خاص ارادت رکھتا تھا۔ علاوہ اس کے اس سے میر صاحب کی اس خاص وضع اور طبیعت کا اندازہ بھی ہوتا ہے، جو انہوں نے عمر بھر نباہی۔ وہ لکھتا ہے:-

”ناقدِ دانی سے اغنیائی، اور ناہنگی سے اہلِ دنیا کی، اب بازارِ سخن سازی اس درجہ کا سد ہے، اور ہوا

”مشریانِ مہنی طر اس مرتبہ فاسد باک تیر سا شاعر، جو کہ سحرِ کاری سخن میں طلسم ساز ہے خیال کا، اور جادو طراز کی

”میان میں معافی پر اسے مقال کا، وہ نان شبینہ کا محتاج ہے، اور بات کوئی نہیں پوچھتا اس کی توجہ ہے“
شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد اپنی کتاب آسمیات میں لکھتے ہیں کہ:-

”جب میر صاحب لکھنؤ آئے تو ذاب آصف الدولہ نے دو سو روپیہ میہنہ کر دیا، مگر چون کہ بد مزاج انتہا درجے کے تھے
”ذوب سے بگاڑ کر لیا، اور گھر بیٹھ رہے، اور زندگی فقر و فاقے میں گزار دی“۔

مگر اس تذکرے کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح نہیں، کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ:-
”ذوب آصف الدولہ مرحوم نے روز ملازمت خلعت فاخرہ دیا، اور تین سو روپیہ شاہرہ مقرر کر کے تخمین علی خاں
نمائے کے سپرد کر دیا، اگر گزشتہ مزاجی سے ان کی روز بروز صحبت ذوب مرحوم سے بگڑتی گئی، لیکن تنخواہ میں کبھی
تقصیر نہ ہوا، اور ذوب سعادت علی خاں بہادر کے عہد میں تاج کے دن تک، اگر شاہجہاں بھری ہیں، وہی حال
”تھے جو اوپر مذکور ہوا“۔

مگر صاحب تذکرہ کا چند سطر اوپر یہ لکھنا کہ وہ نان شبینہ کا محتاج ہے یا تو مبالغہ ہے، یا ایسے کہ وہ
دوسروں کے مقابلے میں ان کے کمال کی پوری قدر نہ ہوئی۔ غرض یہ کہ بعض باتیں اس میں نئی
نظر آتی ہیں +

۳۔ تیسرے، صاحب تذکرہ نے ایک یہ کام بھی بہت اچھا کیا ہے، کہ جن لوگوں کو تھوڑا یا بہت
یا کسی قدر تعلق سلطنت سے رہا ہے، ان کے تذکرے میں تاریخی حالات بھی خوب خوب لکھے ہیں۔
چنانچہ شاہ عالم المتخلص بہ آفتاب کے حال میں ان کا بڑا نہ دلی عہدی عہد الملک کے خوف سے
دلی چھوڑنا، باپ کا دھوکے سے فیروز شاہ کے کوٹلے میں قتل ہونا، اور ان کا ۳۱ھ ہجری
میں تخت نشین ہونا، ارام نرائین سے جنگ دلیہ خاں کی دلیری اور جان نثاری، فتح و نصرت
کا حاصل ہونا وغیرہ وغیرہ، بالتفصیل لکھا ہے۔ اور اخیر میں کورنک سنگدل غلام قادر خاں روہیلے
کا دوناک واقعہ بھی درج کیا ہے، اور بادشاہ کی دروناک غزل بھی نقل کر دی ہے جس میں یہ
واقعہ منظم ہے، اور خود اردو نظم میں ترجمہ کر کے متن میں درج کی ہے، اس لئے کہ تذکرہ اردو کا،
اور اصل غزل حاشے پر لکھ دی ہے، البتہ اتنا تکلف کیا ہے۔ اسی طرح تانا شاہ، آصف الدولہ اور

مرزا محمد رضا امجد کے حالات میں اکثر تاریخی واقعات اور قصص لکھے ہیں۔ خصوصاً میرزا محمد رضا امجد کے تذکرے میں، امیر الامراء حسین علی خاں، اور ان کے بھائی کے حالات بڑی خوبی سے تحریر کئے ہیں۔ ۴۔ چوتھے اس کتاب سے زمانے کی سوسائٹی پر بھی روشنی پڑتی ہے، اور یہ بات توصیف صاف نظر آتی ہے، کہ ہمارے شاعروں کا گردہ عجیبے فکر تھا، اور دنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہ تھی۔ اخیر میں جب ہمارے بادشاہ نواب اور امرا اس طرف بچکے، تو وہ بھی ایسے ہی ہو گئے۔ ان لوگوں نے راسہا نہیں اور کھو دیا۔ ناک گیری اور ملک داری کبھی کی جا چکی تھی، اس لئے اولوالعزمی اور بہت بھی اس کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی۔ جسمانی اور دماغی قوتی میں انخطا پیدا ہو گیا تھا، ایسی حالت میں حقیقی سترت کہاں! البتہ عارضی خوش حالی اور بھوٹی زندہ دلی موجود تھی، شعر شاعری نے اس کا سامان اور میا کر دیا، دیوانہ راہوئے بس است، شاعروں کی بن آئی، وہ تو اس شغل میں رہے، اور یہاں کام تمام ہو گیا۔ اس زمانے کی سب سے بڑی علمی اور مہذب مجلس مشاعرے تھے، جن کے لئے بڑے بڑے اہتمام کئے جاتے تھے، اس کے خاص خاص آداب تھے، بڑے پورے نوجوان بچے سب ہی شریک ہوتے تھے، با کمال سخن وروں کو دل کھول کے داد دی جاتی تھی۔ کبھی کبھی بحث مباحثے ہوتے ہوتے لڑائی جھگڑے ہو جاتے، اور تھکا نضعتی تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ نوجوان ان مشاعروں میں شریک ہوتے، اور اپنے کانوں سے تحسین و آفرین کے نعرے سنتے تھے، جو شعرا کے لئے سب سے بڑی داد اور سب سے بڑا انعام تھا، تو ان کے دل میں بھی امنگ پیدا ہوتی تھی، کسی استاد کے پاس حاضر ہوئے، شاگرد ہو گئے، اور شعر کہنا شروع کر دیا۔ گویا شعر کہنے کے لئے صرف کسی استاد کا شاگرد ہو جانا کافی ہے۔ یہ مشاعرے وحقیقت شاعر گزرتے ہیں ان مشاعروں کو بڑ نہیں سمجھتا مگر جہاں یہ سب سے بڑی علمی اور ادبی مجالس ہوں تو ایسی سوسائٹی کی حالت کیا ہوگی؟

علاوہ اس عام حالت کے، تذکرے میں جو بعض ایٹیں ضمناً بیان کر دی ہیں، وہ بھی بچپن سے خالی نہیں ہیں۔ ایک واقعہ جس کا مجھ پر بھی اثر ہوا، یہ ہے کہ نواب وزیر اودھ اس زمانے میں جب کہ ان کا عروج اقبال تھا، اور بادشاہ نام کے بادشاہ رہ گئے تھے، تب بھی شاہان دہلی اور ان کے

گھرنے کی بے انتہا تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور تعظیم بھی ایسی کہ آج کل کے زوجوں کے خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ چنانچہ میرزا جو ان بخت جمانہ ارشاد کے حال میں لکھا ہے کہ وہ ۱۱۹۰ ہجری میں دلی سے لکھنؤ چلے آئے تھے۔

”ذاب آصف الدولہ دوم سے، جو مرتب آداب و خدمت گزاری کے تھے، سب ادا کئے، خواہی میں بیٹھے کے سو گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہے، باوصف اس ناز پروری کے کہ کبھی پیادہ قدم کا ہے کو چلے تھے پانچوں تھپا باندھے ہوئے ایک الٹھی اٹھ گھڑی کی گشت پر دس دس مرتبہ گاہ پر سے جا کر آداب بجالاتے تھے۔“

۵۔ پانچویں، بعض ایسے لوگوں کا حال بھی دیا ہے جس کی نسبت اردو کی شاعری کا لگان بھی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً گوئی کہ شاہ ولی اللہ اردو کے شاعر تھے، اور ان کا تخلص اشتیاق تھا۔ یا عجمہ القادر بیدل بھی اردو میں شعر کہتے تھے۔ یا تانا شاہ سے بھی ایک شعر منسوب ہے، جو اُدھا اردو اور ادھامندی ہے بعض ایسے شعر کا بھی کلام درج ہے کہ جن کا نام تو بہت مشہور ہے مگر کلام دستیاب نہیں ہوتا۔ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد اپنے تذکرہ آبجیات میں لکھتے ہیں کہ:-

”ایک موقع پر میر حسن مرحوم کا سفر شاہ مدار کی چڑیوں کے ساتھ مطابق پڑا؛ چنانچہ سفر مذکور کا حال ایک مثنوی کے قالب میں ڈھالا ہے، اس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی جوکی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عورتوں کی پوشاک وہاں کیا تھی، اور چڑیوں والوں کے جنسیات رسوم کیا کیا تھے۔ میں نے یہ مثنوی دلی کی تباہی سے پہلے دیکھی تھی، اب نہیں ملتی، لوگ بہت تعریف لکھتے ہیں۔“

حسن اتفاق سے صاحب تذکرہ نے اس مثنوی کا وہ حصہ، جس میں فیض آباد کی تعریف اور لکھنؤ کی جوکی ہے۔ میر حسن کے حالات میں نقل کر دیا ہے۔ ناظرین کو لکھنؤ کی جویت سے شریک کر بہت تعجب ہوگا۔

”زبں کو ذہ سے یہ شہر ہم مرد ہے اگر شہید کھے نیک اس کو کہ ہے“

اس مثنوی کا نام غالباً گزرا رام تھا۔ میر حسن کے دوسرے کلام کا بھی انتخاب کیلئے، باوجود حقیقت کلام سب اچھا ہے، مگر افسوس آج کل نہیں ملتا۔

خواجہ میر درد کے بھائی، میاں سید محمد میر اثر، کی مثنوی خواب و خیال اب تک سنی ہی سنی تھی، اس کے

چند شراٹھ کے حالات میں جوچ ہیں شمس العلماء مولوی شبلی نے اس کی مفصل ذیل فرمایا ہے، جو کتاب کے صفحہ ۳۳ پر درج ہے۔

مولوی حالی صاحب نے اپنے دیوان کے مقدمہ میں لکھنؤ کی شاعری میں صرف نواب مرزا شوق کی مثنویوں کا اعتراف کیا ہے لیکن چون کہ ان کے نزدیک شاعر لکھنؤ سے اسی فصاحت اور سلاست کی توقع نہیں کر سکتی، اس لئے اس کی ”وجہ یہ قادی کہ نواب مرزا نے خواجہ میرزا کی مثنوی دیکھی تھی، اور اس کا طرز ادا کیا تھا۔ اس کا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں، کہ یہ مثنوی نواب مرزا کا ماخذ اور نمونہ ہو سکتی ہے۔“

ہمیں تو یہ ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے صرف ”اعتراف“ کا لفظ لکھا ہے، حالانکہ مولانا حالی نے ان مثنویوں کی بحید تعریف کی ہے، سو اسے ایک نقص کے جس سے خود مولوی شبلی صاحب بھی انکار نہیں ہو سکتا، اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ لکھنؤ کی شاعری میں صرف نواب مرزا کی شاعری کا اعتراف کیا ہے بلکہ بریلینس کی شاعری کی اس قدر توصیف و ثنا کی ہے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں، یہاں تک کہ خود مولوی شبلی صاحب نے بھی موازنہ دیر و اینس میں انہیں اتنا نہیں سراہا۔ اکثر لوگوں کو جن کی نظر ظاہر نہیں ہے اور سطح ہی پر ہوتی ہے، مولانا حالی سے یہ شکایت ہے کہ لکھنؤ کی شاعری کی مذمت کی ہے، حالانکہ مولانا نے کہیں اپنے دیوان میں لکھنؤ کی شاعری پر بحث نہیں کی، عام شاعری پر، یا اردو شاعری کے فتوے دینا اور اس کے مختلف اصناف پر بحث کرتے ہوئے، تمثیلاً بعض اشعار یا کتب کا ذکر کیا ہے، اور اس میں دلی لکھنؤ والے دونوں ہیں، اس پر سے لوگوں نے ایسا گمان کر لیا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مقدمہ دیوان حالی میں کوئی خاص لحاظ اس کا نہیں کیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اہل وطن اپنی اور اپنے یار دوستوں یا عزیزوں یا بزرگوں کی کتاب پر تعریف سننے کے شائق ہیں، تعریف کے روادار انہیں۔ مولانا حالی نے جو شاعری پر مقدمہ لکھا ہے، وہ صرف ان کے دیوان کا مقدمہ نہیں، بلکہ اردو میں فنِ تنقید کا پہلا مقدمہ ہے۔ اس میں جو بعض ایسی راویوں کا اظہار کیا ہے، جو صرف ذوقِ سلیم اور عالی دماغ کا نتیجہ ہو سکتی ہیں، تو لوگوں کے عام، (بلکہ عامیانہ) خیالات کو صدمہ پہنچا، اور وہ بت نہیں دے سکتے تھے، چلے آ رہے تھے، یا ایک متزلزل ہو گئے، اور ڈھ گئے۔ زیادہ تر یہ خیال گلزارِ انیس کی نکتہ چینی سے پیدا ہو گیا ہے۔ مولانا نے اس

شمس العلماء مولوی شبلی نے ازراہ فوارش اس تذکرہ پر جایا نوٹ تحریر فرمائے ہیں +

خواہ مخواہ اس لئے نکتہ چینی نہیں کی کہ وہ ایک لکھنوی کی لکھی ہوئی ہے، بلکہ حقیقت وہ اُس رہے کی مستحق نہیں ہے جو لوگوں نے نا بھی سے اُسے دے رکھا ہے۔ مجھے تو ایسی یہ شکایت ہے کہ مولانا نے تنقید کا حق ادا نہیں کیا، صرف چند ایسی غلطیوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے، جو اگرچہ صریح اور بین ہیں، مگر اس قدر اور ایسی نہیں کہ جس سے اُس کی پوری قلمی کھل جانے حقیقت یہ ہے کہ اس شنوی کو اردو زبان سے کچھ قلع ہی نہیں، مولانا کا اگر اس میں قصور ہے تو صرف اتنا کہ انہوں نے دن کو دن اور رات کو رات کہہ دیا ہے۔ اب ہم خود اجراترکی شنوی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں

اول تو اس شنوی کی تعریف سب کرتے چلے آئے ہیں، چنانچہ ذاب مصطفیٰ خاں شنیفہ ساخن فہم اپنے تذکرہ گلشنِ بجا میں لکھتا ہے:-

”شنوی ایشان شهرت تمام دارد کہ بنائے آن برجاوہ بہت است، و ازین بہت مرفوب عام“
مولوی محمد حسین آزاد آپ حیات میں کہتے ہیں کہ:-

”ایک شنوی خواب و خیال ان کی مشہور ہے، اور بہت اچھی لکھی ہے“

دوسرے ان کے کلام سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، کیوں کہ اس میں درد، زبان کی صفائی، شستگی اور لطافت بدرجہ کمال موجود ہے، اور یہ سب باتیں شنوی کے لئے خاص طور پر مناسب ہیں۔ مگر صاحب تذکرہ نے غضب یہ کیا ہے، کہ شنوی کا وہ حدیث منتخب کیا، جس سے کسی طرح صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا سر ابا کا مضمون اس قدر مبہوت ہے کہ اس میں کوئی نیا مضمون پیدا کرنا، یا اس میں زبان کی فصاحت و سلاست دکھانا بہت مشکل ہے۔ اور چون کہ اس شنوی کی تعریف زیادہ تر زبان کی ہے، اس لئے صرف سر ابا کے چند اشعار پر حکم لگانا درست نہیں ہے۔ صاحب تذکرہ نے اپنے اس ذوق کا ثبوت اور بھی ایک آدھ جگہ دیا ہے، مثلاً جو شش کے کلام کو پسند نہیں کرتا، مگر انتخابی اشعار بہت اچھے ہیں۔ اسی طرح مصحفی کی تعریف کی ہے، لیکن انتخاب اس قدر خراب دیا ہے کہ اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کوئی اچھا شاعر ہے، لیکن اس کا کیا جواب، کہ جو شعر خواہ اثر کا بہ تبدیل لفظ شوق نے اپنا کر لیا ہے، یعنی:-

اثر اتم پائی نہیں اُسے نہتے جانا کھتے جانے میں دھانپتے جانا

شوق اقبالی میں ! سنتے جاۓ چھوٹے کپڑوں کو دغا پہنتے جاۓ
اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایسا شعر یا خواجہ اثر کر سکتے تھے یا ان کے بعد خواب میرزا شوق،
اگر یہ شعر ان کا ہے تو یہ کہنے کی پوری وجہ ہے، کہ شوق کی نظر سے یہ مثنوی گزری ہے، تو اس طرز کا اثر
ضرور اس پر پڑا ہو گا۔ مولانا حالی فرماتے ہیں :-

”خواب و خیال کے اکثر مصرعے اور شعر تھوڑے ثقافت سے بہار عشق میں موجود ہیں“

یہ ایک فرید ثبوت ہے +

دوسرے یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ وہ مثنوی اس زمانے میں لکھی گئی جب کہ اردو میں غالباً کوئی مثنوی
مقی۔ باوجود اس کے مولانا حالی نے صاف لکھ دیا ہے :-

”اس میں شک نہیں کہ موجودہ حالت میں خواب و خیال کو بہار عشق سے کچھ نسبت نہیں ہو سکتی۔“

اخیر اس میں تو ظاہر ایک حد تک کچھ گنجائش بھی نظر آتی ہے، مگر ہمیں افسوس ہے کہ مولوی شبلی صاحب نے
اس سے بڑھ کر ایک ریاکار مولانا حالی کی تنقید گلزار انیسیم کے متعلق ایک خط میں لکھ دیا تھا جسے لاچار چکے
صاحب نے اپنے بیباک گلزار انیسیم میں بطور سند کے درج فرمایا ہے، کہ ایک ایسے ناہل محقق اور صاحبِ ذوق
قلم نے ایسے الفاظ ظلمین و تحقیر اور ذوقِ سلیم سے کوسوں دور ہیں۔ اور خصوصاً یہی کتاب کی نسبت جملہ نفراں کے اس میں
کا لفظ نام کو نہیں، سیکڑوں نفلی اور معنوی غلطیوں سے پڑے ہیں ہم اس موقع پر زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے، اور
اس بحث کے لئے بھی ناظرین سے معافی چاہتے ہیں، موقع آ رہا تھا اس لئے یہ چند الفاظ لکھے گئے +
ابھی چھٹے، صاحب تذکرہ نے بعض مقامات پر پر دے ہی پر دے میں خوب چڑھیں کی ہیں؛ جن میں تبصیر
کی جھلک نظر آتی ہے، مثلاً: شاہ ولی اللہ صاحب کی نسبت لکھا ہے کہ :-

”ذکر العین فی البطل شہادتِ حسین اور جنتِ علیہ فی مناقبِ العاویہ ان کی تصانیف سے ہیں“

حالانکہ ان مباحث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ نہ شہادتِ حسین کا ابطال کیا ہے، نہ مناقبِ
عاویہ میں کوئی کتاب لکھی ہے، یہ محض اتہام ہے۔ اس کے بعد یہ کہ کر گئی والدہیں شاہ عبدالعزیز کے ”خوب
بجولج کی ہے“ اور آخر میں یہ لکھا ہے :-

”کیوں نہ ہو آخر کیسے باپ کا بیٹا ہے، فی الواقع کمالی مقادیر کے عالی مقام ہی ہوتے ہیں اور ان کا رویہ کمال کا ہے۔“

شیر کے بچے میں غش شیر سے اخذ ہے۔ بھونائیں گئے کی بی بی کی موجود ہے۔“

یا منظر جان جانان کے حالات میں لکھتے ہیں :-

”وہ اللہ بچہ تھے کہ اس روشن سازِ سبیل صدیقی نے، اور اس معقل پر دارا حکام فاروقی نے، اس آئینہ زگار

آلود دنیا سے منہ پھیر لیا، اور سفرِ خلفائے راشدین کی منازل کے طریق پر کیا؟“

یا تانا شاہ کے حالات میں مؤلف عالمگیر کی نسبت یوں گوہِ فزائی کرتا ہے کہ :-

”مکہ مکرمہ میں استعمال بادشاہانِ دکن کا جو اس محنت کیا، اور مکہ مکرمہ کو گھردے وہ کچھ منظرِ بے کردن پند، حدِ جانِ حرکت کا کیا فائدہ؟“

مکہ مکرمہ کا گھردہ وانا زار بہتان اور صیغہ جھوٹ ہے۔ تعجب ہے کہ مؤلف نے جو خود حیدر آباد میں رہا ہے، اس کتب

کا لکھنا کیوں کر گوارا کیا ہمیں شاید ناظرین کو یہ اطمینان دلانے کی ضرورت نہیں، کہ مکہ مکرمہ موجود ہے،

اور اب تک نظر بد سے محفوظ ہے۔“

لیکن قطع نظر ان امور کے وہ بعض وقت سچ کہنے سے بھی درگزر نہیں کرتا، مثلاً ”آبِ آصف الدولہ

کے حالات میں“ ان کی داد و دوش اور مروت کی بے انتہا بیعتی کی ہے، لیکن آخر میں صاف لکھ دیا ہے۔

”انوں یہ ہے کہ فتحِ اہلک کی طرف سے غفلت تھی، تاہوں کے ماتھے میں احاطہ ملک کا سرخام رکھا، آپ میر و شکار

سے کام رکھا، شیر کوئی یون اور کام کا نہ پایا، اس واسطے ساتھ غم کے رتبہ نام کا نہ پایا؟“

یا سراج الدین علی خاں آزدو نے، جو نکتہ چینی شیخ علی حزیں کے کلام پر کی ہے، اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ :-

”عوام کی طبیعت تو ان اعتراضوں سے البتہ شوش میں پڑتی ہے نہیں صاف نزع معلوم ہوتی ہے، جب باریک بینی کی نگاہ

اُس سے باہر ہوتی ہے۔“

اس تذکرے کے پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر شاعر اور خصوصاً نامور اور مشہور اساتذہ کے

سب دلی کے تھے۔ دلی کو جہاں یہ غر ہے کہ اردو نے اس میں جنم لیا، وہاں اس کا یہ فخر بھی بجا ہے،

کہ جتنے اعلیٰ شاعر ہوئے ہیں وہ ہیں کے تھے۔ اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے یہ شہر بھی عجیب غریب نظر آتا ہے،

زمانہ قدیم سے محمود آفاق اور مرجعِ خلافت رہا، کبھی راجاؤں اور جہاں راجاؤں کی راج دہانی، کبھی سلاطین

اسلام کا دارالخلافہ، کبھی طینیانی کی بدولت برک خراب ہوا اور رفتہ رفتہ پھر آباد ہوا، کبھی حکر کو جنگ جلیل
 قتل عام ہے، اور کبھی گھر گھر دن عجمہ اور رات شب برات ہے، کبھی تخت گاہ شاہان اور مہج کمال ہے، اور
 کبھی ایک طلق العنان سودانی کی لشک سے خاصہ کمند ہے، کبھی مورد بلیات و آفات ہے، اور کبھی
 منزل حسرت و برکات باغرض یہ نگری یوہیں اجڑتی اور سستی، بگڑتی اور منتی رہی، مگر باوجود اس کے
 اس کے صن عالم فروز میں نئی اد پیدا ہوتی رہی، اور ہر عارضے کے بعد فوراً سنبھل گئی، لیکن اخیر زمانے
 میں جب سلطنت مغلیہ میں انحطاط اور زوال کی علامات پیدا ہو گئیں، تو دو ایک تھکے چکے ایسے لگے کہ پھر نیا حال

سب سے اول نادر شاہ کا ایسا تھیہ لگا، کہ اس نے بٹھا ہی تو دیا، اس کے سترہ برس بعد ہی امیر شاہ ولی
 کی چڑھائی ہوئی، پھر مہنوں نے وہ ادو دم چائی کر رہا سہا سب خاک میں ملا دیا، اب تک بالکمال دتی میں پرک
 وضع داری نباہ رہے تھے۔ ان حادثوں کے بعد وہ بھی نہ بکے، سو ایک یہ درو کے جن کی نسبت مساند کہ لکھتے ہیں

”جس ایام میں معمرہ شاہ جان آباد کا، اور ہر ایک کو اس فحش دنیا کا بائج اہل کمال سے، اور کثرت مسلمان غیر لاشی
 تھے، رشک ہفت اقلیم اور غیرت جنت النعم تھا، تو معمرے پر شہر کے عرصہ ربع مسکوں کا تنگ، اور اس خراب آباد
 تشبیہ سے ہفت اقلیم کے تنگ تھا۔ جب کہ متواتر زول آفات کے باعث، اور کمرور و دلیات کے سبب خراب ہوا،
 اور معمرہ قربت و عذاب ہوا تو ہر ایک درویش گوشہ نشین نے، اور ہر ایک صابر راوی بکیزین نے، اور ہر ایک تکریم الدار نے،
 اور ہر امیر عالی قدر نے، خوار کو غنیمت جانا، اور بھاگے اور کھدھر پایا ٹھکانا، مگر وحید و لاتبار، کہ نام نامی اس کا خواجہ
 تھا، اس قطب سامان استقلال نے خیال بھی جگہ سے سرکنے کا نہ کیا، قفل بلاؤں کے، اور حال جفاؤں کے ہوئے،
 ”اور شاہ جهان آباد کو چھوڑ کر ایک قدم راہ اپنے کنج غلت سے نہ گئے۔“

ایسے وقت میں شاہ عیجاہے تو کس گنتی میں ہیں، بڑے بڑے وضع داروں اور متوکلوں کی ٹھیک نعل عانی
 دلی کے اترنے کے بعد لکھنؤ آباد نظر آتا تھا۔ اقبال نے کچھ دنوں اس کا ساتھ دیا، اب دے کے صرف یہی
 ایک ٹھکانا اور آسرا مسلمانوں کا رہ گیا تھا۔ آصف اولہ سالک لکھٹ نواب تھا، اہل کمال کی قدر ہونے لگی، پھر تو
 جواٹھا وہیں پہنچا، اور پہنچ کر وہیں کا ہو رہا۔ غالباً سب پہلے نادر شاہ کی تباہی کے بعد سراج الدین علی خان آہستہ
 پہنچے، اس کے بعد سودا و تشریف لے گئے، سودا کے انتقال کے بعد میر تقی نے ۸۲ء میں دلی سے لکھنؤ کوچ کیا

میر صاحب کے جلسہ ہی دلی سونی ہو گئی، اور میر حسن میر سونہ جرات، سب لکھنؤ میں جا بیے، اور دلی کی رونق لکھنؤ میں گئی۔
 اس طرح لکھنؤ کی شاعری کی ابتدا ہوئی، اب یہ لکھنؤ کی سوسائٹی کا اندوہان اور دو شاعری کا ایک انہماک تھا۔ اس پر بھی کچھ خیال تھا کہ اس تذکرے سے میر انشاء اللہ خان کے متعلق کوئی نئی بات معلوم ہوگی، اور کم سے کم اس قصے کی تحقیق ہو جائے گی جو جس العلماء مولوی محمد حسین آزاد نے ان کے اخیر زندگی کے متعلق لکھا ہے، مگر یہ تذکرہ ۱۲۱۸ھ میں لکھا گیا، اور ۱۲۱۸ھ تک میر انشاء اللہ خان میرزا سلیمان شکوہ کے ہاں ملازم تھے، یا اسی سال ذی القعدت علی خان کے ہاں رسائی ہوئی، کیوں کہ میرزا سلیمان شکوہ اس سال (۱۲۱۸ھ) لکھنؤ سے واپس دلی چلے گئے۔ یہ واقعہ آزاد نے سادت یار خان نگین کی زبانی بیان کیا ہے، صرف یہ لکھ کر تمام واقعہ بیان کر دیا ہے کہ سادت یار خان نگین کہا کرتے تھے، مگر یہ مذکورہ معلوم ہوا کس سے کہتے تھے، اور آزاد نے کس سے سنا۔ اب حیات میں بعض بعض جگہ وہ بحال نگین کا حال دیتے ہیں، مگر بحال نگین میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اتفاق سے بحال نگین بھی ۱۲۱۸ھ میں لکھی گئی، میر انشاء اللہ خان اور سادت یار خان نگین دونوں مرزا سلیمان شکوہ کے ہاں ملازم تھے۔ اور چونکہ واقعہ سادت یار خان سے اس لئے یوں بھی اس میں نہیں ہو سکتا کیا اچھا ہوتا اگر مولوی محمد حسین آزاد اس ایت کا سلسلہ بیان کر دیتے، مولف نے اپنے دیباچہ میں بیان کیا ہے :-

”یہ کتاب ہم نے دو حصوں میں لکھی ہے، یا یہ پہلا حصہ ہے جس میں سلاطین نامہ، امراے عالی مقدار، اور شعراے عظام و وقار کے حالات لکھے گئے ہیں یا دوسری جلد میں غیر مشہور شعرا کا تذکرہ ہوگا“

اس دوسری جلد کے متعلق ہمیں کوئی اطلاع نہیں کہ لکھی گئی تھی یا نہیں +
 مولف نے شرکا کلام جو بطور انتخاب کے جو کیا ہے اس میں تناظر فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو کلام چھپ چکا ہے ان کے انتخابی کلام کو پیش کرنے کے لیے صرف اہل درجہ کے اشعار رکھے ہیں، مگر جن شرکا کا کلام نہیں چھپا ان کے کلام کو مجبوراً یہاں ہی رہنے دیا ہے۔ خود مولف نے اپنے کلام سے صفحہ کے صفحہ رنگ دئے تھے، اس میں بھی انتخاب کیا گیا ہے +
 اب اس تذکرے کے متعلق اس قدر اور کہنا باقی ہے کہ اس کے طبع ہونے سے اردو لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہوگا، اور جو لوگ اردو زبان کی ترقی کے خواہاں ہیں وہ ضرور اس کی اشاعت میں کوشش فرمائیں گے +
 {عبدالحق بی۔ اے (پرنسپل مدرسہ صفینا)
 حمید آباد دکن، اکتوبر ۱۹۰۸ء}

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رعنائی اور زیبائی، دلبران سخن کو اُس زینت آفریں کی حمد سے حاصل ہے، جس نے معشوقانِ زبانِ ریختہ کو یہ لباسِ بوقلموں رنگ پہنایا۔ دلربائی اور رنگیں ادائی، ناز و نشانِ ناطقہ کو اُس بے نیاز کی ثنا سے شامل ہے، جس نے مجیدِ بانِ کلام اُردو کو زیورِ الفاظ عربی اور فارسی کی آرایش کے ساتھ خرامِ ناز سکھایا۔

شنا اور حمد ہے اُس ذو المنن کو	یہ بخشی جس نے رنگیں سخن کو
چمن کے ہم نے معنی کی جولی باس	تو ہر گل کی نئی بو ہے نئی باس

سر سبزی اور شادابی، چمنِ بیان نے اُس بہارِ گلشنِ بخت کی نعمت سے پائی، جس کی آبیاری فیضِ عام کے باعث خاثرِ خاتمِ نوحِ اش اُردو کا رشکِ رنگ ہے۔ تروتازگی اور سبزیِ گلبنِ معانی کو اُس رونقِ گلزارِ رسالت کی توصیف نے عطا فرمائی، جس کی نسیمِ نعمت کی موجِ زنی سے ہر فقرہ پریشانِ نظر ریختہ کا حسرتِ سنبل ہے۔ قطعہ

رحمۃ اللعالمیں جب سے سنی ہے اُس کی ذات	گر بی خورشیدِ محشر سے نہیں کچھ بیم ہے
گوہمارے جرمِ ہم کو آتشِ نیرودہوں	وہ شفیعِ اپنا ہے، تو گلزارِ ابرارِ بیم ہے

۱۵ اس مصرع میں عقیدہ ہے، اصل عبارت یوں ہے "یعنی کہ جہن کی جو ہم نے باس لی، اس لینا یعنی عیش و سوغنا۔"

آبادری تیغ زباں کو اُس جو شہر شیر شجاعت کی منقبت نے بخشی ہے، جس کی سیف دشمن گداز کے مضمون نے دو مصرعہ آبادار کو بخشا رہا۔ اور وسعت میدان سخن طرازی کو اُس شہسوار عرصہ یکہ تازی کی تعریف نے عطا کی ہے جس کی کشت گلگوں کی تحریر سے کسبتِ خامہ کرتا ہے صفحہ کاغذ کو تیرہ کلر کا

تذکرے کا علم دیں کے انتخاب	سبے گلستانِ ولایت کا وہ باب
مطلع و لکش بیاض دیں کا ہے	لفظ و معنی مصبغ آئیں کا ہے
شاہ بیتِ کلیات کائنات	بدِ بسم اللہ سرِ لوحِ نجات
تاجناب حضرت صاحبِ زمان	اور فرزند اُس کے عالیِ دوام
ہو نزولِ رحمت اُن پر اور سلام	آلِ پیغمبر اور اصحابِ کرام

بعد حمد اور صلوة کے، رنگ دینے والوں کو یمن بیان کے معلوم ہووے، کہ شاہ گیتی افزا روشن ضمیر، شاہ عالم بادشاہِ غازی کی بادشاہت میں، اور شمعِ شبستانِ دولت و اقبال وزیرِ عظم ہندوستان نواب وزیر الممالک آصف الدولہ آصف جاہ بیچنی خاں بہادر ہنرِ جنگ کی وزارت میں، اور رونقِ بزمِ انصاف و عدالت نواب عماد الدولہ امیر الممالک گورنر جنرل دارن ہیسٹن جلاوتِ جنگ بہادر کی ریاست اور امارت میں، علی ابراہیم خاں مرحوم نے ایک تذکرہ شعر کا ہند کا عبارتِ فارسی میں لکھا ہے، اور نام اُس کا گلزارِ ابراہیم رکھا ہے۔ ۱۱۹۰ گیارہ سو اٹھانوے ہجری اور ایک ہزار سات سو چوہاسی عیسوی میں وہ تذکرہ تمام ہوا۔ مشوریوں سے کہ بارہ برس میں سرانجام ہوا۔ رفتہ رفتہ جب سر حلقہ بزمِ نکتہ دانی، رونقِ افزائے فضلِ معانی، سخن کی جان اور سخن دانوں کی قدردان، صاحبِ والا مناقب، مسٹر گلگٹ صاحب کی نظر مبارک سے گذرا

۱۱۹۰ یعنی ذوالفقار کا رتبہ بخشا ۱۲

۱۱۹۰ اس ہندوستان کے گورنر جنرل، دہلی کے عباسی خطاب مائل کرتے تھے، اور اُس کو غریہ تحریر و تقریر میں استعمال کرتے تھے ۱۲
۱۱۹۰ یہ دہلی گلگٹ صاحب ہیں جن کے ایسا سے میر امن صاحب نے چار رویش لکھی۔ درحقیقت اردو زبان کا

نفاذ میں شمس ہے ۱۲

از بس کہ شاعروں کا احوال اس میں محل لکھا تھا، ایک مدت سے صاحب عالی حوصلہ کخیال اس بات کا تھا کہ اگر بیان اس کا مفصل زبانِ ریختہ میں کیا جائے، تو خوب ہو، اور ہر ایک شاعر کی پوری پوری غزل اپنا جلوہ دکھائے، تو نہایت طبع کے مرغوب ہو۔ مبتدی اس سے بڑا مزہ پائیں گے، اور نو مشق کیفیت بہت اٹھائینگے۔

چنانچہ اس خیر خواہ غنی دہلی، میرزا علی کوہ کہ لطف خفص کرتا ہے، نہایت محبت و اخلاق سے فرمایا کہ ”تو اگر تن دہی اس مقدمہ میں کرے، تو ہم اس تذکرے کو اپنی طرز پر لکھیں۔“ اگرچہ یہ پابندِ الفت کا اس ایام میں ارادہ حیدر آباد کی سیر کا رکھتا تھا، لیکن اس خلقِ مجسم کے اخلاق کا کیا بیان کروں کہ اس مضمون کو اس وقت اس خوبی سے ادا فرمایا، کہ مجھ سے سوائے اس بات کے اور کچھ بن نہ آیا، کہ میں لاکھ جان سے حاضر ہوں، اور ایک سہرہ مو آپ کے فرمانے سے نہیں باہر ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ خلق بھی سحر حلال ہے، جن لوگوں کا یہ آئین ہے اُن کا خوشحال ہے غرض معائے دلی اُس صاحب عالی تدبیر کا یہ معلوم ہوا، کہ ان فارسی کتابوں کے ہندی نشر کرنے سے مراد ہمیں یہ ہے کہ صاحبانِ انگریز تازہ ولایت سے جوتے ہیں، ہم اُن کی تربیت کے لئے سارا یہ خونِ جگر کھاتے ہیں، تاکہ اُن کے ذہن میں آسانی سے یہ عبارت آوے، اور اُن کی طبیعت اُس سے بخوبی مزہ اٹھاوے۔ تو بس لازم ہے کہ اس عبارت میں لفظ عربی اگر آوے، تو ایسا جس کو مبتدی دیکھ کر کہیں ”مسبحان اللہ“ اور لفظ فارسی جبکہ پاؤ، تو دیا جس کو نو مشق پڑھ کر کہیں ”واہ واہ“ امید جناب اقدس الہی سے یہ ہے کہ اس طور پر سرانجام اور مقبول نگاہِ خاص و عام ہو۔

الحمد للہ آج کے دن تک کہ ۱۵۲۱ بارہ سو پندرہ ہجری اور تھارہ سو ایک مطابق عیسوی

۱۵۱۱ھ سے اندازہ کرو کہ اس وقت کے اہلِ قلم سادہ اردو لکھنے کو کس قدر نفلت شان سمجھتے تھے مصنف صاحبانِ انگریز پر احسان رکھتا ہے کہ ان کی خاطر سے اس نے یہ ذلت گوارا کی

کے ہیں، عہد سلطنت قائم ہے ایسے بادشاہ روشن دل خدا پرست سے، جس کی خیمہ حقیقت
 ہیں کے سامنے دلی گدائی اور خلعت شاہی برابر ہے، اور نظر معرفت اثر کے روبرو مساوی
 کلاؤ فقیر اور تلج اسکندر ہے۔ تخت نشین بادشاہ سرفرازی، شاہ عالم بادشاہ غازی،
 قائم رکھے اللہ تعالیٰ اس شاہ بے آزار کو، اور زیادہ کرے اُس کی قدرت اور اقتدار کو۔ اور بالفعل
 مسند وزارت کو زیب اور زینت اس رونق بخش بزم عیش و کامرانی سے ہے جس کی محفل عیش
 و نشاط کی غیرت سے تعجب نہیں ہے کہ زہرہ غرق عرق پشیمانی میں ہو، اور مشتری مانند آئینہ
 کے گرفتار بند حیرانی میں۔ ساغر نوش خزانہ دولت و اقبال، مخمور بادۂ جاہ جلال، بین الدولہ
 ناظم الملک سعادت علی خاں بہادر مبارز جنگ، ساتی روزگار جام امید کو اُس کے شراب
 مراد سے پھلکتا رکھے اور اس ایام فرخندہ فرجام میں محفل حکومت اور ریاست اُس امیر صاحب
 تدبیر سے رونق پذیر ہے، جس کی بہار گلشن عدالت میں تحقیقات ہے چاک گریبان گل کی،
 اور پرسش ہے نالہ و لہجہ زار بلبل کی، کہ گل کا گریبان کیوں چاک ہے؟ اور بلبل کی آواز کیوں
 دردناک ہے؟ سوسن کی زبان بندی سو سو بار ہوتی ہے، اور زنگس کے احوال کی تلاش ہے
 کہ راتوں کو کیوں نہیں سوتی ہے؟ اس زبان داری پر کیا باعث ہے سوسن کی بے زبانی کا؟
 اس چشم خماری پر کیا موجب ہے، زنگس کی حیرانی کا؟ قمری کے طوق گردن کی جست و جو ہے، اور
 صد اُس کی آواز کو کو ہے، اُس میں گفتگو ہے، کہ کسی چیز کا اس کی گم ہونا ثابت ہوتا ہے لفظ کو کو
 کی تکرار سے، گلا اس کا باندھا گیا کس تقصیر کے اقرار سے غنچ کی گٹھری کو نسیم بے اجازت بہار
 کے کھولے، تو صاحب تقصیر ہے، اور زلفہ کو گل کے خزاں مٹی سے بھی مٹو لے، تو واجب
 التذخیر ہے۔

سبحان اللہ عدل اور انصاف دیا کہ جس کا شکل بیان ہے عقل اور فراست ایسی کہ جس

میں قاصر زبان ہے ارسطو کو سامنے تقریر کے دعویٰ طفل و بستانی کا، اور افلاطون کو رب و توحید کے انہماک و پھپھانی کا۔ یہاں تک تو اُس کی قدردانی سے اب علم کا رواج ہے، کہ مملکت جل جلالہ کے ہاتھوں سے ہوتی جاتی تاج ہے بمعہ حکم نے اُس کے وہ مدرسہ عالی شان بنا لیا ہے، جس کے بام عرش مقام کی پہلی سیڑھی اگر ساتویں آسمان کو کیسے تو جاسے۔ سرسی شاہ نشین کی گھمنڈ عرش نشانی کا رکھتی ہے۔ نسبت اس کو میت الشرف آفتاب سے کیونکر دی جاسکتی ہے۔ صفائی کو دیوار کی دیکھ کر فقط آئینہ ہی حیرت سے نہیں پشت بردیوار ہے، بلکہ شرمندگی سے پانی پانی گوہر آبدار ہے۔ تعریف سے اُس امیر عالی منزلت کی عمدہ برآہونا مجال نہیں ہے زبان کی، اور توصیف سے اُس والا مرتبت کی نکتہ سرائی ناطقت نہیں ہے بیان کی۔ شہسوار معرکہ دشمن ستیزی، سر حلقہ گرد و خرویدہ انگریزی، زبدۂ نوبان، غلیم الشان، مشیر خاص حضور فیض معور بادشاہ کیوان بارگاہ انگلستان، اشرف الاشراف مارکیس و نرلی، گورنر جنرل بہادر ناظم ممالک محروسہ سرکار کمپنی انگریز بہادر، و میرا عظیم عساکر بادشاہی و سرکار کمپنی متعلقہ کشور ہند، فدوی شاہ عالم بادشاہ غازی۔ عمد دولت میں اس عالی جناب کے از بسکہ آرام اور چین ہر ایک شخص کے نصیب ہے، اور عروذ و قار اہل علم کے قریب، موافق حکم اس صاحب والا مناقب کے، کہ نام نامی اور اسم گرامی اس کا اوپر نہ گورہو اسے، اس ہیچوان نے یہ تذکرہ لکھا، اور نام اس کا، بہر وجہ ارشاد اس صاحب ممدوح کے، گلشن بہند رکھا۔

اگرچہ احتیاج تاریخ کے نظم کرنے کی نہ تھی، کس واسطے کہ نثر میں سنہ ہجری اور عیسوی دونوں کی کیفیت لکھی ہے، اور علی ابراہیم خاں مرحوم نے شاید یہی سمجھ کر گلزار ابراہیم میں تاریخ نظم سے چشم پوشی کی ہے، لیکن یہ نہ چاہئے، کیونکہ نسبت نثر کے نظم پر ہر ایک شخص کان دھتا ہے، اور حافظہ اس کو بہت جلد قبول کرتا ہے، تعجب کیا ہے کہ اس کا اشتہار ہو، اور اہل سخن کی زبان پر اس کی تکرار ہو، تو جس کو سنی سنائی بھی یہ تاریخ یاد ہوگی، اس کو بہن دیکھے اس تذکرہ کے معلوم اس کی بنیاد ہوگی۔ بارہا صفات کے اشتہار سے ذات کو شہرت ہوتی ہے۔ اس فائدہ کے واسطے تاریخ

نظم اس کی اس طور پر لکھی گئی ہے۔ قطعہ

ہر ایک گل ہمیشہ بہار، اس حدیقہ کا	کتنا ہے یوں خزاں سے کہ تو کیا پشت ہے
حیراں پھریں ہیں بے سرو پا بہمن اور سج	تاریخ اس کی جسے کہ رشکِ بہشت ہے

گلگشت کرنے والوں سے چمنستان نازک خیالی کے پوشیدہ نہ رہے، کہ اس مخمّن حدیقہ بے استعدادی نے حسب الارشاد صاحب عالی شان مرقوم القدر کے گلشنِ ہند کی دو جلدیں کی ہیں۔ جلد اول یہ جو تحریر کی جاتی ہے، اس میں عرش پر دازیاں سلاطینِ نامدار کی، اور گوہر باریاں وزرائے والا تبار کی، اور خوش استعدادیاں اُمراء عالی مقدار کی، اور سخن تراشیاں شعراء صاحب وقار کی، جو کہ نام آور اور صاحب دیوان تھے، بیان کی گئی ہیں۔ اور جلد دوم میں مذکور کئے گئے ہیں شعراء گم نام وغیرہ مشہور، یا وہ نامشور کہ ہنوز نہیں تمام کر چکے ہیں کمائی شمع و پروانہ اور گل و بلبل کی۔ توفیق اس کتاب کی تمامی میں اس برجِ نعل سے چاہتا ہوں، کہ جس کی طرف رجوع ہے جزو نعل کی۔ جل جلالہ و عم ذوالہ۔

باب الف

۱۔ آفتاب

آفتاب مختص، نور تیر جہان بینی، مہر پہر صاحب قرآنی بشاد عالم بادشاہ ابن عالمگیر ثانی شاہزادگی میں گوہر صیفِ سلطنت کا نام عالی گوہر تھا۔ اُسی ایام میں عہد الملک کے خوف سے دلی سے بھٹے، اور بعد بہت آوارگی کے نجیب خاں کے یہاں، کہ سردار قوم افغان کا تھا اور نجیب الدولہ خطاب رکھتا تھا، مختصر عنایت الہی کے ہو کر ٹھہرے۔ اس میں بعد ایک مدت کے محمد قلی خاں، بھتیجے نواب صفدر جنگ کو، کہ ناظم صوبہ الہ آباد کا تھا، حوصلہ بنگالہ کی تسخیر کا دامن گیر ہوا۔ مشور سے نواب شجاع الدولہ کے، کہ وہ باطن میں محمد قلی خاں کے برباد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، خان مذکور نے شاہزادے کو نجیب خاں کے ہاتھ سے بلوائے، اور وسیلہ عزم کا ٹھہرا کے، آپس

فوج کے رکاب سعادت میں داخل ہوئے، اور آلہ آباد سے کوچ کر کے قریب عظیم آباد کے آ پہنچے۔ اب آگے رام نرائن، عظیم آباد کے نائب نظامت، کا بے حواس ہو کر محمد قلی خاں کی معرفت حضور میں شاہزادے کے حاضر ہونا مشہود ہے، اور پھر گڑ کے چند مدت قلعہ میں عظیم آباد کے بندہ بکر لڑنا، یہ بھی تواریخ مینوں کی نگاہ سے نہیں مستور ہے۔

ابھی محمد قلی خاں قلعہ کو لگے ہی ہوئے تھے، کہ اس میں بعد ایک چند روز کے شہر جو محمد قلی خاں اور میرن کی آمد کا نوا سطر رام نرائن کی کمک کے مع کرنل کلف بہا و ثاببت جنگ کے مشرق کی طرف سے، اہوا۔ محمد قلی خاں نے ان کی لڑائی سے عمدہ برا ہونے کی طاقت اپنے بیچ میں نہ پا کے، پیش ازان کے داخل ہونے کے، کوچ بنارس کی طرف کیا، اور شاہزادہ عالی تبا عالی گوہر نے، کرم نام سی کی ندیلی سے، کہ صوبہ عظیم آباد کی سرحد میں ہے، عبور کر کے تھوڑی دور گئے تھے، کہ باپ کے مارے جانے کا احوال اس طور سے سنا، کہ مدی قلی خاں کشمیری اعلیٰ قلی خاں کے بھائی نے، کہ رفیق عماد الملک کا تھا، حسب الارشاد اپنے آقا کے حضور اعلیٰ میں عرض کی کہ ”ایک فقیر بہت بڑا صاحب کمال فیروز شاہ کے کوٹلہ میں آ کے اتر رہا ہے، حضرت کو ملاقات اس سے کرنی ضرور ہے۔“ حضرت بیچارے اہل گرفتہ، حکم میں تو عماد الملک کے تھے ہی، اپنے پاؤں سے آپ قبو میں تشریف لے گئے۔ وہاں فقیر کہاں تھا، کئی ایک خوشخوار جفا کار بے شرم اور بے رحم اس حجرے میں بٹھا رکھے تھے، جانے ہی، اس بے گناہ کو پیش قبضوں سے مار کر لاش کو اوپر سے ریتی کی طرف کر دیا۔ شاہزادے نے سُننے ہی اس خبر کے، کھٹو لے میں پہنچ کر، موافق منابطہ خاندان بابر کے ساتھ لگیا رہ سو تہتر ہجری میں القاب مع شاہ عالم، کے ساتھ تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ اور قلمدان وزارت کا مع خلعت جلد نواب شجاع الدولہ کے واسطے بھیجا۔ ساتھ ہی اس کے خلعت امیر الامرائی کا، کہ عبادت میر بخشی گری سے ہے،

منجیب الدولہ کے لئے روانہ ہوا۔ اور نواب منیر الدولہ نے اسی وقت موافق ارشاد کے اچھی لگری کے طور پر ابدالی کی طرف کوچ کیا۔ اتنے میں کامگار خاں پانچ چھ ہزار سوار سے، اور دلیر خاں اصالت خاں اپنی تمام جمیعت سے حاضر ہو کر، اقرار جانفشانی کے ساتھ داخل دائرۂ دولت کے ہوئے۔ چنانچہ کامگار خاں نے اخراجات ضروری کا اپنا ذمہ کیا، اور زمینداروں سے اتنے ہی عرصے میں، جس جس ڈھبے بنا، کچھ کچھ پسیا بھی لیا۔ تجویز یہ ٹھہری کہ میرن کے آنے سے آگے ہی رام نرائن سے لڑ لیجئے، اور خدا فضل کرے، تو قلعے عظیم آباد کے عمل کیجئے۔ بادشاہ کو بھی پیشوہ پسند آیا، اور اسی وقت پیش خیمے کے کوچ کو حکم فرمایا۔ کامگار خاں اور دلیر خاں متصل رام نرائن کے لشکر کے، کہ دیو ہاندھی کے کنارے پر پڑا تھا، آپڑے۔ اور جب کئی دن کے میدان جنگ گزستہ کر کے کمال جانفشانی اور سر فروشی کے ساتھ لڑے۔

سب سے پہلے دلیر خاں اور اصالت خاں نے گھوڑے چلائے، اور نہایت بہادری سے رام نرائن کی فوج میں در آئے۔ سچ تو یہ ہے کہ غول ان کا نشانہ تھا پھروں کی مار کا، اور مدف تھا بندوقوں کی باڑھ کا، بجلی کی طرح کڑک کر ہر ایک اثر و تاو پ کا سا گرم آتش فشاں تھا، اور گولیوں کی بارش کے سادون بھاؤں کا مینہ شہ مندی سے پانی پانی تھا۔ اس میں بندوقوں کی مار سے نشانہ کے ہاتھی کا منہ پھر گیا۔ کسی نے دلیر خاں سے پکار کر کہا کہ ”نشان کا ہاتھی پھر کھڑا ہوا“، فرمایا ”کیا ہوا، ہاتھی پھرا، اور گو کہ آسمان بھی پھرے دلیر خاں تو نہیں پھرا“ یہ کہ کے دونوں بھائیوں نے نوک کے گھوڑوں سے ایک تین سو جواؤں سے، کہ وہ رفیق ان کے تھے، ایسی ہی جان بازی کی کہ ساری زمین ان کی لاشوں سے بھر دی، اور تمام فوج رام نرائن کی تلے اوپر کر دی، خاطر خواہ دلاوری اور بہادری سے دل بھر کے، شجاعت اور تہور کا حق ادا کر کے، دونوں بھائیوں نے رفیقوں کے جان شیریں نثار کی، لیکن رام نرائن کی فوج میں بھی باقی نہ رہی جلالت گفتار کی۔

اس میں توپ اور بندوق تو بند ہوئی گئی تھی، کامگار خاں مع اپنی فوج کے جو ایک طرف سے بیٹھا، تو برابر رام نرائن کے جانچلا۔ لوگ رام نرائن کے، از بسکہ ولیہ خاں کی لڑائی کھائے ہوئے تھے، دوبارہ کامگار خاں کے مقابلے کی طاقت نہ لاکے پسا ہوئے۔

رام نرائن نے مقدمہ بے ڈول دیکھا، عین لڑائی میں کپتان کا گری صاحب کے کہلا بھیجا کہ آدھے لوگ اپنے میری ملک کو بھیجئے۔ کپتان مذکور نے موافق حکم نائب نفاذ کے اپنی فوج کے دو حصے کئے، اور آدھے آدمی ادھر بھیج دیئے۔ لیکن لوگ ان کے بھی تو لڑائی کی محنت اٹھا چکے تھے، اور جس قدر چاہئے تھا جی لڑا چکے تھے، کچھ کام بن آیا، اور کسی طرح سے بندوبست نے لڑائی کے انتظام نہ پایا۔ چنانچہ کامگار خاں نے گھوڑا رام نرائن کے ہاتھی سے ملا دیا، اور اتنے تیر اور نیزے مارے کہ اپنی دانت میں انہوں نے مار لیا، لیکن اس مدبر نے زخمی ہو کر جوشی میں لپٹ جانے کو غنیمت جانا اور تختوں کی آڑ کو وسیلہ زندگانی کا گردانا۔ غرض لڑائی بگڑ گئی، بہت سے لوگ رام نرائن کے ساتھ کے مارے گئے، اور کچھ غصوڑے سے لوگ بھاگ بھی بچا رہے گئے۔ مرنے والے مع رحم خاں اور غلام شاہ کے، کہہ اور اول فوج کے تھے، کامگار خاں کے ہاتھ میں فتح ہوئے۔ احمد خاں قریشی اور مراد خاں، بیٹا بہرام خاں بیچ کا، بھاگ کے رام نرائن کے شریک، عظیم آباد کی طرف قدم گزار ہوئے۔ شاہ عالم بادشاہ غازی نے فتح اور نصرت کے ساتھ کھیت پر ڈیرا کرنے کا حکم دیا، اور بھاگے ہوؤں کا پیچھا مطلق نہ کیا۔ اب آگے بیان ساتھ تفصیل کے موجب طول کلام کا ہے +

مختصر یہ کہ آج کے دن تک، کہ ۱۲۱۵ھ بارہ سو پندرہ ہجری ہیں، اور جلوس مبارک کو سنہ بیالیسواں ہے، وہ اورنگ نشین بارگاہ جاہ و جلال تخت سلطنت پر ساتھ عیش و نشاط کے حکمراں ہے +

سنہ تیسویں میں عہد سلطنت کے، منتظم علی خاں ناظر کی بے بسیہ فی شیخ غلام قادر خاں

زیلے نے جو کوئی کی ہے ہفصل بیان اس کا غضب، اور نہایت ترک ادب، لیکن حضرت نے خود اپنی زبان بلاغت بیان سے اس روداد کو اس تفصیل کے ساتھ نظم کیا ہے، کہ اور کسی بندہ آستان دولت کی کیا مجال تھی کہ اس واردات کو اس بے ادبی سے زبان تک لاتا۔ از بسکہ وہ غزل فارسی ہے، داخل کرنا اس کا بیچ کتاب کے خلاف آئین شرمندی کے معلوم ہوا، اس واسطے تیمنا و تبرکاً اس غزل کو حاشے پر کتاب کے لکھا ہے، اور ترجمہ اس کا افظاً باللفظ کر کے اس طرح داخل کتاب کیا ہے نظم

حادثے کی اُمّی آندھی جومری خواری کو	دم میں بر باد کیا میری جان داری کو
<p>۱۵</p> <p>صرصر حادثہ بر خاست پئے خواری ما آفتاب فلک رفعت شاہی بودیم چشم ما کندہ شد از دست فلک بہتر شد داد افغان بچہ شوکت شاہی بر باد بود جانگاہ زرو مال جہاں ہچوں مرض کردہ بودیم گناہے کہ نہ زایش دیدیم کردہ تھی سال نظارت کہ مراداد بباد عمد و پچیاں بہ میاں داد و نمودند و غا شیر داد امی بچہ را پر و روم حق طفلان کہ بہی سال فراہم کردیم قوم مغلیت و افغان ہمہ بازی داوند ایں گدازادہ ہمدان کہ بہ دفع برود گل محمد کہ زمر و ان بہ شہادت کم نیست نام داد و سیماں و بدل یکے یس</p>	<p>داو بر داد سرور برگ جہاں داری ما - برود در شام زوال آہ سیہ کاری ما تا نہ بینم کہ کند غیر جہاں داری ما کیست جز ذات میرا کہ کند یاری ما دفع از فضل الہی شدہ بیماری ما ہست مصروف کہ بخشند گنگاری ما زود تریافتہ پاداش ستنگاری ما مخلصان خوب نمودند و فاداری ما عاقبت گشت مجوز بہ گرفتاری ما کردہ تاراج و نمودند سبک باری ما بسکہ گشتند مجوز بہ گرفتاری ما بانی جو رستم شد بہ دل انگاری ما چہ قدر کرد و کالت پئے آزاری ما ہر سہبتند کہ بہ گرفتاری ما</p>

بس کہ خورشید کو لازم ہے طلوع اور غروب
آنکھیں نہیں تو ہوا خوب دکھنے لگائی
مملکت کا بھی خیال ایک مرض تھا جانکا
کی اس افغان بچے نے شوکت شاہی ریا
جو کئے تھے گنہ ان سب کی سزا بھی ہیں
جو تھا بتیں برس سے مرے گھر کا ناظر
بے گناہی نے مری اُس تم ایجاد کئے تیں
حق طفلان جو ہوائیں برس میں فجاج
تو مہ افغان و غل سب نے مجھے بازی دی
عمد و سپان کئے اس میں، بھلا حق تمک
تھا جس افغان بچے کو دو دلا کر پال
نازنین میری ہمد جو تھیں یاں ایت
آصف الدولہ اور انگریز ہیں میرے دل سوز
مادھو جی سینہ بھیا فرزند بکر بند کے ہا

شاہ تیمور کے وارد سر نسبت یا من
مادھو جی سینہ بھیا فرزند بکر بند کے ہا
آصف الدولہ و انگریز کے دستور من اند
راجہ و راونیند رار امیر و چہ فقیر
نازنین پری چہ کہ ہمد بودند
گرچہ ما از خلک امر و زحوا دث دیدیم
زود باشد کہ بیاید بہ مدد گاری ما
ہست مصروف تلا فی شہ گاری ما
چہ عجب گر بنمایند مدد گاری ما
حیف باشد کہ نہ سازند بہ غمخاری ما
نست جز محل مبارک بہر شادی ما
باز فرود آید سر سہاری ما

۱۵ یعنی سوائے خدا کے ۱۲ ۱۵ یعنی یہاں صرف سکساری اور تہیدتی چھوڑ گئے ۱۳

کوئی پہنچا دو خبر حال کی میرے، انتظام شاہ تیمور سے ہے اک نسبت مجھ کو	شاید آنکھ مجھ سے خبر داری کو دور کیا ہے جو کرے دور دل آزاری کو
راجہ و راوزیندار امیر اور فقیر آفتاب آج فلک کیا گرا رہے سرو پا	چاہئے سمجھ سعادتمیری غمخواری کو بچنے کا کل تجھے حق پھر تری سرداری کو

حضرت جہاں پناہ کے مزاج مبارک کو نہایت نظم کی طرف التفات ہے، اور بشیر شغل اشعار میں کثرتی اوقات ہے۔ ان شعروں کو اُس جناب کی طرف منسوب کرتے ہیں +

کیجئے ہمد بھلا کیوں کرنے شکوہ یا رکا۔ خانہ دل کو بھلایا اک نگہ سے اُس نے آہ صاف گل آنکھیں تری کتنی تھیں عاشق سے پکا خون ہووے گا گلوں کا دیکھنا ہر گز صبا زلف تیری دیکھ کے زاہد رگ جاں سے بنا کب ترے عشاق میٹھیں حشر میں طوبی دیکھ کر کل نبض میری یوں لگا کتنے طیب صرف کعبہ میں نہ کراوقات کو ضائع پوشین	ہم توندے اُس کے ہوں، وہ یار ہوا غبار کا ہو جو یار ب بھلا اس چشم آتش بار کا اگر سے عیسیٰ مداد اپنے کب بیمار کا نام مست لینا چن میں اُس بت خوشخوار کا جاننا ہیگا سعادت باندھنا زنا رکا۔ یا داوے دل میں جب سایہ تری دیوار کا گوئی بھی جانہ ہوا بیسما رس آزار کا دھونڈھ جا کر ہر طرف نقش قدم دلدار کا
--	--

اس قدر اندر وہ دل کیوں ان دنوں ہے آفتاب
دیکھ کر ہوتا ہے تجھ کو تنگ دل گلزار کا۔

صبح اٹھ جام سے گذرتی ہے وہ شب دل آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر نہ اجاڑنے اب تو آرام سے گذرتی ہے

۲۔ آصف

آصف تخلص، نور کو کب ہمت اور شجاعت کا، خورشید آسمانِ مروت اور سخاوت

کا، نواب آصف الدولہ وزیر الممالک آصف جاہ کی خاں بہادر بہر جنگ، خلف نواب
 شجاع الدولہ مغفور کا ہے، اور پوتا نواب ابو منصور خاں صفدر جنگ کا۔ بعد وفات شجاع الدولہ
 کے کہ گیارہ سو تالیس سال ۱۸۷۱ء ہجری تھے، اور شاہ جہاں پناہ شاہ عالم بادشاہ غازی کے
 عہد سلطنت کو پندرھواں سنہ تھا، بلکہ فیض آباد میں، کہ قدیم نام اس کا بنگلہ ہے، مسند
 وزارت کو زینت اس عالی تبار نے بخشی ہے۔ از بسکہ رسم کمین ہے کہ بادشاہ اور وزیر
 واسطے نام کے، عہد حکومت اپنے میں، نئے شہر کے آباد کرنے کی تلاش کرتے ہیں، اور
 وہاں مقرر ہو دو باش کرتے ہیں۔ بعد چندے ہی اس آب و رنگ گلشن وزارت نے بنگلے
 سے کوچ کر کے خارستان لکھنؤ کو بہار قدوم سے اپنے رشک شکوفہ زار کشمیر کیا۔ لکھنؤ
 کے تین بے جان میں گویا جان آئی، اور چشم بے نور نے بصارت پائی۔ پھر تو آبادی پر شہر
 کے عرصہ زمین کا تنگ تھا، اور معموری کو اس خراب آباد کی تشبیہ سے ہفت اقلیم کی تنگ
 تھا بسکہ اس بلند نظر کا اہل کمال کی طرف میلان خاطر تھا، ایک ایک کمال کا نذرانہ
 آدمی وہاں حاضر تھا۔ عمارت کی تعمیر پر طبیعت نہایت مصروف تھی، اور خواہش شکار
 کی مزاج سے بشت مالوف تھی۔ ہر روز لازم تھا ایک عمارت تازہ کی بنا کا دھونا، اور ہر
 سال عین واجب تھا واسطے شکار کے دوسرے سفر کرنا۔ بے مبالغہ ہے کہ ہزاروں شیر ماند
 بکریوں کے مارنے میں آئے، یہاں تک کہ ان کی کھالوں کے منعد و خیمے عالی شان بنوا
 پہلی ہی گولی اس کے ہاتھ کی گینڈے اور مارنے کو تھا پیغام اجل کا، اور بڑے دانت ہونے
 ہاتھی کے بس یہی اس کے واسطے تھا دام اجل کا، متنگ پریل مست کی جب اس کا
 بیٹھا، سو فار کا باہر نام نہ تھا۔ پہاڑ کو تنکے سے ٹالنا اس کے آگے کچھ کام نہ تھا۔ خلی گلی ہاتھی
 دنیلے اتنے مارے کہ آج دولت خانہ میں ایک عمارت عالی شان ہاتھی دانت کی موجود
 جس کے ستون اور کڑیوں میں نام کہیں لکڑی کا نہیں وجود ہے۔ شجاعت کے سوائے
 سخاوت پر جب طبیعت آئی تو ہمت حاتم کی دل سے خلائق کے بھلائی۔ ایک دن میں

لاکھ روپیہ سے شریف مکہ کی خدمت گزاری کی، اور پانچ لاکھ روپے خرچ کر کے نجف اشرف میں نہر اصفی جاری کی۔ فیاض ایسا کہ جو کوئی سامنے کچھ بے گیا خالی نہیں پھرا ہے۔ بے مبالغہ ہے کہ خاک کی ٹٹھی کو اکثر اکسیر کی قیمت میں لیا ہے۔ اس میں کوئی گستاخ اگر اس کی قباحت زبان پر لایا، تو وہیں بے مزہ ہو کر اس سے فرمایا کہ اتنی مروت کرنی اس شخص سے ہم نے مدت سے اپنے دل میں تھی ٹھیرائی، یہ چکی خاک کی جو اس سے لی یہ منت میں پائی غرض جو کچھ چاہئے سب کمالوں کی جامعیت تھی۔ افسوس یہ ہے کہ فوج اور ملک کی طرف سے غفلت تھی۔ نائبوں کے ہاتھ میں اصالتاً مالک کا سر انجام رکھا، آپ فقط سیر اور شکار سے کام رکھا، مشیر کوئی لایق اور کام کا نہ پایا، اس واسطے ساتھ غم کے رتبہ نام کا نہ پایا پھیلے برس گل اس برج نشین سند وزارت نے حکمرانی کی، اور چین گیتی میں مانند گل خورشید کے محتاج پر زرفشانی کی آخر الام از بس کینچ گلشن دنیا کے بہار اور خزاں آپس میں دست و گریبان ہیں، بیماری سے استسقی کی سلسلہ بارہ سو بارہ ہجری میں، کہ سلطنت کو شاہ عالم بادشاہ غازی کے چالیسواں سنہ تھا، اٹھائیسویں تاریخ ربیع الاول کی، پہر ڈیڑھ ایک دن رے، حکو عارضی کہ ملک فنا کی چھوڑ کر فرامانی اقلیم بقا کی اختیار کی۔ راقم اشم صفر سن سے ملازموں میں اس آستانہ دولت کے مع رسالہ سفر فرما تھا، اور افراط عنایت اور الطاف سے اس کے ہم چہلوں میں اپنے مورد امتیاز تھا۔ اس شمع شبستان وزارت کی تاریخ وفات کا شعلہ اس جگر کہا کہ گھنچن طبع سے یوں آتش فشاں ہوا ہے۔ **قطعہ**

اک جہاں بے دل و دماغ ہوا -	آصف الدولہ جب جہاں سے گیا
خلق کا عیش کا یار ہوا	جام عمر اس کا بھرتے ہی بسریز
دوستوں سے زیادہ دماغ ہوا	دشمنوں کا دل آتشیں غم سے
خشک شمع و سخن کا باغ ہوا	سال تاریخ کا خیال کسے

ہوئے یوں دور کر کے پائے عناد
آج گل بہار کا چرخ ہوا

یہ اشعار اُس عالمی جناب کے مشہور ہیں +

جس گھڑی تیرے آستان سے گئے
تیرے کوچہ میں نقشِ پا کی طرح
شمع کی طرح رفتہ رفتہ ہم
عشق! باتوں سے تیرے کیا کہئے
ایک دن ہم نے یار سے جو کہا
ہم نے جاننا کہ دو جہاں سے گئے
ایسے بیٹھے کہ پھر نہ وہاں سے گئے
سنبو اک دن کہ ہم وہاں سے گئے
نام سے گزرے اور نشان سے گئے
اب تو ہم طاقت و توان سے گئے

ہنس کے بولا کہ سنتا ہے آصف
یوں ہی کہہ کہہ کے لاکھوں یاں سے گئے

دل ہمارا خانہء امت گر مشہور تھا
آباد ملک دل وہ یار کہاں رہے گا
آصف نہ چھپے عشقِ بتاں دل ہمارے
شونہی چشم کی شہرت کو تری سن سن کر
مرے دل کو زلفوں میں زنجیر کیجیو
مرے دل نے زلفوں میں مسکن کیا
جس جگہ انسو گرے ہے ابلہ پڑ جائے جو
یو چھتے کیا ہوشِ چہر کی حالت یارو
آصف نہ چھوڑ دستِ سخاوت کو زینا
یاں تلکِ باغِ محبت دل نہ کھائے مگر بس
ہزاروں مریے جیتے دیکھے تیر بات کرتے

دلہ سو بتوں کے عشق میں اب وہ بھی بچاؤ
جس جا یہ درو و غم کانت کارواں ہریگا
دلہ سو بار اگر پھر بھی بنا دیں اسے گھر کر
دلہ شرم سے باغ میں زگرے نے پھیپا میں نکھیر
دلہ یہ دیوانہ اپنا ہے تدبیر کیجیو
یہ ہماں ہے اے شانہ، توفیر کیجیو
دلہ آہے آتش ہوئی کیوں کر ہم کیا جائے
دلہ میں ہوں، اور رات ہے، اور تیر تنہائی ہے
دلہ لایا ہے کچھ نہ ساتھ نہ جائے گا تو لئے
دلہ سر سے پانک ایک گویا صورتِ طاووس ہے
دلہ لبِ مجزبیاں میں تیر شاید آبِ حیاں ہے

۳۔ انجام

انجام تخلص، عمدۃ الملک خطاب، نواب امیر خاں نام روالہ ماجدان کے عمدۃ الملک نواب امیر خاں ہیں، کہ جو عالمگیر غلامکان کے عمدۃ سلطنت میں زینت بخش مسند امارت کے تھے۔ سلسلۂ نسب شریف کا اس عالی خاندان کے میر میراں نعمت الہی کو، کہ سلاطین صفویہ کے ساتھ نسبت اور ناتارکھتے تھے، پہنچتا ہے۔ بزرگ ان کے ہمیشہ ایران میں صدر نشین تھے محض غزو و قار کے، اور ہندوستان میں بھی ہمیشہ انیس و طلیس ہوں سلاطین نامدار کے۔ اس عالی و دومان کو شاہ عالم پناہ محمد شاہ سے ایسی صحبت برآ رہی تھی، کہ رشک تھا اس کے سب ارکان و دولت کو، اور ایمان ملک کو، حسد تھا۔ لطیفہ گوئی کی طرف طبیعت ان کی نہایت مصروف تھی، اور خوش طبعی سے مزاج بہ شدت مالوف۔ گردش چشم کے سمجھنے میں زمانے کے استاد تھے، اور شیریں کلامی میں اپنے وقت کے فرہاد موجود ناز و انداز کی تہ داریوں کے، اور اختراع کرنے والے چٹون کی جادو کاریوں کے۔ گانے میں دغل ایسا تھا، کہ استاد اس فن کے دم شاکردی کا مارتے تھے، اور ناولید کی باتوں میں بڑے بڑے گیانی ان کے آگے جی ہار تھے۔ بادشاہ کو ایسا اپنی طرف مصروف کر لیا تھا، کہ ایک دم کی جدائی ان کی جہاں پناہ کو شاق تھی، اور آٹھ پہر طبیعت ان کی طرف مشتاق تھی لیکن موافقت و راندازی سے بد گوئیوں کی آخر آخر مہل بہ بغیر خاطر ہوئی، اور خاندان جان نہ بباطن بلکہ بظاہر ہوئی چٹنا۔ ۱۶۹۹ء گیارہ سو اٹھتر ہجری میں ایک نمکھار نے ان ہی نوکروں میں سے انہیں کے صین صحن دولت خانہ میں بادشاہ کے قہر کیا، کہ اس روشن زبان کی زندگی کے چراغ کو ایک ہی جھوٹے میں کٹاری کے بچھا دیا، اگرچہ اس نااہل کا بھی اُسی جگہ لگ گیا ٹھکانا لیکن افسوس ہے نواب امیر خاں کا مارے جانا۔ اکثر ارباب فہم کو گمان تھا کہ یہ اشارہ بادشاہ کا ہے اور امر جہاں پناہ کا ہے جب اس نمک حرام کی لاش کو اٹھوانے میں بادشاہ نے نہایت کرم

فرمایا، پھر تو عوام کو بھی اس گمان کا بے تال نقین آیا۔

اس عالی طبیعت کو پہلی اور مگرنی کے کہنے میں مشق حد سے زیادہ تھی، اور اشعار فارسی اور ہندی میں بھلی چکی استعداد تھی یہ اشعار اس ستودہ اطوار کے آئینہ گوش صغار و کبار ہیں

کیوں بلایا بھینس کیا بھ سے نادانی ہوئی کل محیط عشق کے صدموں سے پائی تھی نجات ہر پری تمثال جو آئینہ رکھتا تھا غنہ کیا کہوں انجام میں اس عشق کے آغاز کو	دختر رزم میں آشرم سے پانی ہوئی کشتی دل بے طرح کچھ آج طوفانی ہوئی ٹوٹے ہی دل کے مجھ کو سخت حیرانی ہوئی دوستداروں کی محبت دشمن جانی ہوئی
--	---

انفس میری دیکھ کے قتل میں یوں کہنے لگے
”کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پچھانی ہوئی“

نہک تو فرصت دے کہ پریں نصرت کیسیا ہم منہ ترا سکتے ہیں قسب الیم حسن و عشق کے دل تو ہے داغ غلامی سے تری طاؤس وا اب کسی نے دل جلا یا نہرانی سے تو کیا	دقوں اس باغ کے سایہ میں تھے آباد ہم تو ہی بتلا دے کریں کس سے تری فریاد ہم سامنے قمری کے گوہں سے وسوساں آزاد ہم عمر مانند شمر جب کر چلے برباد ہم
---	--

ساتھ اپنے سے کہ تھا انجام پائے کنت
شکر ہے، تر پے نہ زیرِ خنجر جلا دہم

۴۔ اُمید

اُمید مخلص، نام اصلی اس معدنِ کمالات کا مرزا تھہرنا ہے، رہنے والا جہان کا،
ایام شباب میں وطن سے غربت اختیار کر کے وار و اصحنان کا ہوا ہے، اور میرزا طاہر سے
کہ وجہ جن کا تخلص تھا، نسبت شاگردی کی درست کر کے کسب کمالوں کا کیا ہے۔ آخر
سلطنت میں خلد مکان کے ہندوستان میں آیا، اور اول بادشاہت میں بہادر شاہ

کے خطاب قزلباش خاں کے ساتھ رتبہ منصب نہاری کا پایا، لیکن اس پائے سے ہمیشہ اس ایام میں شکوہ مندر رہا ہے، اور منصب نہاری کے مضمون کو ایک بیت میں اس طرح سے موزون بھی کیا ہے۔

مثل بلبل کے ہوں سدا نالال یہ مرا منصب نہاری ہے

محمد معز الدین کے وقت میں کسی خدمت کی تقریب کے برآں پور کو گیا، اور صوبہ داری میں امیر الامر اسید حسین علی خاں کی اس خدمت سے تغیر ہو کر تحفہ بنیاد میں حاضر ہوا۔

اس جگہ مختصر سا احوال محل سید حسین علی خاں کی امیر الامرانی کا، اور صوبہ داری دکن کی جلوہ فرمائی کا، بیان کرنا ضرور ہے، کس واسطے کہ تغیر ہونا قزلباش خاں کا بخوبی معلوم ہو گا جب کہ ۳۲ھ گیارہ سو ستیس ہجری میں محمد فرخ میر اور محمد معز الدین سے لڑائی ہوئی، تو سادات بارہ نے کمال جانفشانی کی، چنانچہ سید عبد اللہ خاں اور سید حسین علی خاں نے،

مع اپنے بھانجے بھتیجوں اور رفیقوں کے، حسن بیگ خاں صف شکن اور زین الدین خاں بہادر خاں کے بیٹے کو، مع ان کے رفیقوں کے، شریک کر کے بلا جو کیا، تو زنجیر سے توپ نے

کے گھوڑوں کو لہا لگا کے مقابل ذوالفقار خاں کے، کہ میٹھا اسد خاں وزیر کا تھا، جا پھینچے، اور گود گود کے گھوڑوں پر سے جیسی چاہئے تھی جاں نثاری کی، اور دوامردانگی اور شجاعت

کی دی۔ اس میں تو بیٹے بند ہوئی گئیں تھیں، باقی فوج سے بھی تن دہی ہوئی حسن بیگ خاں صف شکن اور زین الدین خاں، بیٹا بہادر خاں کا، یہ دونوں سردار مع اپنے رفیقوں کے

بہادری کا حق ادا کر کے، کام آئے، اور سید حسین علی خاں چور ہو کر کھیت میں بیٹھ گئے۔

اتنے زخم اٹھائے، بارے سادات کے سر لڑانے سے پانوں طرف ثانی کے اٹھ گئے۔

جوموئے سوموئے، اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد معز الدین نے اپنی صورت بدل کر

راہ دلی کی لی، اور محمد فرخ میر کو اللہ تعالیٰ نے سادات کی نمک حلائی سے سلطنت عطا کی۔

۱۵۰۰ شمس بلبل ہمیشہ تالانم + میں بود منصب نہاری ماہ

سید عبداللہ خاں، بھائی کو خفیہ کھیت میں چھوڑ کر، فوج کا تقابض کئے چلے گئے ہیں، اور بادشاہ بعد ایک ہفتہ کے داخل دہلی میں ہوئے ہیں۔ اس جانبازی کے عوض میں بادشاہ نے سید عبداللہ خاں کو وزیر اعظم کیا، اور قطب الملک یار و فادار سید عبداللہ خاں بہادر خضر جنگ خطاب دیا۔ اور سید حسین علی خاں کو میر بخشی ہونے کے سوا منصب ہفت ہزاری عنایت ہوا، اور امیر الامر سید حسین علی خاں بہادر فیر جنگ خطاب ملا۔ بعد اس فتح کے جو خدمتیں کہ ان سے ہوئی ہیں، اور جو نمک حلا لیاں کہ انہوں نے کیں ہیں، مفصل بیان اس کا موجب طول کلام کا ہے، اور کچھ متعلق بھی نہیں اس مقام کا ہے۔ غرض توجہ بادشاہ کی از بسکہ ان پر حد سے زیادہ تھی، حاسدوں کو بس یہی عداوت کی بنیاد تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں بدگوئیوں نے ان کی طرف سے بادشاہ کے دل میں سیکڑوں شبہ ڈال دیئے، غضب تو یہ ہے کہ اس عقل مجتم نے حاسدوں کے کہنے سے بے تامل مان لئے پھر تو دشمنوں نے تدبیر ان کے توڑنے کی یہ ٹھیکرائی، کہ پہلے لازم دونوں بھائیوں میں ڈالنی جدائی۔ اس تقریب کے امیر الامر سید حسین علی خاں کے واسطے تجویز صوبہ داری دھکن کی ہوئی، اور رخصت حضور سے ملکہ گیارہ سو ستائیس ہجری میں اس مروت کے معدن کی ہوئی۔ ابھی دس کوں بھی دکن کی سمت کو نہیں تھی سواری گئی، کہ ساری وئی پکارتی تھی جنگ پھوٹا اور نزد ماری گئی، قصہ مختصر بعد کتنے دنوں کے، اور طے کرنے منزلوں کے، جب نزدیک سے مجھوڑ ہوا تو ایک فوج عالی شان لے کر واسطے لڑائی کے سامنے داؤد خاں ناظم برہان پور ہوا، کیونکہ فرمان بادشاہی معرفت خان دوراں خاں کے اس کو آگے ہی پہنچ چکا ہے، کہ دفعیہ میں امیر الامر سید حسین علی خاں کے اگر تجھ سے قصور ہوگا، تو گنہگار حضور کا ہو۔ سبحان اللہ! یہ داؤد خاں وہی ہے، کہ اوائل سلطنت میں محمد فرخ سیر کے امیر الامر نے اس کی جان بخشی کروائی ہے، اور احمد آباد گجرات سے اس کو باہر بھجوا کے سند صوبہ داری برہان پور کی حضور سے اس کے نام بھجوائی ہے۔ وہ حق احسان فراموش کر کے جان بخشی کے عوض میں خواہان جان ہوا۔

چنانچہ ۳۲ گیارہ سوتائیس ہجری میں، گیارہویں تاریخ رمضان کی، لڑائی کا راستہ میدان ہوا۔ بعد بہت سی خونریزی اور کٹاکشی کے داؤد خاں نے بندوق کی گولی کھائی، ہسٹہ کی گلولائی، اور امیر الامیر و فرزند جنگ نے ساتھ فتح اور فیروزی کے اورنگ آباد میں داخل ہو کر مسند حکومت کی آرائش فرمائی۔ اس حرکت سے کبریاں پور کے ناظم سے ہوئی تھی، آج ہی اہل خدمت برہان پور کے سب تغیر کئے۔ اس تقریب کے قریب باش خاں بھی معزول ہو چکے اور میں حاضر ہوئے۔ از بسکہ سبقتہ علم مجلس کا اس مجموعہ کمالات کو بہت بڑا تھا، اور مزاج دانی میں اُمرا کے بہ شدت داخل رکھتا تھا، طرز خدمت اس کی امیر الامرا کو نہایت پسند آئی، اور داروغہ کی حکومت کرنا ملک کی واسطے قریب باش خاں کے قرار پائی۔ اس تقریب کے ارکات کو گیا، اور ایک مدت بھر وہیں رہا۔ بعد زوال دولت سادات کے، کہ وہ قصہ مشہور ہے، اور یہاں کچھ بیان اس کا نہیں ضرور ہے، قریب باش خاں نے رفاقت مبارز خاں کی، کہ ظہیر حیدر آباد کا تھا، اختیار کی۔

چنانچہ ۳۳ گیارہ سو ستائیس ہجری میں، جب نواب نظام الملک آصف جاہ سے اور مبارز خاں سے میدان میں شکر کھینچی کے، کمرسات کو س اورنگ آباد سے ہے، لڑائی ہوئی، تو قریب باش خاں بھی ساتھ تھا۔ مبارز خاں قوتینا دجل کا نچر ہوا، اور قریب باش خاں دام ہستی میں پھنس کر دستگیر ہوئے۔ بعد کئی دن کے ایک غزل نواب کی تعریف میں، اور اپنے عند تقصیر میں لکھ کر بھجوائی۔ بندش اس غزل کی نواب آصف جاہ کو پسند آئی۔ تھوڑے ہی دنوں میں پھر تو ایسی موافقت آئی، اسی وقت بموجب حکم قید سے نجات ملی، اور جاہ قدیم پر دستور سابق بحال ہوئی، اور تھوڑے ہی دنوں میں پھر تو ایسی موافقت آئی، کہ قلعہ داری منی مرک کی نواب نے غلٹ فرمائی۔ یہ قلعہ ہے علاقہ میں کرنا ملک کے، وہاں ہیرے کی کھان تھی۔ چنانچہ کشن پور دی ہے، اس کے کنارے سے ہیرا خال کے وہاں ترشتے ہیں۔ چند مدت اس معدن معانی نے ہیرے کی کھان کی داروغہ کی میں اوقات نہایت

آب و تاب بے بسر کی، اور اسی عرصہ میں رخصت حج اور زیارت کی لی۔ بعد حاصل کرنے ملک و زیارت کے جو آیا، تو نواب آصف جاہ کو ویسا ہی توجہ اور عنایت کے ساتھ پایا جب کہ شہنشاہ کیارہ سو پچاس ہجری میں نواب آصف جاہ حضور طلب ہوئے، اور شاہ جہان آیا آئے، تو قزلباش خاں بھی ہمراہ رکابے تھے۔ اس میں کچھ شورش مہنوں کی تنبیہ کے لئے مامور ہوئے، اور قزلباش خاں اس سفر میں فقط پاس رفاقت کر کے جہاں علی سے مجبور ہوئے میر غلام علی آزاد تخلص، سر و آزاد جو ان کا تذکرہ ہے، اس میں لکھتے ہیں، کہ جس ایام میں نواب آصف جاہ کو بھوپال کے سفر کا اتفاق ہوا، تو فقیر بھی عازم حج کا تھا۔ اس سفر کے پچھنے کو عنایات الہی سے سمجھ کر چلنا راہ کا اور اترنا منزلوں کا باہم اختیار کیا۔ چنانچہ قزلباش خاں سے مکرور و متواتر ملاقاتیں اس سفر میں ہوئیں عجیب مجمع کلمات نظر آیا۔ باوصف ولایت زانی کے ہندی راگوں کے گانے اور سمجھنے میں نہایت طبع چست اور فہم درست رکھتا تھا، اور خوش اختلاطی اور رنگین مزاجی میں بھی کوئی مقام اس سے نہیں چھوٹتا تھا۔ یہ طیفہ اس کی زبانی ہے کہ ”ایک دن میں نے کچھ شکایت زمانے کی نوافیہ الفقار خاں بیٹے نواب اسد خاں، وزیر جو تھے، ان کے سامنے کی، سن کر فرما لئے لگے کہ ”سچ ہے دنیا کو اُمید کے ساتھ بسر کرتے ہیں“ میں نے عرض کی کہ ”اگر دنیا کو اُمید کے ساتھ بسر کرتے ہیں تو افسوس ہے آپ مجھ بغیر دنیا کو بسر کرتے ہیں، کہ میرا تخلص ”اُمید“ ہے“ غرض جب نواب آصف جاہ بھوپال میں پہنچے، تو فوج نے مرہٹے کی شدتیں کیں، اور لڑائیاں مکرر ہوئیں۔ اس میں نادر شاہ کے آئے کا غلغلہ ہندوستان کی طرف ہوا۔ نواب آصف جاہ نے اس ایام میں لڑائی کا طول دینا مناسب نہ سمجھ کے، ساتھ دار و مدار کے مصلحتاً صلح کی، اور مع قزلباش خاں کے دخل شاہ جہان آباد میں ہوئے۔ آگے نادر شاہ کا آنا، اور دلی کا لوٹے جانا، مشہور ہے، یہاں کچھ بیان اس کا نہیں ضرور ہے غرض جب دہلی والی ایران کو گیا، اور شہر میں امن و امان ہوا، تو آصف جاہ حضور سے رخصت ہو کر پھر دکن کو سدھارے، اور قزلباش خاں نوکری

چھوڑ کر کھول کر بیٹھ رہے، دلی کی محبت کے مارے چند روز اور بھی ساتھ عیش و نشاط کے دیکھا جلوہ دم اور قدم کا، آخر ۵۹ سالہ گیارہ سو اسیٹھ ہجری میں سکتے کی بیماری سے لاچار کیا سفر ملک عدم کا قریب آٹھ ہزار سیکے زبان فارسی میں اس بلند طبع نے فکر کی ہے، اور ہندی میں گاہ گاہ بطور اختلاط کے کبھی کوئی غزل لکھی ہے۔ یہ اشعار اُس بستودہ اطوار کے ہیں +

بازن کی بیٹی ایک مری آنکھیں کھڑی غصہ کیا، دکالی دیا، اور دیگر لڑی کرتار نے دایسی کوئی دوسری گھڑی گھٹا کہ ڈاڑھی جاڑفل تجھ کو کیا پڑی	باناز حور و حسن ملک، جلوہ پری - رفتم پیش و گفتم تجاںم فدائے رست ایسی نہ سیتا، اور نہ بھوانی نہ را دھکا گفتم کہ تیسے پانوں پڑم اور بلائیم
--	---

گفتم اُمید وصل پہم تیرے جیتا ہوں
گھٹا کہ چل پرے دئی مارے تجھ مری

یار بن گھر میں عجب صحبت ہے دل ہمارا اسے کرتا ہے رات درو دل اس سے جو ہم نے نہ کہا دہر میں پاس نفس لازم ہے	دل درو دیوار سے اب صحبت ہے غیر سے جو ہر شب صحبت ہے ایسی حاصل ہوئی کب صحبت ہے شیشہ و سنگ یہ سب صحبت ہے
---	--

دستِ اختیار ہے زیرِ یار
آج اُمید کو ڈھبے صحبت ہے

۱۵ اور نہ کروں میں گھڑی کی بجائے "پڑی" ہے جو در نظم اقتاد کا ترجمہ ہے ۱۲

۱۵ کرتار یعنی خدا ۱۲

۱۵ یعنی پیش سوختہ ۱۲

۱۵ یعنی گڑھب ۱۲

۵۔ آرزو

آرزو تخلص ہے، سراج الدین علی خاں نام، متوطن اکبر آباد کے۔ باپ کی طرف سے سلسلہ اس بزرگوار کا شیخ کمال الدین، بھانجے سے شیخ نصیر الدین کے، کہ چراغ دہلوی جنکا لقب تھا، ملتا ہے، اور ماں کی طرف سے شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری کو پہنچتا ہے۔ چھوٹی عمر سے طبیعت اس بزرگ زاوے کی پڑھنے لکھنے کی طرف مصروف تھی۔ چنانچہ چودھویں برس شعر کہنا شروع کیا، اور چوبیس برس کی عمر تک جتنی کتابیں درسی اور ضروری تھیں پڑھ چکا، فاضلوں سے عصر کے جس قدر کہ فائدہ چاہئے تھا اٹھایا اور مرتبہ کو استواء کے نہایت بلندی کو پہنچایا۔ بعد تحصیل علم کے بادشاہی منصب داروں میں داخل ہو کر وطن سے دور ہوا، یعنی اوائل سلطنت میں محمد فرخ سیر کی گوالیر کی خدمتوں میں سے ایک خدمت کے ساتھ مامور ہوا۔ سال ۱۰۳۱ھ گیارہ سو تیس ہجری تھی کہ دارالخلافہ ہندوستان میں آیا، اور زور شور شاعری کا زبان و انوں کو دہاں کے دکھایا۔ چنانچہ سال ۱۰۳۲ھ گیارہ سو تیس ہجری میں، کہ شیخ محمد علی حزیں علیہ الرحمۃ ایران سے شاہ جہان آباد میں تشریف لائے، تو اُس یگانہ روزگار کی ملاقات کو شاہ و گداسب آئے۔ سراج الدین علی خاں سے جس قدر اخلاق کہ مناسب اُن کے حال کے پایا شیخ نے ادا فرمایا۔ لیکن اس بزرگ زاوے نے نسبت غور کی شیخ کی طرف منسوب کی، اور ناطق اپنی طبیعت اُن سے محبوب کی۔ آرزوہ خاطر دہاں سے گھر آئے اور دیوان شیخ کا دیکھ کر بہت سے شعر سقیم ٹھیرائے۔ چنانچہ وہ سب اعتراض جمع کر کے ایک رسالہ لکھا ہے، اور نام اُس کا ”تنبیہ الغافلین“ لکھا ہے۔ عوام کی طبیعت تو ان اعتراضوں سے البتہ تشویش میں پڑتی ہے، نہیں تو صاف نزاع معلوم

۱۵ مولوی امام بخش صہبائی نے ایک رسالہ ”قول فیصل“ منام لکھا ہے، جس میں خان آرزو کے اکثر اعتراضات کے جواب دیئے ہیں ۱۲

ہوتی ہے، جب باریک بینیوں کی نگاہ اس سے جا لڑتی ہے۔ غرض شاعر زبردست اور حساب
استعداد تھا، اکثر مضمون میں سے مضمون کو کرتا ایجا و تھا۔ لطیفہ گوئی اور ظرافت میں بہ شدت
مشاغ، خوش طبعی اور رنگین فرائی میں شہرہ آفاق تھا۔ اگرچہ سرشت ملاقات کا ان کو ایک جہا
سے تھا، لیکن توسل امورات دنیا میں نواب اسحق خاں سے تھا۔ بعد خرابی نے شاہ جہان آباد
کے نواب سالار جنگ کے یہاں سے لکھنؤ میں آئے، لیکن فلک نیزنگ باز نے بیرنگی ہی کے
رنگ دکھائے چنانچہ لکھنؤ میں وصال ہوا ہے، اور لاش کو ان کی، بموجب ان کی وصیت
کے، نواب سالار جنگ نے بعد سپردگی شاہ جہان آباد کو بھجوا دیا ہے۔ بہت سی کتابیں اس
ماہر فنون نے تالیف کی ہیں۔ اتنی تو نگاہ سے راقم عاصی کے بھی گزرے ہیں: فن معانی
میں ایک رسالہ لکھا ہے کہ نام اس کا ”توہین عظمیٰ“ ہے۔ اور فن بیان میں ایک رسالہ
اس کی تصنیف سے مشہور ”عطیۃ کبریٰ“ ہے۔ اور ایک فربنگ لکھی ہے، کہ نام اس کا
”سراج اللغت“ ہے، بطور برہان قاطع کے۔ اور سوائے اس کے حال کی اصطلاحات میں
ایک نسخہ تالیف کیا ہے، کہ مشہور ہے ”چراغ ہدایت“ کر کے شرح اسکندر نامہ کی اور قصائد
عرفی کی لکھی ہے۔ اور گلستاں کی شرح، کہ نام اس کا ”غیا بان“ ہے، تالیف کی ہے۔ ایک تذکرہ
فارسی گوئیوں کا نہایت لطیفوں کے ساتھ لکھا ہے۔ سوائے اس کے اور بھی بہت کچھ تحریر
کیا ہے۔ ۱۶۹۰ء کی بارہ سو اہتر ہجری میں اس فراغ پڑھنے والے مدرسہ زندگی کے لئے کتاب
ہستی کو گردان کے استاد اجل سے درس فنا کا پڑھا۔ قریب تیس ہزار بیت کے زبان فارسی
میں اس کو کہنے کا اتفاق ہوا ہے، اور یختہ کا قصہ گاہ گاہ بطریق تفسیق کے کیا ہے۔ یا شعاً
ہندی طبع زاد اس کے مشہور ہیں ♦

میں خانہ بیچ جا کر شیشے تمام توڑے	تراہدے آج اپنے دل کے پھیلے پھوڑے
جان کچھ تجھ پر اعتماد نہیں	دل زندگانی کا کیا بھروسہ ہے

<p>کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشیدِ خاوری کو کیا کوئی بانٹتا ہے اس کی سیاہی کو ہر کوئی مانتا ہے میری دلاوری کو بادِ صبا یہ کہتا اس دلِ ربا پری کو</p>	<p>اتنا ہے صبح اٹھ کے تیری برابری کو دل مارنے کا نسخہ پہنچا تھا شقوں تک اس تند خو صدم سے ملنے لگا ہے جسے اپنی فسوں گری سے اب ہم تو ہار بیٹھے</p>
<p>اب خواب میں ہم اُس کی صورت کو ہیں ترستے اے آرزو ہوا کیا بختوں کی یادری کو</p>	
<p>لبوں تک دل سے شب کا کوئیں نیم رکھینا بہاؤں کو دی اب اُس نے جب چرس کھینا چمن میں دستِ گلچیں سے عجیب رخ اس برس کھینا ”تکلف کیا جو نالہ بے اثر مثلِ جرس کھینا“</p>	<p>فلکے پنج تیرا ہ سے میرے زبس کھینچا مے شہِ خرابانی کی کیفیت نہ کچھ پوچھو راجوش بہار اس فصل گریوں ہی تو بلبل نے کہا یوں صاحبِ محل نے سن کر سوزِ مجنوں کا</p>
<p>نزاکت رشتہ اُلفت کی دیکھو سانسِ دشمن کی جنمِ سردار آرزو تک گرم کرتا نفس کھینچا</p>	
<p style="text-align: center;">۶۔ آبرو</p> <p>آبرو تخلص، شاہِ نجم الدین نام، ساکن شاہِ جہان آباد۔ اولاد میں شیخ محمد غوث گوالیری کے تھے۔ میراج الدین علی خاں آرزو کے رشتہ دارانِ قریب ہیں۔ اور صاحبِ دیوان تھے زبانِ ریختہ کے ترکیب میں بیشتر اشعار انہوں نے ابہام کے کہے ہیں، یعنی اکثر وہ الفاظ شعر میں لائے ہیں، کہ جن لفظوں کے دو معنی ہیں، اگرچہ بامعنی یا لایعنی۔ محمد شاہ فردوس آرام گاہ کے عہدِ سلطنت میں انہوں نے جہان فانی سے رحلت کی ہے۔ ان شعروں نے آبروان کے دیوان کو دی ہے +</p>	
<p>تیرگی جاتی رہی چہرے کی اور ابھی صفا</p>	<p>خبر دیوں کے ہوا حق میں یہ تب کرنا دوا۔</p>

<p>کیا سبب تیرے بدن کے گرم ہونے کا بھجن تو گلے کس کے لگی، لیکن کسی بے رحم نے آہ سرد اور چشم تر عاشق کی سے دسواں کر دل مرا تعویذ کر تو لے کے اپنے پاس رکھ ترش روئی چھوڑ دے اور تلخ گوئی ترک کر</p>	<p>عاشقوں میں کون جلتا تھا گلے کس کے لگا گرم دیکھا ہو گا تجھ کو بیچ میں آنکھوں کے لا بدست ہے مختلف جس وقت ہو آب و ہوا تو طفیل حضرت عاشق تجھے ہو دے شفا اور کھانا جو کہ ہو خوش کا تری سو کر غدا</p>
<p>بوعلی ہے نبض دانی میں بتاں کے آبرو کیوں نہ ہو دے عاشقی میں اس کا نسخہ کیسیا</p>	
<p>بوسہ لبوں کا دینے کہا، کہہ کر پھر گیا</p>	<p>دلہ پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا</p>
<p>قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اُس کلی ہو کر کے بے قرار دیکھو آج چھب گیا</p>	
<p>وعدے تھے سب خلاف جو اس لبے ہمتی یہ سبز آئینہ ہے آبِ رواں اور ابر ہے گہرا چوڑے کیلینے کا سارا یہ ہے خلاصہ تم اور گلہ خوں سے اب آنکھ جو لگا گئے پی کر شراب جو تم ہم کو ڈرا دوتے ہو جھپٹ آیا میں رقیبوں کو گویا مار دیا رستے کوئی اس طرح کے لالچی کو کب تلک پہلا میرے پیارے سے قاصد اپنے دل کی بات جانا</p>	<p>دلہ کیا اعلیٰ قیمتی دیکھو جھوٹا گل گیا دوانا نہیں تے کہیں گھر میں رہوں گا چھوڑ کر صحر دلہ شاید بکھو وہ سر کا بیٹھے ہمارے پاس آ۔ بادام کو پیارے پھولوں کے بیج باسا کیا شوق کو ہمارے جانا ہے اور کا سا دلہ یار نے اپنے گلے کا مجھے جب مار دیا دلہ چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لا کبھی وہ لا دلہ اگر جانے سے تمہارے جان کو شکل ہے اب ہنا</p>
<p>۱۵۔ تو دل کا تری یعنی تیری مرضی کا "شک" کا اہرام بھی مقصود ہے ۱۶۔ "دیکھو" کو "پڑھنا" چاہئے، اور نہ صرف ناموزون ہو گا ۱۷۔ "نہیں" کو "نہ" کے لہجے میں پڑھنا چاہئے ۱۸۔ "دیکھو" یعنی چوڑے کیلینے سے سارا مقصد یہ ہے کہ ۱۹۔ "کوئی" کو "کتنی" کے لہجے میں ادا کرتے تھے، یہاں بھی اسی طرح پڑھنا چاہئے ورنہ صرف ناموزون ہو گا</p>	

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا دیوے	دل	کہ اس کو بد نما لگتا ہے جیسے چاند کو گہنا
سج اور پر غیری کہ رہتا ہے اب لوٹا ہوا	دل	زر کے لالچ اس قدر وہ ستم کن کھوتا ہوا
جو لوٹتا نام سن امر دہستی کا چڑھے چو کنکے	دل	میں اس کوچ دے باتوں میں لگ جاتا ہوں گل
عاشقوں میں جس کسی کا یار ہو راضی مرا	دل	وہ مرا دشمن ہے لیکن چاہتا ہے جی مرا
جس طرح سے اے نامہ بر آیا ہے چلا جا	دل	جا کر کے یہ کہہ مل نہیں آیا ہے تو آجا
فرزاد کا دل کوہ کوئے کا بھرا پایا ہوا	دل	مستی سے جس کی شوق کی ہر گنتی لانا ہوا
اکھٹھ نہرتی نہیں کہ کیا ہوگی	دل	اس دل بے قرار کی صورت
زندگی ہے۔۔۔ رب کی سی طرح	دل	باؤ بندی حباب کی سی طرح
کون چاہے گا گھر بے تہ کو	دل	مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح
آبرو کے قتل کو حاضر ہوا کس کر کمر	دل	خون کرنے کو چلا عاشق تہمت باندھ کر
جس وقت زخم تیرا لگتا ہے غیر کے تئیں	دل	اُس وقت جان سیتی جاتے ہیں جان ہم
دھکا ڈتے ہیں ہم کو کمر باندھ باندھ کر	دل	کھولے ابھی تو جاوے میاں کا نخل بھرم
کن نے آباغ میں حیران کیا نرگس کو	دل	نہیں معلوم کہ یہ دیکھ رہی ہے کس کو
گستاخوں میں پکار، سنو کان دھرجن	دل	جو آور سے ملو گے تو دیکھو گے ہم نہیں
ہر گز ترے لبوں کی سرخی کے تئیں نہ چھیں	دل	ہر چند سعی کر کر یا قوت و لعل مرجائیں
اک عرض سب چھپ کر کرنی ہو ہم کو تم سے	دل	راضی ہو کر کہو تو خلوت میں آکے کر جائیں
لنک چلنا سخن کا بھولتا مجھ کو نہیں اب تک	دل	طرح وہ پانوں رکھنے کی مری آنکھیں میں بھرتی
زلف کے عقدے کھلے اب آؤ بھی شکل ہوئی	دل	دل کے اوپر یہ نئے سر سے بلاناز لگتی
میاں کے لوگ کہتے ہیں کمر ہے	دل	کہاں ہے کس طرح کی ہے کہہ رہے
دل کب آوازی کو بھولا ہے	دل	خاک گر ہو گیا بکولا ہے

۱۵ اس شعر سے اس زبان کی اطلاقی حالت ظاہر ہوئی ہے ۱۶ یہی شعر ادنیٰ تغیر جز ات کی طرف منسوب ہے ۱۷

پہرتے ہی پھرتے دشت دیدار کدھر گئے	دلہ	وے عاشقی کے ٹائے زمانے کدھر گئے
مڑگاں تو تیز تر ہے لیکن جگر کہاں		ترکش تو میں بھرے یزناٹے کدھر گئے
نازک تنی پہ اتنے مغرور ہو رہے ہو	دلہ	موسیٰ کمر نہیں تو فرعون کر رکھا ہے
اٹھ چیت کہوں جنوں سی خاطر نچنت کی	دلہ	اے کچھ بہار تجھ کو خبر ہے سنت کی

۷۔ احسن

احسن تخلص، امیرزا احسن نام، جوان نیک خصلت ہے۔ ابتدا میں میررضا سے اتفاق اصلاح کا ان کو ہوا ہے۔ بعد اس کے میرزا محمد رفیع السودا سے مشورہ سخن کا کیا ہے ریختہ ان کا خالی کیفیت سے نہیں ہے، اور بندش شعر کی صاف اور شیریں ہے۔ فی الجملہ غربت بھی رکھتے ہیں، اور تعلیق وغیرہ اکثر اکثر مغلوط بھلے جگہ لکھتے ہیں۔ ابتدا میں وزیر الممالک اب شجاع الدولہ مرحوم کی سرکاریں سرشتہ ملازمت کا رکھتے تھے، بالفعل کہ ۱۲۵۵ بارہ سو پندرہ ہجری میں ایک مدت سے نواب میرزا احسن رضا خاں بہادر کی رفاقت میں ایام زندگانی کے بسر کرتے ہیں۔ لکھنؤ میں بود و باش ہے۔ اور یہ ان کا منتخب تلاش ہے +

ہجرت کیوں کر نہ ہو وے آہ وزاری بیشتر	ہے قرار اس دل میں کم اور میرا سی بیشتر
کیوں تفکر دین و دنیا دل ہمارا بھول جائے	یا درہتی ہے ہمیں پیارے تمہاری بیشتر
پیشتر تھی ہم کو اُس سے دوستی اک طرح کی	اب تو بتلا دے ہے تلوار و کٹاری بیشتر
روز بھراں ہی میں تنہا کچھ نہیں روتے ہیں ہم	وصل کی راتیں گئیں یوں ہی ہماری بیشتر

بن کے خاک اب اُس کے کوچے سے بھلا کیوں نہ گھر
ہے مزاج اپنے میں احسن خاکساری بیشتر

نہ مال ہے دل میں، نہ آہ حزیں ہے	کوئی دم ہے یاں، سو دم واپس ہے
گئے دن جو آنکھوں سے بتے تھے دریا	ادھر دیکھ لو، خشک اب آستین ہے

گیا دل جو کوچہ میں چین چین کے	نہ پھر وہاں سے نکلا، عجب سر نہیں ہے
قدم رکھ نہ اپنا مرے دل سے باہر	کہا مان میرا، یہ گھر دل نشین ہے
نہ کھینچ آسمان پر سر اپنا تو آسن سمجھ آخر شرب کا مدفن نہیں ہے	
یارو وہ چشم کیوں نہ کرے کام خدا کا	رام اُس کا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا
سر اپنے کو جیوں لے گئے ہم اُس کے قدم تک	دل پہنچا دیا ٹھوکر میں وہیں ملک عدم تک
سجدہ گہ ہے خاک آسن اب تو سارے خلق کی	دل جان دی تھی اُس نے کس کی حسرت پاؤں میں
دل ہو دیدار سے مایوس تو سرور نہ ہو	دل چشم میں روشنی طور سے بھی نور نہ ہو
بزم میں اُس کی جو پہنتی ہے کبھی سرگوشی	دل دھڑکتا ہے کبیر اکبیر مذکور نہ ہو
ہے مجھ میں ریق، دیدہ تجھے تانگراں ہے	دل جیوں شمع مرا تارنگہ رشتہ عجاں ہے
محرورم ہم ہوں، محرم اسرار ہو کوئی	دل خلوت میں ہو کوئی، پس دیدار ہو کوئی
را توں کو اُس کے کوچہ میں جاتا تو ہوں	دل دھڑکے ہے دل پڑا کہ نہ بیدار ہو کوئی
پہنچی جن وقت مجھے اس کی خبر آنے کی	دل سدھ رہی مجھ کو نہ اپنے کی نہ بیگانے کی
تم تو دل مانگو ہو، یاں جان تملک حاضر ہے	دل بات یہ بھی ہے کوئی آپکے فرمانے کی

۸۔ الہام

الہام تخلص، شیخ شرف الدین نام، لکھنؤ کے شیخ زادوں میں سے ہیں۔ صغیر سن سے دیکھتا ہوں ان کو، اسباب دنیا سے قانع بہ یک چادر ہیں، اور سروا پر ہنہ بیٹھے رہتے خاک پر ہیں۔ زود گوئی کی مشق اس مرد کو حد سے افزود ہے، یہاں تملک کہ ایک صبح نہیں لکھتا جاتا کہ دو سر اموجود ہے۔ اسی طرح سو سو بیت تک ایک دریا جوش مارتا چلا جاتا ہے، لیکن اس زود گوئی کے باعث سے اکثر کلام ان کا گفتگو میں بھی آتا ہے۔ دو دیوان فارسی زبان میں

رکھتے ہیں، اور ہندی میں بھی اکثر کچھ کہتے ہیں۔ آگے ملول تخلص کرتے تھے، اب تخلص الہام ہے۔ بیشتر اہل لکھنؤ کو، شاگردی کے سوائے، ان سے اعتقاد تمام ہے۔ یہ غزل ان کی جو لکھی جاتی ہے، البتہ ایک عالم کو اضطرار دل کا دکھاتی ہے +

دیکھنا نہ ہو جس نے کبھی سیلاب کا عالم اے ابرہہ ناصحوں کی ضد سے تو کیا یا قوت کی رنگت پہ کبھی آنکھ نہ جاوے کل پر تو حسن رخ و لدا رکے آگے	آدیکھے وہ میرے دل بیتاب کا عالم سب ارض و سما آوے نظر ایک عالم دکھلاؤں اگر چشم کے خون بجائے عالم پھیکا نظر آیا ہمیں مہتاب کا عالم
--	---

مانی حرا و اللہ لہ ہو بندا
کھینچے تو اگر دل کے تپ و تاب کا عالم

اری بیکیسی تیرے قربان ہوں	دلہ برے وقت میں ایک تورہ کشتی
---------------------------	-------------------------------

۹- اثر

اثر تخلص، میر محمد نام، شاہ جہان آبادی۔ چھوٹے بھائی تھے خواجہ میر درد مرحوم کے، وہاں تھے فن تصوف کے، اور آگاہ تھے علم معرفت سے۔ بطور درویشان صاحب معنی کے گوشہ نشینی اختیار کی تھی، اور درد و اثر کے ساتھ نہایت طبیعت ہموار کی تھی۔ بھائی سے اپنے انہوں نے کسب کمالوں کا کیا ہے، سچ تو یہ ہے کلام ان کا چاشنی سے درد و اثر کی آشنا ہے۔ ایک تنوی بہت طولانی بیان عشق میں ان کی تصنیف ہے، اگرچہ انتخاب اس کا لکھا گیا بہت تخفیف سے ہے +

آہ کے ساتھ جی نکل نہ گیا	آہ اے آہ یہ خلل نہ گیا
میرے نہیں تو کام نہ تھا کچھ بتوں سے آہ	دلہ پر دل کے ساتھ مفت میں بدنام ہو گیا

لہ اصل نسخہ میں سادہ جگہ زدی ہے غالباً "یہ الہام" کا لفظ تھا ۱۲

بس ہو یا رب یہ امتحان کہیں وائے غفلت ! کہ ایک ہی دم میں بے وفا تجھ سے اب گلا ہی نہیں یا خدا پاس ، یا بتاں کے پاس دل سے جو چاہئے سو باندھئے بات تجھ سو کوئی جلوہ گری نہیں درو دل چھوڑ جائیے ، سو کہاں ؟ حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے	دلہ میں کہیں ، اور کاروان کہیں تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں دل کبھی اپنا یاں رہا ہی نہیں میں نے دانت کچھ کہا ہی نہیں دلہ پر ہمیں آہ کچھ خبر ہی نہیں اپنے باہر تو یہاں گزر رہی نہیں بات میری تو معتبر ہی نہیں
کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں	
کیا کیجئے اختیار نہیں دل کی چاہیں ہم ہیں بیدل ، دل اپنے پاس نہیں پوچھ مت حالِ دل مرا مجھ سے بے وفا تیری کچھ نہیں تقصیر	دلہ ہیں سب و گرنہ یہ تری باتیں گاہ میں دلہ آہ اس کا بھی تجھ کو پاس نہیں مضطرب ہوں مجھے جو اس نہیں مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں
یوں خدا کی خدائی برحق ہے پر اثر کی تو ہم کو اس نہیں	
میں کہاں تو کہاں ، یہ کہتے ہیں جو سزا دیکھے ، ہے بجا ، مجھ کو	دلہ کہ یہ آپس میں دونوں رہتے ہیں دلہ تم سے کرنی نہ تھی وفا مجھ کو
وہی میں ہوں اثر وہی دل ہے اب خدا جانے کیا ہوا مجھ کو	
ایک تنہا خاطر محزون ، جسے آزار سو ایک مجھ بیمار سے وابستہ ہیں آزار سو	دلہ ایک مجھ بیمار سے وابستہ ہیں آزار سو

کچھ ان روزوں دل اپنا سخت بجا رام رہتا
بیان میں کیا کروں اب اس آگے اپنی ناکامی

اسی حالت میں لیکر صبح سے تا شام رہتا
ترے یہ طور، اور مجھ کو تمہی سے کام رہتا ہے

اشر کیجئے کیا، کدھر جائیے
کبھو دوستی اور کبھو دشمنی

صرف غم ہم نے زندگانی کی
ناک تیری عجب سبیلی ہے

ناک ہے، یا کہ ایک تو تاسے
نچھہ ایسے ترے پھر کتے ہیں

ذائقہ میں تو جیسے یہ لب ہیں
دانت جب جھکویا داتے ہیں

دیکھ کر آنکھیں آبدار کو یہاں
گر کبھو اس کے جی میں آوے

دانت پھر نوں چکلتے ہیں ساکر
جب خیال آبدھسے گردن کا

گو کہ شفاف ہے تن مینا
کیوں نہ کھینچے وہ سب آپ کو دود

وہ بیان میں جب بازو آتے ہیں
دلہا پاؤں اپنے پھول جاتے ہیں

مگر آپ ہی سے گدجا بیئے
تری کون سی بات پر جلیئے

واہ کیا خوب زندگانی کی!
پتلی اور اونچی اور نیکی ہے

چنچ اب شہد میں ڈبوتا ہے
جانور وحشی جیوں پھر کتے ہیں

شہد و شربت جو کچھ کہو سب میں
دل کلیجا سبھی چباتے ہیں

لوٹ جاتا ہے گوہر غلطاں
مسی دو آنکھیاں لگا دے

رات اندھیری میں جیسے ہوتا
یہاں ڈھلک جائے مہنگا

یہاں تو جھکتی ہے گردن مینا
جس میں ایسا بھرا ہوا ہو غرور

دلہا پاؤں اپنے پھول جاتے ہیں
کیا خوش آئند یہ کلائی ہے

کیا خوش آئند یہ کلائی ہے

اس کو دل لینے کی کل آئی ہے

۱۔ مولوی حالی صاحب نے اپنے دونوں بچوں کے مقدمہ میں کھنڈی شاعری میں صرف نو اب مرزا شوق کی مثنویوں کا اعتراف کیا ہے، لیکن چاندان کے نزدیک شعوائے کھنڈی سے ایسی قصاصت اور سلاست کی توقع نہیں ہو سکتی، اس لئے اس کی وجہ قرار دی کہ نواب مرزا نے خواجہ میر انصاری کی مثنوی دیکھی تھی، اور اس کا طرز آرایا تھا۔ یہ اشعار اسی مثنوی کے ہیں۔ اس کا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہیں کہ یہ مثنوی نواب مرزا کا تھا اور نمونہ ہو سکتی ہے۔ ۱۲

۱۰۔ الم

الم تخلص، صاحب میر نام، شاہ جہان آبادی خلف الصدق خواجہ میر درد مرحوم کے۔
 درویش صاحب حقیقت اور پچاننے والے رموز معرفت کے ہیں۔ ۹۷۷ھ گیارہ سو چورانوے
 ہجری میں رونق بخش بلدہ مرشد آباد کے ہوئے تھے، اور دوستی سے راجہ دولہ رام کی چندتہ
 اس شہر میں رہے تھے۔ بالفعل کہ ۱۰۱۵ھ ہجری ہیں، شاہ جہان آباد میں توکل اور قناعت کے
 ساتھ اوقات شریف کو بسر کرتے ہیں۔ یہ اشعار ان کے نتائج انکار سے ہیں +

دھمکاتے ہیں بس مجھ کو حفظ آپ الکرکر	بانکے ہو تو مونڈھا چلو مونڈھے سے رگرکر
ہنگام فغاں تھا خض و پز بغض دام	تارِ گِ گل نے بے رکھ اہم کو جگر کر
جب نام خدا دور سے وہ جلوہ نما ہو	مرجائیں صفور کی صفیں حیرت بچھ کر
مندیل کا تو بیچ اٹھا بیٹھے گا شیخ	پھٹ اس کے نہ کچھ پادیکارندوں سے بھاگ کر

آجاتا ہے دکھ درد بھلائے کو الم ہیاں

کیا اس سے مزاتم ہو اٹھاتے بھلا کر

نہ دل کو قرار بے قراری کے سبب	نہ جہنم کو خوب اشک باری کے سبب
واقف نہ تھے ہم توان بلاؤں کو کبھو	ربانی جو کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

۱۱۔ اشتیاق

اشتیاق تخلص، شاہ ولی اللہ نام، متوطن سرہند کے۔ اس رونق بخش دین احمدی کا سلسلہ
 ارادت شیخ احمد کو، کہ مجدد الف ثانی جن کا لقب تھا، پہنچتا ہے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے
 شاہ محمد گل کو حیدر ان کا لکھا ہے، لیکن راقم حقیر کے گوش زد فیض میں نہیں ہوا ہے۔
 فی الحقیقت مرتبہ علم کا اس عالی جناب کے نہایت بلند تھا خصوص علم حدیث اور فقیہ میں بہت

بڑی دستگاہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ اسم گرامی اس برگزیدہ روزگار کا زبانِ خلائی پر گج کے دن تک شاہ ولی اللہ محدث کر کے جاری ہے۔ اکثر کتابیں تصنیف اس بحر علم کی مشہور ہیں۔ چنانچہ دو نسخے کہ ایک کا نام ”قرۃ العین فی ابطال شہادۃ الجحین“ ہے، اور دوسرے کا نام ”جنت العالمیہ فی مناقب المعادیہ“ کہتے ہیں تصنیفات سے اس محی الدین کی یاد کا صفحہ روزگار پر ہیں۔ والد ماجد ہیں یہ اُس رونق بخش کشور قناعت کے، کہ جس کا نام نامی مولوی عبدالعزیز ہے۔ آج کے دن تک قدم توکل گاڑے ہوئے شاہ جہان آباد میں بیٹھے ہیں، ہدفِ کمال حاصل حسین خاں مرحوم نے موجب ایما صاحبانِ عالی شان کے مدرسہ قدیم کی مدرسے کے واسطے تحریک اس مرکز و اثر قناعت کی چاہی، لیکن اس قطبِ آسمان ملت و دین نے مطلقاً حرکت جگہ سے نہ فرمائی۔ اس فاروقِ زماں کی بھی تالیف سے ایک کتاب ہے، کہ نام اس کا ”تھہ اشنی عشرہ“ ہے، اور دوسرا نام ”رور و افض“ شاید کہتے ہیں سچ تو یہ ہے دیکھئے اس کتاب کے استعداد اس بزرگ زاوے کی معلوم ہوتی ہے، کہ کیا دور یا فصاحت کا بہایا ہے۔ کیوں نہ ہو آخر کیسے باپ کا بیٹا ہے۔ فی الواقعہ کہ عالی مقداروں کے عالی مقداری ہوتے ہیں، اور نابکاروں کے نابکار، بقول ایک شاعر کے +

شیر کے بچے میں عرش شیر سے افروز ہے	بھونک میں کتے کی پی کی سگی موجود ہے
------------------------------------	-------------------------------------

الغرض وہ جامع جمیع علوم یعنی شاہ ولی اللہ مرحوم حینِ حیات میں اپنی کوئلہ میں فیروز شاہ کے تشریف رکھتے تھے۔ اوقات شریف کو بطور درویشانِ اہلِ معنی کے بسر کرتے تھے۔ اشعار فارسی کے فرمانے کا اتفاق کمر ہوتا تھا، اور زبانِ ریختہ کا مشغلہ اکثر۔ یہ اشعار خلاصہ افکار اُس حقیقت آگاہ کے ہیں +

۱۷ دونوں نام خط ہیں۔ پہلی کتاب بغیر شہین میں ہے۔ شہادت امام حسین علیہ السلام کی ابطال سے خلافتِ عباسیہ اس کو کوئی تعلق نہیں۔ اور دوسری کتاب تو باطل فرضی ہے۔ معادیر کے مناقب میں ان کی کوئی کتاب نہیں ۱۲
۱۷ شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب، دونوں کی مصنف نے جو بیچ کی ہے، اور اس شعر نے تو صاف پردہ اٹھا دیا ہے ۱۲

خیال دل کو ہے اس گل سے آشنائی کا کہیں وہ کثرت عشاق سے گھمنہ میں آ مجھے تو دھوکے تھا زاہد پر اک نگاہ سے آج بہاں میں دل نہ لگانے کا لیوے پھر کوئی نا نہ چھوڑا مار بھی کھا کر گزر گئی کا تری - نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنت جم کی	نہیں صبا کو ہے دعویٰ جہاں رسائی کا ڈروں ہوں میں کہ نہ دعویٰ کرے خدائی کا غور کیا ہوا وہ تیسری پار رسائی کا بیان کروں میں اگر تیسری بے وفائی کا رقیب کو مرے دعویٰ ہے بے حیائی کا غور ہے جنہیں در کی تری گداہی کا
--	--

جھانے یار سے مت اشتیاق پھر کے منہ
خیال کیجو کہیں اور جہہ سائی کا

لڑکوں کے پتھروں سے لگے کیونکہ اسکو چوٹ چھوڑ کر تجھ کو ہمیں غیر سے جولاگ لگی دوبالا ہو کے محجوری عبت آنکھوں کو ملتا ہے	دل پر ایک کر دیا ہے یہ جمنون کو دھول کوٹ دل نہیں مہندی ریتے تلوں سے ہے آگ لگی دل پیالہ اور بھی پی پی سجن یہ دور چلتا ہے
---	---

۱۲۔ انشا

انشاء تخلص، میر انشاء اللہ خاں نام، بیٹے ہیں حکیم میر انشاء اللہ خاں کے، ہمدرد
جن کا تخلص تھا عجیب شخص خوش اخلاق اور صاحب استعداد ہے۔ سوائے قصیدوں کے
ثنویان زبان عربی میں انہوں نے نظم کی ہیں، اور ترکی کی غزلیں بھی ان کی خالی کیفیت
سے نہیں ہیں۔ زبان فارسی میں صاحب دیوان ہیں۔ کشمیری اور مارواڑی کے سولے
اور بھی بہت سی بولیوں کے زبان دان ہیں۔ سال گذشتہ انہوں نے ایک قصیدہ زبان
ریختہ میں غیر منقوط، یعنی جن کے اشعار میں کوئی حرف صاحب نقطہ نہیں ہے، نواب
عماد الملک کی مدح میں لکھ کر کالی پی بھجوا یا، اور صلے میں اس کے انعام تحمین اور آفرین کا بہت

ساپایا۔ بالفعل کہ سالہا جبری ہیں، مرشدِ نازدہ آفاق مرزا سلیمان شکوہ کے سایہ عاطفت میں لکھنؤ کے اندر اوقات ساتھ قناعت اور شکستہ پانی کے مبر کرتے ہیں۔ دیوانِ انکار زبان ریختہ میں مشہور ہے، اور کلام ان کا ظرافت اور خوش اختلاطی سے معمور یہ اشعار ان کے نئی طرح افکار سے ہیں +

کیا گنہ، کیا جرم، کیا تقصیر میں نے کیا کیا
راز وہ کہ بخت کیا تھا، میں نے جو افشا کیا
کس جگہ؟ کس وقت؟ کس دم؟ آپ کا چہا کیا
جس کسی نے آن کر مذکور اس ڈھب کا کیا
اس طرح کا تذکرہ جس شخص نے میرا کیا
موچہ ڈاڑھی ہے؟ کمر لائے اُسے کھو کیا؟
مرد ہے؟ یا حتی تعالٰی نے اُسے خشت کیا؟
کون ہے جس نے اجی جا سے تمیں بچا کیا؟
کوئی شیطان ہوئے گا جس نے کر ذکر کیا
میں تمہارا نام لے لے کب بھلا رو یا کیا
میرے حق میں تم نے باور اور کا کہنا کیا
صحیح گلشن میں عجائب سیر میں دیکھا کیا
وہ دوپٹا باد لے کا سا جو لہرایا کیا
ایک نے گویا کہ سایا دوسری پر آیا کیا
چاندنی بانی نے بی خیلا سے بہنا کیا

تم جو کہتے ہو، ”مجھے تو نے بہت رسوا کیا“
واسطہ، باعث، سبب، موجب، جت، کچھ بات بھی
کیا کیا؟ کن نے کہا؟ کس سے کہا؟ کب؟ کس گھڑی؟
کچھ پتا بھی؟ نام اس کا؟ شکل کیسی؟ وضع کیا؟
گبر ہے وہ؟ یا مسلمان؟ یا نصارا؟ یا ہمدرد؟
شیخ ہے وہ؟ یا مغل ہے؟ یا کر سید؟ یا چٹان؟
ہے جو اس سا؟ یا وہ امر؟ یا کہ بوڑھا؟ یا ادھیڑ؟
نو کر بی بیٹوں میں ہے؟ یا اہل حرفہ وہ عزیز؟
کس محال میں رہے ہے؟ ہے کہاں کا وہ خبیث؟
کذب، بہتان، افتراء، طعنائیں، غلط، باطل، دروغ
مرجبا، مشابہش، اے رحمتِ خدا کی، آفریں
جو دھوئیں تیار خ اک ابر تنک سا تھا جو رات
چھائی سہی چادرِ مستاب، اوپر برق کا
یوں لگا معلوم ہونے، ہیں یہ دوپریاں بہم
ہوئے گل بولی کہ آج آپس میں بدلی اور صنی

خود بدلت تو نہ آئے، اور انکسارات بھر

آپ بن رو یا کیا، لوٹا کیا، تڑپا کیا

<p>یہ سب سہی، پر ایک نہیں کی نہیں سہی میری طرف کو دیکھئے! میں نازنیں سہی جواب تجھ کو کہنی ہے مجھ سے ہیں سہی</p>	<p>گالی سہی، ادا سہی، چین چینیں سہی گرنانیں کے کہنے سے مانا ہو کچھ برا آگے بڑھے جو جاتے ہو کیوں کون ہے یہاں</p>
<p>منظور دوستی جو نہیں ہے ہر ایک سے اچھا تو کیا مضائقہ! انشا سے کیس سہی</p>	
<p>بندہ اُسے جب نظر پڑا ہے</p>	<p>دلہ بولا ہے ”چل اٹھ، مکہ دھر پڑا ہے“</p>
<p>ہوئے ہیں خاک سر راہ اُس کے ہم انشا بڑا غضب ہے جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے</p>	

۱۳۔ امانی

امانی تخلص، میر امانی نام، خلف ہیں یہ خواجہ آشتی کے، جن کا مذکور اوپر ہوا ہے۔
 اللہ گیارہ سو ایک اسی ہجری میں دارومرشد آباد کے ہوئے تھے، اور جناب سید الشہدا
 کی تعزیر داری کا شغل ہمیشہ رکھتے تھے۔ مرثیہ ہندی اپنے کئے ہوئے اکثر ممبر پر کھڑے ہو کر
 پڑھتے، اور مومنین کے تیئں سعادت گریہ کی دولت سے داخل ثواب کرتے۔ ایک شب
 جناب سید الشہدا علیہ السلام کی عین تعزیر داری میں، کہ اللہ گیارہ سو ستاسی ہجری تھے،
 بیہوش ہو کر سیر کرنے والے روضہ رضوان کے ہوئے۔ حق سبحانہ تعالیٰ مغفرت کرے عجب
 مرد خوش اعتقاد اور دیندار تھا۔ نشہ محبت میں اہل بیت بنوی کے سرشار تھا۔ یہ اشعار
 یادگار اُس نکو کردار کے ہیں *

<p>کون ساواں سے خاکسار اٹھا بلغ سے موسم بہار اٹھا بزم سے جب وہ مے گسار اٹھا</p>	<p>اُس کے کوچہ سستی غبار اٹھا عند لیبو بیا و آب صحرا چپکیاں لے گلابیاں روئیں</p>
---	--

<p>غزیم رخصت ہوا جب ہی اُس کا نہیں جو قدرِ اشک، عالم سے شع سے سوزِ امانی پوچھا تیرا</p>	<p>میرے دل سے وہیں قرار اٹھا موتیوں کا مگر وقار اٹھا اک دھواں اسکے دل سے یارا اٹھا</p>
<p>راہ تکتے تکتے آخر جیسے آیا تنگ دل ہو چکا ہے غم سے خوں، اب جلد بے جا کہیں قدِ جان اس کی کہ اک عالم سے یہ بیگانہ ہو فندقِ پاکس کی دیکھی آہ! جسکے غم سے آج اپنی آنکھوں آگے کو اس کی گلی میں ہے پڑا گھیرا ہے مجھے غم نے عجب حال ہے جی کا سینہ میں جدھر رو ہو ترا پھونک دے آہ</p>	<p>دل آنکھیں تو پتھر گئیں، پر وہ نہ آیا سنگ دل خوفِ یارِ بے اندے اور بھی کچھ رنگ دل گر رہا ہے پیرِ در پر کھوکے نامِ فرنگ دل قطرہ خوں ہو بنا رشکِ گلِ ادنگ دل پر امانی آپ ہے سیکڑوں فرنگ دل دل اے نالِ دل! وقت ہے فریاد سی کا دل سے خبر دار! کہ یہ گھر ہے کسی کا</p>
<p>اُس کے کوچے صبا آج اس طرٹ آئی نہیں دے اپنی اس بصارت پر، کہ ہر ذرہ میں آہ! کو نسا دن ہے کہ مجھ کو یاد تو آتا نہیں عشق میں کس کے امانی بتلا ہے، جس بغیر چمن بلبلیا تے ہیں پڑے، بادل برستے ہیں زمانہ جاٹے عبرت ہے، چمن کا حال چل دیکھو مسادی جانیو خوش طامعی و کو نصیبی کو امانی تو ہوا تیغِ تنافل ہی ستی بسمل ہم ترانہ تلک جو رسے جاتے ہیں لے گیا کون مری تاب و تو اس کو یک لخت دے واما ندگی اپنی کہ یہ آنکھوں آگے</p>	<p>دل دیر ہوئی وہاں مقیموں کی خبر پائی نہیں جلوہ گر ہے آفتاب، اور تاب بینائی نہیں دل کو نسا دم ہے، کہ آنکھوں بیچ پھر جانا نہیں دل تجھ کو نظارہ گلوں کا ان دنوں بھانا نہیں دل شباب آ! ساقیا! ہم بادہ فوشی کو ترستے ہیں دل تجل جن گلوں کا گل تھا سودے آج تجھ نہیں دل امانی! منعم و مفلوک سب کے دن گزرتے ہیں دل بھلا بتلائے کس پر کمر اب آپ کتے ہیں دل یاد آ دیں گے بہت اتنا کھے جاتے ہیں دل کہ سب ہی عضو میرے آج ڈبے جاتے ہیں دل کارواں رو میں ہے، ہم پیچھے رہے جاتے ہیں</p>

دل	اثر ہوسنگ میں کیا، کیوں کہ ان کو رام کریں	دل	بتوں کے دل ہو، تو یارب یہ آپس کام کریں
دل	وہ ایک بار بھی تیری نظر پڑے نہ ابد	دل	صلاح و زہد رہے یہ، تو ہم سلام کریں
دل	کس کے یہ خار شرکاں دل میں کھٹکتے ہیں	دل	جو چشم سے لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں
دل	دیکھ تو کیا ہی وہ بت سنگ دلی پر نازاں	دل	تجھ میں اے نالہ جانکاہ! اثر ہے کہ نہیں
دل	یارو گردار پہ منصور نہیں دیکھا ہے۔	دل	نوٹ شرکاں یہ مرے تخت جگر کو دیکھو
دل	صف شرگانِ آہو چشم کا ہوں کشتہ، اے یار	دل	سر تربت یہ چُن دیجو مرے خاریاں کو
دل	زباں پر راز عاشق کا نہ لانا سر کٹا دینا	دل	سرشتہ کس سے ہاتھ آیا ہے یہ شیخ شہبستاں کو
دل	میں نے پہلو سے گم کیا تجھ کو	دل	آہ دل اکن نے لے لیا تجھ کو
دل	اشک، آوارگی سے تو نہ تھا	دل	میں نے آنکھوں میں گھر دیا تجھ کو
دل	بنکوں سے دل بھپو لو کیا سوخت کرے ہے	دل	بھپو ٹوکمیں، کہاں کی آتش میں بھر رہے ہو
دل	اور میانِ خال شکر لب پہ تمہارے	دل	بوسہ میں بھی شاید مزہ قتل شکری ہو
دل	امتہ رے صنم! یہ تری خود نمائیاں	دل	اس حسن چند روز پہ اتنا غور رہے۔
دل	دم بدم اس کی خلش سے اب مجھے آزار ہے	دل	دوستاں یہ دل نہیں، پہلو میں میرے خار
دل	چاہ میں کس کی دل ڈبو بیٹھے	دل	آہ! ہم کیسے دل کو رو بیٹھے
دل	کیوں امانی گیا نہ آخِ دل	دل	کفِ افسوس اب ملو بیٹھے
دل	آہ اب میرے دم کے ساتھ ہوئی	دل	پاؤ پر عمر کے برات ہوئی
دل	ہم سا جو ناتواں عقب کار رواں رہے	دل	جوں نقش پا دویش کے ہوئے پھر جہاں رہے
دل	صدے جوڑے ہیں دل پہ غم کے	دل	آنسو نہیں تھمتے چشمِ غم کے
دل	خوش خواب میں ہیں، مگر جواب تک	دل	جاگے نہیں خفتگاں عدم کے
دل	ہے صبح کو عزمِ رفتن یار	دل	ٹک نخلیو آفتابِ ہتھم کے
دل	آنکھیں نہیں مندتی ہیں عجب جی پہنچے	دل	یارب دل حیراں کو مرے کس کی طلب ہے

دم لینے نہیں دیتے ہیں یہم کے یہ نالے	دلہ	کیا جانئے کیا دل کو مرے ورو کھٹے ہے
ہجران کے شب و روز کا ست پوچھ گزنا		دن کٹ گیا جوں توں کے، تو پھر رات غصہ ہے
مدت سے سروکار غمِ حشرِ ستی ہے		کچھ عیش سے تو کام نہ آگے تھانا ہے
نامہ برکمیو زمانے کی ترپ تھی تجھ بن	دلہ	شمعِ شب دیکھ مجھے صبح تک روٹی ہے
بارِ مانع کیا چھوڑ دے بے رحم کی چاہ	دلہ	باز نہیں آتا، امانی بھی عجب کوئی ہے
سیرِ گلشن کو میں جاتا تھا جو صیاد بچھے	دلہ	دیکھ کر دور سے بولا کہ ”شکار آتا ہے“

۱۴- امین

امین تخلص، خواجہ امین الدین نام، عظیم آبادی۔ عالم دوستی اور اتحاد میں باقرینہ ہیں۔ علی ابراہیم خاں مرحوم کے یارِ دیرینہ ہیں۔ شعرِ فنی اور سخنِ رسی میں زمانے کے یادگار ہیں۔ بیضون تراشی اور ادبندی میں نادر روزگار ہیں۔ ذہن کو ان کے بندش کی صفائی میں نہایت ارجندی ہے۔ او طبیعت کو ان کی تلاشِ معانی میں اپنے ہم عصروں سے بلند ہے۔ چند مدت نواب میر محمد رضا خاں مظفر جنگ بہادر کی رفاقت میں اوقات اُنہوں کی کیفیت کاٹی ہے۔ بعد اس روزگار کے قناعت اور جواں مودی کے ساتھ خانہ نشینی میں زندگی بسر کی ہے۔ ایک دیوان چھوٹا سا زبانِ ریختہ میں ان کی تصنیف سے ہے منتخب اس کا یہاں لکھا گیا ہے۔

بہت تخفیف سے ہے +

دنیا میں جو آکر نہ کرے عشقِ تباں کا	دلہ	نزدیک ہمارے ہے یہاں کا نہ وہاں کا
مانند نگیس آپ کے کاوش میں پڑا ہے		مشتاق جو کوئی ہے یہاں نام و نشان کا
کرتا ہوں امیں میں تو ثنا اُس کی لیکن		مُنہ لال ہوا جاتا ہے نچلتے زباں کا
پردے سے جو وہ شہرہ آفاق نکلتا	دلہ	تب دیکھتے خورشید کا یہ نام نکلتا
تھا کچھ بھی مناسب کہ نکلوا دیا تو		گر صبح نہ نکلا تھا امیں شام نکلتا

گھبر مرے آنا اگر منظور تھا	دلہ	آئے ہوئے لطف سے کیا دور تھا
گالیاں جو دیں سو دیں بس کیجئے	دلہ	سن چکے ہم جب تلک مقدور تھا
یہ دل خالی نہیں کوئی دم رہے گا	دلہ	تو جاوے گا تری غم رہے گا
جس کا دل آپ نے لیا ہوگا	دلہ	خاک میں لے ملا دیا ہوگا
ہم کو کیا، گر بہار آتی ہے	دلہ	دل وہ غنچہ نہیں کہ وا ہوگا
گالیاں غیر سے سُناٹے ہو	دلہ	ہاں میاں! تم سے اور کیا ہوگا
ل ل گیا ہوگا خاک میں جوں اشک	دلہ	تیری آنکھوں سے جو گرا ہوگا
بتاں کے واسطے گھر بار کو اپنے بہانہ نکلا	دلہ	یہ طفل اشک میرا عاشقی میں بے بہانہ نکلا
دہی مقصود دل ہے، اور وہی منظور آنکھوں کا	دلہ	سرور سینہ میں اس کو کوسوں، یا نور آنکھوں کا
کیا ایک مجھ کو بھاتی ہے برسات کی ہوا	دلہ	کس کو نہیں خوش آتی ہے برسات کی ہوا
جب آہ سرد بھرتا ہوں کانپے سے تن میں	دلہ	جوں شاخ کو ہلاتی ہے برسات کی ہوا
خوشید ترا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا	دلہ	مہ چادر تہ تاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا
شور ہے عالم میں تیرے حسن عالم گیر کا	دلہ	تو ہی ہوگا گر کوئی ہوگا تری تصویر کا۔
عشق کی دولت سہرا پا میں طلا کے رنگ ہو	دلہ	اے ہوس دیکھ لے نسخہ ہے یہ اکسیر کا
چوستا ہے جوں سر پستال کو طفل شیر خوار	دلہ	چاہتا رہتا ہے دل پیکان اُس کے تیر کا
گر ارادہ نہیں ہے آنے کا	دلہ	فائدہ اس قدر بہانے کا؟
خط نے مارا ہے حسن پر شبخوں	دلہ	کیا ہی جھگڑا ہے سواٹکا
سخت کاوش میں ہوں بے رنگ نکلیں	دلہ	ایسی نام آوری کا منہ کالا
دل ہر سینہ سے یوں لیتی ہے وہ زلف دوتا	دلہ	اپنے دیوانوں سے کیا لکھتی ہیں یہ زنجیر کھینچ
دیکھتی ہے جب مری صورت کو بل کھاتی ہر زلف	دلہ	جس طرح مجھ سے لے اٹکر کو آتش گیر کھینچ
جس طرح شاخ کو ہوتا ہے ثمر سے بیوند	دلہ	کاش نالے کو مرے ہوئے اثر سے بیوند

یا اللہ کسی ظالم کے پڑے پنجہ میں	بے طرح پنکھ کو ہے اُس کی کمر
دیکھ بھال اس نل صد چاک لیتے ہیں بجا	میں نے یہ شیشہ کیا کیا ہو مہرے
مرتے ہیں ہم تو اُس کے لب آبدار پر	گر آتے زندگی ہو تو مارے ہیں
بوسہ دیا تھا، جی میں جو آوے تو پھیر لو	اتنا خفا ہو کس لئے اس
اس شمع رو کے سامنے آتا ہے تو تنگ	بھاری ہوئے ہیں، کیا تجھے اس
دب نکلتا ہے اگرچہ سب سے بالا پہاڑ	دیکھتا ہے جب ہماری آہ کا
کھو دیا کوہ کن نے جاں شیریں کے لئے	اس کی فرمائش کا اپنے سر سے
آو کیجئے تری زلف گرہ گیر ہو ابر	جن نے نہ کبھی دیکھی ہو زنجیر
ڈرے ترے نار بھی نکلتا نہیں لب سے	ظالم ہے ترے ظلم کی تاثیر
اُڑتا ہے ہو کے مضطرب اس کے بام درپر	نامہ مرا کہاں ہے ہے کا غا
ہے نہیں جو ہر نمایاں تیغ تیرا پر	لکھ رہا ہے نام مقتولوں کا اس
یار کے شرکاں سے لڑ جاتی ہے یوں تیرنگا	جس طرح تر و ار کوئی آنگے
دل خیال زلف میں بے خواب دے آرام ہے	رات ہوتی ہے ایس بھاری
آئی بہار ہو گئے ہر خار راہ سبز	لیکن ہوئے نہ آہ یہ بخت سیاہ
شاد ہے خط اس کے لب آبدار پر	رہتا ہے گرد جادہ کے اکثر گیارہ
دل میں ترے خیال جو کس فونال کا	لب سے ایس نکلتی ہے ہر ایک آ
یار آیا ہے اب نہ یہ اسے چشم	دیکھنے دے ذرا تو رہا ہے جا
کیا کہوں یار سے اپنی سی کئے جاتا ہوں	گالیاں کھاتا ہوں غصہ کو پئے
جی نکلتا ہے، یہ لب یاد میں ہلتے ہیں تری	مرتے مرنے بھی ترا نام لئے
چاک سینہ کامرے لوگ عبث سیتے ہیں	ہم تو زخمی ہیں نگاہوں کے، کوئی
”اب زندگی“ سے ”آب حیات“ مراد ہے جس پر غصہ کا قبضہ کہا جاتا ہے ۱۲	

سہل آتی ہے تو آنے دو مرا کیلے گی فائدہ کیا ہے بھلا ہم جو کریں فکر معاش	گھر میں ایک میں ہوں بڑا، اہد کئی بہتے میں غم کو کھاتے ہیں ایسے خون جگر پیٹے میں
سرو پر خواباں جو بال رکھتے ہیں سرو پر اتنا بھول مست قمری دل تو کیا ہے، ایسے جو آوے یار	دلہ موہو جی کا کال رکھتے ہیں ہم بھی اک فونہال رکھتے ہیں جان آگے نغال رکھتے ہیں
بتاں مجھ سے کہتے تھے کیا کچھ نہیں میں بوسہ جو مانگا، جو بھجلا کے وہ مجھے بے چین رکھتا ہے دل افکار پہلوں گرفتاروں کو تیری زلف کے کس طرح خواب و	دلہ ولیکن جو دیکھا، تو تھا کچھ نہیں لگا کہنے کیا ہے، کہا کچھ نہیں وہ سوئے کس طرح جس کے رہے بیمار پہلوں بسان شانہ رہتا ہے انہوں کے خار پہلوں
مجھے تو کبھی عمر بھر غم نہ ہو میں درگزر صاحب سلامت بھی ہم آنے کو مانع نہیں غیر کو ایسے کی غذا آرہی ہے یہی	دلہ ملاقات تیری اگر کم نہ ہو خدا کے لئے اتنا برہم نہ ہو پر اتنا بھی خلوت میں ہر دم نہ ہو الہی یہ خون جگر کم نہ ہو
ہوئی ہے آشنائی جب سے اسے خوش سے مجھ کو بھلا تو ہی کہہ اے دل کسی کو یہ توقع تھی جدائی سے سراپا رنگ میرا زعفرانی ہے بھڑکتا ہے جگر میرا دل پر داغ کے دولت	دلہ جو صاحب عقل ہیں کہتے ہیں اہل ہوش مجھ کو انکالے گا وہ بیج عیدوں آغوش سے مجھ کو کوئی لے کر ملا دے اس سببی پوش سے مجھ کو ایسے جلنا پڑا اس آتش خاموش سے مجھ کو
کیا کہیں دو دو آہ کی تاثیر مفت مارا گیا ہزار افسوس جب دکھاتا ہے وہ شرابی آنکھ نحت دل گتھ رہیں ہیں مڑگاں سے	دلہ گھر کا گھر ہے سیاہ، مست پوچھو تھا ایسے بے گناہ مست پوچھو وہ نہیں جاتی ہے گلابی آنکھ ہے مگر خانہ کبابی آنکھ

روشن ہیں شب بھر میں یہ دیدہ بیدار دھڑکے ہے مراد ل کہ کہیں کچھ نہ لگا دیں دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی صبح گر صبح قیامت ہو، تو کچھ پروا نہیں تیری آنکھوں کی پرستاری میں دل گھبرا گیا اس زمانہ میں امیں ست کر کسی سے دوستی دل باندھنے تو بار کے کاکل سے باندھئے دھڑکے ہے دل کمر کو جو کتے ہواے میاں	دل	جوں زلفیں چمکنے میں ترے کان کے موتی لگتے ہیں ترے کان سے جب آن کے موتی عمر کٹنے کو کٹی، پر کیا ہی خواری میں کٹی ہجر کی جب رات ایسی بے قراری میں کٹی ہائے اس بیمار کی بیمار داری میں کٹی شع کی گردن، نہ دیکھی دوست داری میں کٹی بلبل کو باندھئے تو رگ گل سے باندھئے باریک بال سے ہے، تامل سے باندھئے	دل
جلوہ ترے حُسن کا کہاں ہے ہم میں دیکھتے اور تیری یہ اوقات کٹے ایک دم ہو گئی گر اس سے ملاقات تو کیا	دل	یوں کہنے کو آفتاب ہاں ہے اور تو کیا کہوں اے شانہ ترا ہاتھ کٹے زندگی کا ہے نہ ایہ کہ مساوات کٹے	دل
رنگ چہرے کا زعفرانی ہے کس سے تشبیہیں بھلا تجھ کو شع رویاں سے اتنا گرم نہ دل رات دن بھیکتے ہی جاتا ہے	دل	عاشقی کی یہی نشانی ہے دیکھا یوسف تو تیرا ثانی ہے ان کی جو بات ہے زبانی ہے کیا امیں ایسی زندگانی ہے	دل
خضر نے ایک دم پیا تھا لے کے آب زندگی کیا بھلا اس میکہ میں جی کسی کا شاہو معنی آرام کیا ہے، تو نہ کچھ سمجھا امیں	دل	مانگتے ہیں اب تلک اس سے صاب زندگی مر گیا آخر کو پی جن نے شراب زندگی ہم تو مدت سے اُلٹتے ہیں کتاب زندگی	دل
غیر سے کیوں کہ وہ چھوڑے ملنا ہم کھڑے تھے سامنے، اور غیاروں میں تھے جتنے تھے محض میں، تھا سب سے تہا کہ اس قتل	دل	چھوڑتا ہے کوئی اپنے بانے نہ تو منصف ہو جئے، ہم کبھی یاروں میں تھے ایک ہم کمر بخت گویا دہاں گہ نگاروں میں تھے	دل

<p>کیوں نہ دیکھا کل سب ہی تو ناز برداروں میں تھے دنیا میں جو ٹھانے تھے میاں، ہم نے نہ ہی اب چڑھ چکی اسے یا ر سپیدی پہ سیاہی سکے کو سمجھتے ہیں سدا اپنا الٹی دلہ پلاس قدریں جو غوں کی پیاسی، یہ کا تو نکس ہیں یا تار کی نہ ایسی دکھی ترخیں ہم نے، نہ ایسی دکھی ہے آبداری</p>	<p>ہاتھ اٹھانا جان سے پیارے پنٹ دشوار بھر عمر گدائی میں بھی کرتے رہے شاہی خطا کو جو تراشے ہے بھلا فائدہ کیا ہے کیا دین سے غافل ہیں ایسے مردم دنیا تہائی نگہیں دیکھتے ہیں پنٹ ہی لگتی ہیں پیاری پیاری تری نگہ کے جو ہوں گے مارے، نہ مانگا ہو کا اٹھو پانی</p>
<p>رباعی پر بوجھ اتاروں ہوں میں اپنے سر کا بھوکا ہے، کیا کرے گا لے کر سر کا</p>	<p>اظہار نہیں اگرچہ سر کا سائل کو جواب ترش ہرگز مت دے</p>
<p>رباعی بس کیجئے، پاس آشنائی کب تک دیکھیں تو رہے ہے یہ خدائی کتبک</p>	<p>یہ جو رجفایا ہے دفائی کب تک کرتا ہے کوئی مہن پر اتنا بھی غور</p>
<p>رباعی پھرتے ہیں لئے عسیر بھر بھر جھولی ہولی کا قہر اڑھتا، سو یہ بھی ہولی</p>	<p>کیا شہر میں آج مجھ پر ہے ہولی - وعدے سے کیا کر دگے دل خوش کتبک</p>
<p>ثنوی پوچ گو بیوقوف بد اطوار کہتی شرماتی ہے گی منہ میں زباں گھر میں ڈھونڈو تو بھونے بھانگ نہیں اگر کوئی دیکھے خاک کیا کھا دے پی کے رکھتے ہیں جی میں یہ غرا مالک چار دانگ عالم ہیں یاد آتی ہے چین کی مورت لگ رہے ہوں کو اڑکے جوں پٹ جوں جہڑی ہوں کو اڑ میں گل میخ</p>	<p>ایک ہیں آشنا مرے غم خوار ان کی تعریف کیا کر دوں میں بیاں دل ہے ان کا کہیں دیا کہیں منہ کو ان کے خدا نہ دکھا دے چار پیسے کا سیر بھر ٹھرا آج دنیا میں ہیں جو کچھ ہم ہیں دیکھتا ہوں جو ان کی میں صورت گال جبرے سے یوں رہے ہیں لپٹ تس پہ چپکے یوں ہے ماری میخ</p>

<p>ناک ہے جوں کواڑ کی بینی حلقہ چشم حلقہ در ہے جوں ڈھالی کا ہوئے پھوٹاؤں لوگ کرتے ہیں دیکھتے آخ تھو جن کے دیکھے نہ ہو دیں کالے بال کھینچتا دل میں ہے پشیمانی جوں کہ چوٹے پہ اندھی ہوٹکی پیٹتے ہووے پیٹ سے جیسی ناف ہے جا ضرور کی موری منہ ہے چکنا تو پیٹے خالی</p>	<p>میں تو کرتا نہیں سخن چینی آنکھ گر ہے تو گھر سے باہر ہے کان ایسے پڑے ہیں دونوں طرف منہ ہے سناٹا اس کی طرح بدبو ان کے دھامے کو دیکھ کرنی الحال دیکھ نقاش اس کی پشیمانی کھوڑی سر سے ہے گی یوں انکی توند لٹکے ہے پیٹ سے ایسی صاف کہتا ہوں میں بہ عجوری کیا کہوں اس کی اور بد حالی</p>
<p>بیٹھا چمن میں ہووے جوں سانپ من گے رہے ہے سنگ کتیں لاگ آبگینہ سے ہماری حیب کو ہے کیا لگائے رہنے سے مٹا سکے ہے کوئی نام کو نیگینہ سے اکھ کے آہ نکلتی ہے میرے سینے سے جب تلک جیتے رہے روز نہ شب آنکھ لگی کیا مگر شیخ کی ہے بنت عنب آنکھ لگی غرض اشق سے عاشق کہا جس کا جی چا اگر باد نہ آوے، جا کے کھاؤ جس کا جی چا</p>	<p>دل لیکے زلف اس کی یوں حلقہ زن سمجھ پر بتاں اٹھاتے نہیں ہاتھ میرے کینہ سے ضرور کیا ہے کہ ہوتا ہے تو خجس ناصح نہ اٹھ سکے گامرے لب سے حرف بوسہ ایسے ضعیف میں اتنا ہوا بقول فغاں کیا بڑا وقت تھا اس شوخ سے جب آنکھ لگی بزم رنداں میں اسے دیکھ کے چپ جاتے ہیں میں گزرا یار کے مٹنے سے جاؤ جس کا جی چا حیات جاوداں بخشے ہے تیغ آبدار اس کی</p>
<p>یہ بھی اپنے نصیب کی غوی عشق کی پہلی یہ سلامی ہے</p>	<p>یار بھی اب گلہ لگا کرتے ہاتھ میں اپنا سر لئے رہنا</p>

دل گرفتار کیوں نہ ہو میرا	بریں جامہ ترے دو دای ہے
زادہ کبھو تو گرد نہ پھر ہوش را کے	یہاں آگ ہے چھپی ہوئی پردے میں آگ کے
کیا چشم منہاں سے رکھیں مفسان ہر	دریا نے تو بھرے نہیں کا سے جبا کے
پھرتا ہے کیوں بھٹکتا آشیخ ہر طرف تو	دل کتنا ہے جس کو کعبہ وہ یار کی گلی ہے
کما کوئے ہو بھ کو قابل جو روجھایہ ہے	دل جو کوئی چلا ہے کسی کو اے میاں اُس کی سزا ہے
برہمن دیر کو پوجے ہے اور کعبہ کے تئیں زاد	دل پرستش ہم جسے کرتے ہیں، وہ نام خدا ہے
رشک گلزار ہوا دغ سے سینہ میرا	دل یار کے بھادیں تماشے، تماشا ہے
اس ماہ رو کے سامنے آتی ہے چاندنی	دل اپنے تئیں اب آپ ہنسائی چاندنی
منہ دیکھو تیرے سامنے اگر سفید ہو	دل مائی میں آبرو کو ملاتی ہے چاندنی
دو دن کی چاندنی پھر آخراں دھیری رات	دل ساقی پلا شراب کہ جاتی ہے چاندنی
گر آمد اس مٹا تا باں کے تئیں ایس	دل کیوں چاندنی کا فرش بھپاتی ہے چاندنی
غیروں سے احتلاط ہماری بلا کرے	دل اگر آشنا کرے تو تجھی سے خدا کرے
دنیا میں کہنے کو سب ہی کہلاتے ہیں	دل پر ہے وہی بھلا، جو کسی کا بھلا کرے

۱۵۔ افسوس

افسوس تخلص امیر شیر علی نام، والد ماجدان کے سید مظفر علی خاں، داروغہ قوچ خاں
 نواب میر قاسم خاں عالیجاہ کے تھے۔ سلسلہ سیادت کا ان کی حضرت اسماعیل اعرج کو، کہ بڑے
 بیٹے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے تھے، پہنچتا ہے۔ وطن بزرگوں کا خاف ایک مکان ہے
 علاقہ میں عرب کے۔ بزرگوں نے ان کے ہندوستان میں آکے نارنول میں سکونت اختیار
 کی۔ اس سبب سے وطن ان کا نارنول مشہور ہے۔ میر مذکور کے باپ اور چچا کو، کہ سید
 مظفر علی خاں اور سید غلام علی خاں نام رکھتے تھے، نواب عمدة الملک امیر خاں مرحوم

کی رفاقت میں سررشتہ ملازمت کا نہایت اقتدار، اور عروج و قمار کے ساتھ توپ خانے کی داروغگی کے ساتھ سرفراز تھے، اور رسالہ معقول سے حضور میں مختار تھے۔ بعد شہید ہونے نواب عہدۃ الملک کے سید غلام علی خاں کو نہایت صوبہ الہ آباد کی بالذات بھی تھوڑے دنوں پہلی آخر قلعہ بیماری سے انہوں نے سیر و خدمت رضوان کی کی۔ ان کی وفات کے بعد سید مظفر علی خاں خانہ نشین ہوئے، اور بارہ برس بے روزگار بیٹھے رہے۔ آخر نواب خان عالم بقاء نے خاں مرحوم نے لکھنؤ میں انہیں بلوایا، اور سرکار وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ مرحوم کے مشاغل میں تین سو روپے کا واسطے ان کے درماہ بٹھرایا۔ ان ایام میں میر شیر علی افسوس کا سن گیارہ برس کا یا کچھ کم زیادہ ہے، لیکن مولد ان کا دار الخلافہ شاہ جہان آباد ہے۔ یہ بھی ہمراہ اپنے والد ماجد کے لکھنؤ میں آئے، اور طور پر دود باش کا بیس بٹھرائے۔ بعد کئی برس کے حسب الامر نواب صادق علی خاں کے، کہ بڑے بیٹے نواب میر محمد جعفر خاں صوبہ دار بنگالہ کے تھے، سید مظفر علی خاں دار و مرشد آباد ہوئے، اور داروغگی توپ خانہ وغیرہ کے ساتھ مور و عنایت و امداد ہوئے۔ آگے بیان ساتھ تفصیل کے بموجب طے ل کلام کا ہے۔ غرض جب وزیر الممالک نواب شجاع الدولہ بہادر معصوبہ دار بنگالہ صاحبان عالی شان سے معرکہ آرا ہیں، توسید مظفر علی خاں بھی ہمراہ رکاب کے تھے۔ بعد میر محمد جعفر خاں کی وفات کے روزگار نواب سیف الدولہ کا انہوں نے نہیں کیا، بلکہ لکھنؤ چلے آئے، اور بعد کئی برس کے حیدر آباد کی طرف گئے، دوہیں صال انکا ہوا۔ اس ایام میں میر شیر علی افسوس کا سن انیس برس کا تھا یا شعر و سخن کے ساتھ مواہنت ان کو بہ شدت تھی، اور طبیعت کو مناسبت نہایت۔ چنانچہ صخر سن سے شعر کہتے ہیں، اور اکثر اس شغل میں رہتے ہیں۔ اصلاح کا اتفاق ان کو میر حیدر علی حیران تخلص سے ہوا ہے، اور علی ابراہیم خاں مرحوم نے شاگردان کو میر حسن تخلص کا لکھا ہے۔ اس کی سہلچہ نش نہیں پہنچی، اور یہ خبر اپنے گوش زد نہیں ہوئی۔ ابتدا میں یہ سررشتہ روزگار کا نواب سالار جنگ مرحوم کے ملازموں میں رکھتے تھے۔ اور میرزا نوازش علی خاں، جو نواب مذکور کے بڑے بیٹے ہیں،

گیا رہ بس ان کے متعینہ رہے۔ بعد برہم ہوئے اس سرشتہ کے، صاحب عالم و عالمیان سیرزا جو ان بخت جہاں دار شاہ کی عنایت اور قدروانی از بسکہ حد سے زیادہ دیکھی، سعادت توسل کی انہوں نے ملازموں میں اس عالی جناح کے حامل کی جس ایام میں اس نیراج شہریاری کا خیر مغرب کی سمت نکلا، اور کچ شاہ جہاں آباد کو جوا، تو میر مذکور بہ بیٹھے بعضے عوارض کے رہ گئے، اور ساتھ نہ جاسکے۔ ایک مدت سے تو کل وقتا مکت ہر ای میں فواب سر فزال الدولہ بہادر کے دن زندگی کے بسر کر رہے تھے، لکھنؤ والی امن قب عالی شان بار لوصا حینے، مشورے سے عالی قدر جن آفرین مرٹر گلگرسٹ صاحب، زبانا ریشتہ لکھنؤ سے طلب کیے۔ برٹے۔ صاحب نے لکھنؤ کے، ماکہ نامی اس معدن رافت کا ہر صاحب سے، بہ عزت تمام ان کو بلو اسکے، اور شاہ بہرہ دو سو روپے کا ٹھیکہ اسکے، پانچ سو روپے پانچ راہ دیا، اور ٹکٹے کی طرف روانہ کیا۔ چنانچہ جب مرشد آباد میں یہ آئے، تو فوراً محبت سے اسی دن غریب خانہ میں تشریف لائے، کس واسطے کہ ان کے نکلنے کی تقریب دو مہینے آگے راقم حقیر لکھنؤ سے نکلا تھا، اور دردمند کا کا تھا، دیدار سے اپنے انہوں نے نہ نہایت خوش فرم کیا۔ اور چلتے ہوئے وعدا لکھتے کی سیر کا اس عاصی سے لیا۔ غرض بالفعل کہ ۱۵ مارچ بارہ سو پندرہ ہجری میں، بلدہ ٹکٹے میں، صاحبان عالی شان کے ساتھ میر مذکور ملاقاتیں بہ عزت تمام رکھتے ہیں۔ اور گلستاں کے ترجمہ کا کمپنی کی سرکار سے کام لکھتے ہیں۔ راقم آخر سے ملاقات ایام شباب سے ہے۔ فی الحقیقت کہ ذات ان کی زمانے کے انتہا سے ہے عجیب جو ان خلیق اور اہل دل ہیں۔ فروتنی اور انکساری میں فرو کمال ہیں منطق و معانی کے بیان میں صاحب استعداد ہیں۔ کلیات اور مناجات فن طبابت کے بھی بخوبی یاد ہیں۔ شعر عاشقانہ بہت مزے سے کہتے ہیں۔ اقسام نظم ہیں +

کیوں نہ ہو گھمنڈ اس نسبت پر غور کو	صبر کسی طرح نہیں اس دل نامہ سبور کو
اُس بے حجاب کا دیو یں بھی اٹھانقا	دیکھ سکے گا پراسے تاجے اتنی ہلو کو
پاتی نہیں فقط نہیں ڈوبی ہے سب کی زنجیر	دیکھنا تاج ہم نشیں آنسوؤں کے دفر کو
سچ میں یہ خود نمائیاں، حق میں یہ لہ توئیاں	شعلہ طود کچہ گیا دیکھ کے اس کے نور کو

منہ پہ نہ لائے زاہدا بھولے سے ذکر جو کر	ناز بھرا وہ منہ، اگر دیکھے جو اک نظر تو بھر
میں نے بھی کی نہیں فقط، کرتے ہیں سب کو	دو کسو نہ طعن زن مجھے، ناکسوں کی غمناک
یہ تیری عقل جل بجھے، آگ لگے شور کو	تو نے افسوس کیا کیا، دشمن جاں کو دل پا
غبارِ تافلک اس خاکسار کا پہنچا	سند گرم جو یہاں اس سوار کا پہنچا
مگر پیام کسی بے قرار کا پہنچا	تو بچ بنا کہ تجھے اتنی کیوں ہے بے یمنی
یہ مرتبہ تو دلِ داغ دار کا پہنچا	ملے ہے پانوسے اپنے وہ لالہ و ہر دم
چکھنے لگتا ہے اس گلف زار کا پہنچا	ہے یہاں تلک تو نزاکت گلوں کے گرجے سے
حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچا	تفس سے پھٹنے کی اُمید ہی نہیں افسوس
اپنے میں کیا چین تھا، اور دل کو کیا آرام تھا	جب تلک عشق یارو، نہ دلِ ناکام تھا
دردِ دل تیری بلا ہو، وہ ترا ہم نام تھا	بخشیدو ہم کو تم سے ٹوکا ہے ہم نے بھول کر
دیکھئے آگے آگے کیا ہوگا	اس کے اٹھتے ہی جی پہ آن بنی
ہو سحر کو خانہ ماتم میں زاری بیش تر	صحت کرتا ہے یہ دل اشکباری بیش تر
بے وفاؤں سے ہی ہے تجھ کو یاری بیش تر	دل کے تئیں بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار
روئے ہی آہ کٹ گئی یہ رات تجھ بے غیر	ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بے غیر
کرنی نہیں کسی سے ملاقات تجھ بے غیر	غیروں سے تو ملے تو ملا کر، دے مجھے
چکے بیٹھے ہوئے ہر ایک کا منہ تکتے میں	بزم میں اس کی نہ ہنستے ہیں اسکتے ہیں
تو جیسا ستاتا ہے جی جانتا ہے	کہا میسر اطلق نہیں جانتا ہے
تجھ کو نہ خوش آیا یہ، پر تجھ کو تو بہاتا ہے	کوئی دل سے مرے پوچھے جیسا، وہ کما حقہ

۱۶۔ آشفۃ

آشفۃ تخلص، حکیم رضا قلی خاں نام، والد ماجد ان کے حکیم محمد شعیب محمد خاں مرحوم تھے،

مستوطن اکبر آباد کے۔ بڑے بھائی ان کے میرزا ابو صاحب، خدا مغفرت کرے، ذرہ تخلص کرتے تھے عجب دلوے اور ذوق شوق کے ساتھ کربلائے معلیٰ گئے، اور وہیں خاک ہوئے، روبرو صریح مقدس کے دفن ہیں۔ حق سبحانہ نقلے لاشتر بھی ان کا، اور جمیع مومنین کا، جناب سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ کرے۔ دوسرے بھائی ان کے، میرزا رضی صاحب، وہ بھی ان سے بڑے ہیں، بالفصل لکھنؤ میں داد طبابت اور معالجے کی دے رہے ہیں سچ تو یہ ہے کہ جو اختراعات فن طبابت میں انہوں نے کئے، دیکھنے کا کیا دخل ہے، کسی نے نہیں سنے۔ صداقت اور لیاقت ان کے خاندان کی نہیں ہے محتاج تشریح اور بیان کی۔ ہمیشہ بزرگ ان کے معالج سلاطین نامدار کے رہے ہیں، اور امیروں سے بلکہ فیروں سے سدا نازد اغماز کیا کئے ہیں۔ غرض حکیم رضا قلی خاں آشفتمہ تخلص راقم آثم کے دوستان قدیم سے ہیں۔ جوان آزاد و وضع، اور خوش اختلاط و راستہ مزاج، اور مایہ ارتباطیں محبت، اور یک رنگی میں خلاصے، اور آشنائیوں کے بہت خاصے، حسن پرستی میں خود پستی و شیریں کی تصویر، اور عشق بازی میں قیس و فریاد کے پیر، ہیں۔ مشور سخن کا انہوں نے میر سوز صاحب سے کیا ہے، لیکن ان میں ان کے اتنا کوئی نہیں ہوا ہے۔ میر صاحب مذکور کے طرز ادائیگی میں انہوں نے رنگینی کچھ اور بھی زیادہ کی ہے، سچ تو یہ ہے کہ رنگین ادائیگی کی داد دی ہے۔ چندے انہوں نے رفاقت میرزا محمد تقی خاں کی کی، جو کہ پوتے میرزا یوسف کو رکے تھے، اس سبب سے دو اڑھائی برس بود و باش ان کی فیض آباد میں ہوئی تھی، وگرنہ پرورش انہوں نے لکھنؤ میں پائی ہے، اور کیفیت زندگی کی وہیں اٹھائی ہے۔ بیشک بارہ سو اٹھ ہجری میں لکھنؤ سے مرشد آباد میں آئے، ذواب مبارک الدولہ ناظم صوبہ بنگالہ مرض الموت میں گرفتار تھے، اگرچہ معالجہ میں انہوں نے رنگ سبائی کے دکھائے، لیکن قضا و قدر سے لاچار تھے۔ بعد ذواب مبارک الدولہ کی وفات کے، خلف الصدق سے ان کے، یعنی ذواب محمد دولہ ناصر الملک سید پیر علی خاں بہادر ولیہ جنگ سے، نہایت موافقت آئی، اور صحبت نے بہ شدت یک رنگی پائی۔ چنانچہ سات برس کامل ان کی خدمت میں رہے،

اور قریب لاکھ روپے کے بنگالہ میں پیدا کئے، لیکن فوج کرنے والے بھی ایسے ہی بلائے روزگار تھے، کہ جس دن مرشد آباد سے نکلے تو قرض دار تھے۔ غرضی حج کو سلا لہ بارہ سو چودہ بھری میں اپنے ہی مزاج نازک سے، ناحق روزگار چھوڑ چکے تھے چلے آئے، اور زمانے کی بے رنگی کو مطلق خیال میں نہ لائے، بالفضل کہ سلا لہ بارہ سو پندرہ بھری ہیں، بہ عزت تمام کلکتے میں اوقات بسر کرتے ہیں، اور اک رنگ کی صحبتوں میں دن رات بسر کرتے ہیں۔ طبیعت ان کی موسیقی کی نظر لڑکپن سے ہے، اور ایک مناسبت بھی بھلی جنگی ان کو اس فن سے ہے۔ اپنی آشفتمند فزاجی میں غزلوں کو انتظام نہیں دیا ہے، وگرنہ مدت سے ایک دیوان کا سر انجام ہو چکا ہے۔ یہ اشعار ان نتائج افکار سے ہیں +

جی تھا آنکھوں میں یار تھا دل میں آبلہ ہو کے دم میں پھوٹ بہا مر گئے پر بھی ہم کو خاک ندی کھینچے ہی تک اے کان ابر دم آخر جو بچکی آتی تھی دست و لب نزع میں جو ملتے تھے دم شماری تلک بھی آشفتمند فقط اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ	یہاں تلک انتظار تھا دل میں یہ کہاں کا بخار تھا دل میں آج تک یہ غبار تھا دل میں تیر شرکاء دو سار تھا دل میں وہ فدا موش گار تھا دل میں شوق بوس کن تھا دل میں قدموں کا شمار تھا دل میں ادھر ادھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ
پہنچ و تاب کو بالونکے طول دو اتنا بجائے اشک تھے ہیں پارے جگر دکھائے آئے تھے دامن کے چاک کی غلی کیا زید زینب نے مصر میں یوسف اگرچہ ہو دیں گی تھیلے لیکن آشفتمند	ہمارا دل ہے پریشان، دیکھتے جاؤ تہا کجی میں تھا ارمان، دیکھتے جاؤ ہمارا چاک گریبان، دیکھتے جاؤ جناب عشق کی تم شان دیکھتے جاؤ کوئی گھڑی کا همان، دیکھتے جاؤ

<p>دیکھیں، تب ہم سے کیا رقیب کر حب میں جو آوے، سو حبیب کرے شور کیوں کرنے عنایب کرے موت ایسی خدا نصیب کرے!</p>	<p>دلہ</p>	<p>وصل اس کا خدا قریب کرے بہر سے قتل، وصل سے ایجا گل کا دیکھا چٹکے چپ ہونا مر گیا ایک صنم پر آشفقتہ</p>	<p>+</p>
<p>چند بھی ڈرنے لگے اب مرے دیرانے سے کون برا دے بھلا، اس دل دیوانے سے؟ فائدہ کیا ہے بھلا جھوٹ قسم کھانے سے آج تو آگ ہوا غیروں کے بھر کاٹنے سے اپنے بیگانے دہاں جتنے تھے سب جان گئے ہم بھی جی رکھتے ہیں پیکار ترے قربان گئے آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے، تجھے آگ لگے بس کہیں دور بھی ہو، منہ کو ترے آگ لگے</p>	<p>دلہ</p>	<p>یہ خرابی تو پڑی مجھ پہ ترے جانے سے کس طرح قید کروں، یہ تو عثر بائی نہیں میں سمجھتا ہوں کہ تم جا کے نہیں آئے شعلہ غم آگے تو اتنا نہ جلاتا تھا مجھے دیکھتے ہی اُسے گل میرے یہ اوسان گئے اپنے کے ہوتے بھلا غیر کو صدمے تو نہ کر مجھ کو کہتا ہے صنم، تجھ کو بھی ابھال لگے بوسہ کے واسطے چٹا، تو لگا کہنے مجھے</p>	<p>دلہ</p>

باب البا ابیدل

بیدل تخلص، میرزا عبدالقادر نام، قوم چغتائے، لیکن نشو و نما انہوں نے ہندوستان میں پائی
ہے، جو دہت ذہن سلیم، اور ذکاٹے طبع مستقیم، کے باعث تصویر نازک خیالی کی بہت نیکہ سکھ
کی کھینچ کر بار یک مینوں کو دکھائی ہے۔ بیشتر انہوں نے زبان فارسی میں کئے ہیں
لیکن اہل محاورہ کے مقبول نہیں ہوئے ہیں۔ آسمان جاہ محمد اعظم شاہ کے ساتھ توسل رکھتے
تھے، اور مورد الطاف و عنایت شاہزادہ عالم و غامیان کے رہتے تھے۔ قوت جسمانی اور طاقت
بدنی قادر قوی نے اتنی انہیں عنایت فرمائی تھی، کہ اور ان کے معاصرین کے حصہ میں کم آتی تھی۔

چنانچہ اک معزز کاتب میں شاہزادے کی عین سواری کے دوادوش میں ایک شیر نکل آیا، اور کئی بیچاروں اہل کے ماروں کو ذائقہ مرگ کا اس نے چکھایا۔ آخر میرزائے مذکور کے ہاتھ سے بکری کی طرح مار گیا، اور اپنی جان سے بیچارہ گیا۔ دفعتاً ایسے رومی غلامی سے یہ بیزار ہوئے، کہ روزگار پاکشیدہ، اور دنیا داری سے دست بردار ہوئے۔ طریقہ فقر اور گوشہ نشینی کا اختیار کیا، اور کو فرغ یاس اور خونِ تمنا سے رشک گلزار کیا، لیکن دروازہ ان کا کثرتِ اعتقاد سے مسجدِ خاص و عام تھا، اور بوسہ گاہ امیرانِ عظام تھا۔ نواب نظام الملک صوبہ دار دکن کا خط مکرر اور متواتر اس مرکزِ دائرہ قناعت کی تحریک میں آیا، لیکن قطب آسانِ قتل نے حرکت کو قبول نہ فرمایا۔ ایک بیتِ فارسی نظام الملک کے جواب خط میں لکھی ہے، اس سے قناعت اور جواں مری اس شیر بیٹہ استغنا کی معلوم ہوتی ہے۔

اس بیت کو بسبب زبانِ فارسی کے حاشیہ پر لکھا ہے، اور ترجمہ اس کا اس طرح نقل کتاب کیا ہے۔

کعبے دنیائے سرکوں، جاکچھوڑوں تھادوں کو باندھی ہے ہندی قناعت کی میں اپنے پانوں کو
گلیات ان کا از روئے نظم و نثر کے قریب لاکھ بیت کے مشہور ہے، لیکن اہل دنیا کی تعریف
کہیں ایک مصرع میں نہیں مذکور ہے۔ بحر متدارک اور کامل وغیرہ پانچوں وزن، جن کے ناظم
مخصوص شعرائے عرب ہیں، اور عجم ان سے احتیاط کرتے سب کے سب ہیں، اکثر میرزائے غزل
ان اوزان میں کہی ہے، اور داندازِ کزنیالی کی دی ہے۔ از بس کہ مدارِ دنیا سے دور روز کا فتنہ پر
ہے، ۳۳ گیارہ سو تینیس ہجری میں بلہ شاہ جہان آباد کے اندر اس سرسے فانی سے عالم
باقی کی طرف توجہ فرمائی۔ ان دو بیتوں نے، زبانِ ریختہ میں اس قادرِ سخن کے نام سے
شہرت ہے پائی۔

مست پتھ دل کی باتیں، وہ دل کہاں ہے، ہم ہیں	اس تخم بے نشان کا حاصل کہاں ہے، ہم ہیں
۱۵ دنیا اگر دہند، نہ صہنم ز جلعے خویش	من بستہ ام خلتے قناعت سبک خویش

پروے سے یار بولا، بیدل کہاں ہے، ہم میں

جب دل کے آستان پر عشق آن کر پکارا

۲- بیان

بیان تخلص، احسن اللہ خاں نام، شاگردوں میں سے میرزا مظہر جان جاناں کے تھا۔ سنگو
دلی میں اختیار کی لیکن متوطن اکبر آباد کا تھا۔ شاگردوں میں سے میرزا نے مذکور کے عاشق مناج
اور شیریں زبان تھا۔ زبان ریختہ میں صاحب دیوان تھا۔ یہ اشعار منتخب دیوان اس مخمور
خوش بیان کے ہیں +

دہ بھی کیا دن تھا کہ ہم آغوش ہم کیا تھا	دہ کے باہر مدعی ہوں صورت دیوار تھا
اس تباہل پر پڑا میں ریکھتا ہوں گور میں	دہ کربن کی چشم کا میں عمر بھر بیمار تھا
دیکھ کر تابوت کو، بیمار داروں سے مرے	پوچھنے لاگاکہ اس مردے کو کیا آزار تھا
کوئی کسی کا بیان، آشنا نہیں دیکھا	دل سو آس کے ان آنکھوں نے کیا کہیں دیکھا
اگر جوں ہی قاصد نے لیا نام کسی کا	دل اس نام کے سنتے ہی ہوا کام کسی کا
کیوں تلج سمانا نہیں اپنے میں خوشی ہے	کیا تجھ کو بیاں پہنچا ہے پنہاں کسی کا
عالم کو تلج و گوہر و تخت دلوا دیا	دل اے آسمان بنا تو، مجھے تو نے کیا دیا
نے دین سے اطلع ہے، نہ دنیا کی کچھ خبر	اس عشق نے غرض میں سب کچھ بھلا دیا
ایسے ہی میرے بخت جو ماتے تھے نیند	خواب عدم سے کا ہے کو مجھ کو جگا دیا
کب تلک اس کی شکایت ہو نہ رہے آشنا	دل ایک بیگانہ ہے مجھ سے، اور سب سے آشنا
غیر کے کہنے پہ مت بیگانہ ہو کیا رگی	دیکھ تو اے شوخ! میں تیرا ہوں کبے آشنا
ہم دم نہ فکر کر، کہ مرا کام ہو چکا	دل گر دل مرا یہی ہے، تو آرام ہو چکا
اتنا ہے تجھ کو تنگ، مرے نام سے عیش	اے شوخ! اب تو شہر میں بدنام ہو چکا

اگر اک صبح دم آتا وہ اٹھ کر خواب شیریں سے

دل ہمارا کیا گریاں، ناصحوں کا پیر ہن بھٹتا

جگایا مجھ کو کس کم بخت نے لے لے!	دل	مری آنکھوں کے آگے وہ ابھی تھا
تو تو ساقی جام ترسا کر پلاتا تھا مجھے	دہ	یار کی آنکھوں نے مجھ کو کر دیا کیسا تر
رو کر اس سے میں کہا، مرتا ہے یہ بیمار آج	دل	مسکرا کر وہ لگا کہنے، کہ اس کا کیا علاج
یہ آرزو ہے کہ وہ نامہ برسے لے کاغذ	دل	بلا سے پھاڑ کے پھر لہتے میں لے کاغذ
وہ کون دن ہے کہ غیروں کو خط نہیں لکھتا	دل	قلم کے بن کو لگے آگ! اور صلبے کاغذ
عرش تک جاتی تھی، اب لب تک بھی سکتی نہیں	دل	رحم آتا ہے بیاں اب مجھ کو اپنی آہ پر
اک بار فوج عشق پڑے مجھ پہ ٹوٹ کر۔	دل	لے کے قرار و دین ددل دہوش لوٹ کر
یہنا اگر ہے دل کو، تو بے بھی اسے کہیں	دل	سینہ میں اب تلک تو رکھا مار کوٹ کر
ہم سرگزشت کیا کہیں اپنی، کہ شل خار	دل	پا مال ہو گئے ترے دامن سے چھوٹ کر
کیا ایسے سے درد دل کو کہئے	دل	ایہ صر تو سنا، ادھر فراموش
میں بس کہ خاک میں ترے کوچے کی مل گیا	دل	تس پر بھی تیرے دل میں ہے مجھ سے غبار
تمنا بادشاہی کی کسی سفلی کو ہووے گی	دل	مرے دل میں خدائی کا بھی خطرہ ہو، تو کا فر ہو
کافر ہو، جس کے دل میں کچھ اور آرزو ہو	دل	اک مختصر سی جا ہو، میں ہوں، اور تو ہو
مست آئیو اسے وعدہ فراموش تو اب بھی	دل	جس طرح کٹا روز گزر جائے گی شب بھی
آخر تو شکایت سے مجھے منع کرے ہے	دل	سی دیکھو تلک لہتے سے اپنے مرے لب بھی
جہاں روو تمنا میں تری اسے شمع رو پیار	دل	اوگے اس گل زمیں سے حشر تک جوں لالہ نگار
قمار عشق کی بازی بھی کچھ دنیا سے باہر ہے	دل	اُسے کہتے ہیں عاشق، جو کوئی یہاں فقیر ہے
آنسوؤں تک پوچھنے کی غیر کے تدبیر ہے	دل	جھ سے اتنا بھی نہیں کہتا، کہ کیوں دل گیر ہے
چرخ کی برہم زنی سے یہ تعجب ہے بیاں	دل	لیلیٰ و مجنوں کی یک جا اب تلک تھویر ہے
شب فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے	دل	یہی ہے صبح سے دھڑکا، کہ رات آتی ہے
جا کو کوئے یار میں کوئی۔	دل	نر گیا انتظار میں کوئی

<p>سر رکھے اس کنار میں کوئی ظالم یہ تری نگاہ کیا تھی ہم سے کبھو تو آشنا تھی آنا ہے اس کی بزم میں بار و گر مجھے پھر لے چلا ہے یہ دل وحشی اودھر مجھے تو کیوں دیئے فلک نے میاں بال پر مجھے وگر نہ بات کا تیری جواب آتا ہے ہمیں بھی یاد وہ عمد شباب آتا ہے</p>	<p>وہ بھی کیا رات تھی کہ سوتا تھا جادو تھا، کہ سحر تھی، بلا تھی، کیدھر ہے، کہاں ہے، خوشدلی تو رسوا ابھی سے کرنی ہواوی چہم تر مجھے آیا ہوں اس گلی سے ابھی، دم نہیں لیا کنج نفس سوامری قسمت میں جانہ تھی بھگڑنے پتھر سے پیارے حجاب آتا ہے پیو شراب جو انوکھ موسم گل ہے</p>
<p>دشمن جانی ہر میرا، جو کوئی چاہے مجھے</p>	<p>اپنے دل سے بھی عداوت ہو گئی ہے اب مجھے</p>
<p>میں تھے عہد میں دیکھوں ہوں چہر مجھوں یا شام سے پھولی تھی کسی شب کی صبح ہمسا یہ پکارا، کہ ہوئی کب کی صبح عالم کی غضب سے جان کھوتا میں گا زانو پہ مرے وہ شیخ سوتا میں گا یا اُس کے لئے کوئی کفن سینا ہے اتنا کہیو، کہ اب تنک جیتا ہے ہر چیز میں یک جلوہ دکھاتا ہے مجھے ہر چاہ میں یہوسف نظر آتا ہے مجھے مدت گزری دعا ہی کرتے کرتے منہ یار کا دیکھ لیوے، مرنے مرنے</p>	<p>کوئی مجھ سے قیس نہ دیوانہ ہو اہلی کا کیا زلف میں اُس شیخ کے تھی دہلی صبح ملک لطف کو میں ہاتھ لگایا، کہ اودھر جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا میں گا خفوں کو صبا کہیو، کہ آہستہ کھلیں مت کہیو بیاں جام اہل بیتا ہے یار و جو مرے حال کو پچھے وہ شیخ سوطح سے یہ عشق نبھاتا ہے مجھے کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہے یار با کہتا ہوں جناب حق میں ڈرتے ڈرتے ہے اُس کو یہ قدرت کہ بیاں سامعہ</p>

۳۔ بقا

بقا تخلص، محمد بقا نام، بیٹا حافظ لطف اللہ کا، شاگردوں میں سے میرزا فاخر کلین تخلص کے مخالفی الحقیقت عزیز نکتہ سیخ، دوبار یک ہیں، ومعنی بند، و سخن آفرین تھا میرزا رفیع سوا تخلص کے منہ اکثر چڑھا، اور اس ننگ بھر معانی کے جو میں کچھ کچھ دہیات مکر بکا، لیکن میرزا مرحوم نے مطلق اعتناء نہ کی، اور یہ بات کہی کہ میں نے جس کی جھوکی، نام اس کا اسی تقریب سے نام عالم میں ہوا مشہور ہے، سو تیری ہجو نہ کروں گا، کہ تیرا مشہور کرنا مجھے نہیں منظور ہے غرض اس عزیز سے زمانے نے موافقت کبھی نہ کی، اور صورت روزگار کی پیچا رہے نے آئینے میں خیال کے بھی نہ دیکھی۔ افلاس سے تنگ اگر کسی کے کہے سے کچھ اعمال تنیخ کو اکبے شروع کئے تھے جینال میں اس سودا نے خام کے مجنون ہوئے، اور جیتک جئے سودا نی روح سلطانہ بارہ سوچہ جبری تھی، کہ حالت میں سودا نی کے یہ بات سوچھی، کہ تحصیل دولت جعتی کی کیجئے، اور خاکو راہ سے کر بلا معللاً اور بخت اشرف کے دیدہ مول میں سرمہ حق نہا دیجئے۔ یہ عزم کر کے ہما ز پر سوار ہوئے، اور منزل مقصود کی طرف قدم گزار ہوئے۔ اثنائے راہ میں اس دودار فنا سے، موافق نام اپنے کے، سفر ملک بقا کا کیا۔ خوشایہ حال کو انجام تو بہ خیر ہوا۔ یہ چند شعر اس راہ روداد بقا کے گوشہ خاطر میں تھے، سو لکھے جاتے ہیں +

یاد میں تڑپے ہے دل اس ابرو سے خمداری	آج کچھ ناخن بدل ہے آہ اس بیسماری
دیکھئے، ہیں منصب مجنوں پہ یہ لیلی صفتاں	دلہ خاک میں ہم کو ملا، کس کو سر فراز کوس
کیا خط لکھیں اُس کو حرکت ہاتھ سے گم ہے	دلہ خامہ مرے اب ہاتھ میں انگشت شمس ہے
کس نے چمن میں رنج کیا عند لب کو	دلہ غنچے رہے ہیں دانتوں میں قاب اپنی حبیب کو
اس لیے کچھ نہ چوے قح، اور قح سے ہم	دلہ تو کیوں ٹلے سہو سے قح، اور قح سے ہم
پاتے ہیں میکہ کے میں بقا روز فیض سے	خمسے سہو، سہو سے قح، اور قح سے ہم

۴۔ بیدار

بیدار تخلص میر محمدی نام، شاہ جہان آبادی، دوستوں میں سے خواجہ میر درد تخلص کے تھے۔ نزاکت سے معنی کے بخوبی آشنا، اور زبان دانان دلی سے ہمیشہ ہم نوا رہے ہیں کہتے ہیں کہ کلام اپنا انہوں نے اصلاح کی تقریب سے خواجہ میر درد کو دکھایا ہے۔ اور اُس نقادِ بازارِ معانی سے فائدہ بہت سا اٹھایا ہے۔ زبان ریختہ میں صاحبِ دیواں ہیں۔ کچھ اشعار منتخب ان کے دیوان کے لکھے گئے یہاں ہیں +

تو نے جو بد توں میں ادھر کو گز کیا غیرت نہ آوے تجھ کو شکر نہ راجیف ہم خالقوں کی آہ نہ او دھڑک گئی اس کھیل سے کہ اپنی مڑہ کو کو بار تے دیوانے کو پری سے پھر اب کر دیا دچا کیدھر ہے تو کہاں ہے اجابت کہ بار بیدار ایسے رونے سے امان بانا آنکھوں میں چھار ہے از بسکہ فوریہ بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہے جلو جب کہا میں نے کاسے سر دیا غنی کینے لاگا دلی گم گشتہ ہے تیرا جھ پاس	نالے نے آج کچھ تو ہمارے اثر کیا جس دل میں تو مقیم تھا دباں غم نے گھر کیا اُس نے نہرا اپنے تئیں جسلوہ گر کیا عالم کو نیزہ بازی سے زیر و زبر کیا اے آنکھوں کیا کیا مرے جی کا مڑ کیا میں نے بلند دست دعا بھر کیا دامان و آستین کو تو لوہے سے ترکیا دل ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگِ لہو تیرا اُس کو جو تو نہ دیکھے ہیگا قصور تیرا کس کا تو آفتِ جاں ہے تو کا تجھ کو کیا دل جب کہا میں نے کہاں ہے تو کا تجھ کو کیا
یہ کون پنے شکار نکلا جینے کی نہیں ہے اُس مجھ کو ہم خاک بھی ہو گئے پراں تک	دل ہر دل ہوا میرد وار نکلا تیرا اُس کا جگر کے پار نکلا دل سے نہ ترے عہد نکلا

	جب بام پہ بے نقاب ہو کر اُس روز مقابل اُس کے خوشید نالہ ہر چند ہم نے کر دیکھا آج کیا جی میں آگیا تیرے	وہ صبح کو ایک بار نکلا نکلا بھی تو سر سار نکلا آہ اب تک نہ کچھ اثر دیکھا مستبتم ہو جوادھر دیکھا	
	بے بیدار کی آنکھوں سے ساقی آشکِ سرخ آئے	وہ	مے گلگوں کا کوہ میں گویا تیرے سبوت لٹا
	سبز خط ترے عارض پہ نمودار ہوا آج آتا ہے نظروں مری آنکھوں میں سایہ کھینچ کر زلف کی تصویر کو خط میں بھجوں اے شانہ کھولو گرو زلفِ سپر کر ہم چشمِ ابرو دیدہ تر گرچہ ہو سکا۔ جو اک چھوڑے مجھ غم تری جدائی کا اُگے ہے پیچہ مر جاں مزار سے اُج کے مرے قدم سے ہے سر نہ بوتانِ تنو	وہ وہ وہ وہ وہ وہ وہ وہ	حیف اس آئینہ صاف پہ رنگا ہوا رات اس لعل میں دل نہ لگا کر قرار ہوا تا کہ معلوم کرے حال پریشان ہوا دل سیکڑوں میں اس میں گرفتار ہوا لیکن غبارِ غمِ مرے دل سے نہ دھو سکا تمام عمر نہ لوں نامِ آشنائی کا شہید ہو جو کوئی اس کفِ خدائی کا ہر ایک ابلہ گل ہے برہنہ پانی کا
	کہو تو کس سے میں پوچھوں نشانِ خاندانِ دوست	وہ	کہ آشیانہٴ عنقا ہے آستانہٴ دوست
	حالِ سن سن کے ہنس دیا میرا آج ساقی دیکھ تو کیا ہے عجب رنگیں ہوا اس سے دو چار ہو گئے ہمس فتراک میں باندھ خواہ مت باندھ آہستی گلی میں مر گئے ہم	وہ وہ وہ وہ وہ	کچھ تو آیا ہے مہرِ بانی پر سرخ نے کالی گھٹا اور بیہوش دینا کار سو جی سے نثار ہو گئے ہم اب تیرے شکار ہو گئے ہم جی تھا سو نثار ہو گئے ہم
	خاکِ عاشق ہے جو ہوتی ہے نثارِ دہن خلشِ خارِ وِ عشق سے اب اے ناصح	وہ	اے سری جان تو مت بھارِ خارِ دہن نہ رہا ایک بھی ثابت مر تا رہ دہن

ہم ترے اس دلِ نازکے خطر کرتے ہیں	دلہ	ورنہ یہ نلے تو پتھریں اتر کرتے ہیں
شبِ بہراں میں نہ پوچھو کہ میں کیا کرتا ہوں	دلہ	صبح تک شمع کی مانند جلا کرتا ہوں
صورت اس کی سگائی دل میں	دلہ	آہ کیا آن بھائی دل میں
تم کو کہتے ہیں کہ عاشق کاغذِ ستی ہو	دلہ	یہ تو کہتے ہیں کہ باتیں ہیں کہاں ستی ہیں
اٹھ گیا ہم سے گو کند ہو	دلہ	خوش رہے وہ جہاں ہو جید صبر ہو
اس سے میدار بات تو معلوم	دلہ	دیکھنا بھی کہیں بیتر ہو
عجب کیا ناتوانی سے میری	دلہ	لفضا و شرمندہ نیشتر ہو
دل کو کرتا ہے نگاہوں میں شکار	دلہ	واہ واسے تری میتِ ادی کو
دیکھ کر مری آنکھوں کی بہار	دلہ	کر دیا بلغ ہر اک واوی کو
تری مجلس میں اگر ہو گدڑ پر درانہ	دلہ	نہ پڑے شمع پہ ہرگز نظر پر ورنہ
ہے زمانہ سے جدا روزِ شبِ تنہاں	دلہ	شام کہتے ہیں جسے شبِ پر ورنہ
بوسہ شمع کو جلنے کے بہانے آیا	دلہ	دیکھو اسے بزمِ نشینان نہ پر ورنہ
قید شمع کی ممکن نہیں چھوٹے سید	دلہ	رشتہ شمع سے باندھا ہے پر ورنہ
دیکھ تھہ کا کلِ مشکیں کی ادائیں شانہ	دلہ	دونوں ہاتھوں سیتی لیتا ہی بلایں شانہ
اُس کے بھڑائے ترے مہم کا کلِ شمع	دلہ	ہاتھ اٹھا کیوں نہ کرے تجھ کو دعا میں شانہ
ایک دن گزرتی تجھے تو اسفندی	دلہ	دیکھ لے کا کلِ مشکیں کی وفا میں شانہ
تھم گیا اشکِ شبِ بہر میں روتے رہے	دلہ	سحر وصل کو مدت ہوئی ہوتے ہوتے
مردمِ چشم سے پوچھ اے مہتاباں تجھ بن	دلہ	کون سی شب کہ نہ گزری مجھ روتے روتے
کیوں کر عاشق سے بھلا کو چہ جاناں چھوٹے	دلہ	بلبل زاسے کیوں کر کہ گستاں چھوٹے
کس کے گنگے میں کروں چاک گرِ بیاں کہ	دلہ	جو ترے ہاتھ سے ناصح مراد ماں چھوٹے
عاشق کا اگر دیدہ و خوبا نہ ہو	دلہ	تو رشکِ چین کو چہ دلدار نہ ہو

لوٹنے سے ترے تمام خانہ پر خراب
جیراں میں اس میں ہو کر یا دیا

۵۔ سبل

سبل تخلص، سید جبار علی نام، متوطن جبارکڑکی۔ چند مدت انہوں نے عظیم آباد میں گذر کئے ہیں، اور تھوڑے سے دن ہمارا جیت سنگھ، بنارس کے راجہ، کی وکالت میں اوقات بسر کی ہے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ ۱۹۱۱ء کی یاد سوچیا تو بے ہجری میں میر نکو سے بلدہ محمد آباد بنارس میں مکرراتفاق ملاقات کا ہوا ہے۔ جو ان سلیم الطبع اور سخن فہم نظر پر آ زاد وضع اور وارستہ مزاج دکھائی دیا۔ یہ اشعار اس کے خلاصہ افکار ہیں :

نامہ دروالم میں نے جب آغاز کیا	جو ترے غم کے سوا تھا قلم کا لڑکیا
اتنا بھی دغ عشق سے معور ہو گیا	دل سینہ تمام خانہ زنبور ہو گیا
یا تیرے ہی زلف میں دیکھا	دل ایک زنجیر لاکھ دیوانہ
کیا خیال آوے بلاؤں سے اسے پرہیز کا	دل ہے جو بیمار اس تری چشم بلا نگینہ کا
اگ ہر ساعت بستی ہے دینا چشم سے	دل ہے تاشا استخوانوں میں مری گلز کا
جب غمزہ چشم یار دیکھا	دل سو تیر جگر کے پار دیکھا
یا د آگئی مشت خاک اپنی	دل اڑتے جو کہیں غبار دیکھا
دل خس و خاشاک کی صورت نکلتا ہی رہا	دل گو سدا دامن کو لپٹے فہم بھکتا ہی رہا
جست وجوہ میں یار کی گم کردہ راہوں کی طرح	دل میں کبھی امید کبھی ادھر بھکتا ہی رہا
خط ترانام خلاصہ ہے ادا و ناز کا	دل دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے اس آغاز کا
کیا اس کو جتاویں ہم جو ہم نے کیا ہوگا	دل کیا کیا نہ کیا ہوگا جب دل کو دیا ہوگا
دل میں برنگ بوج ہمارے وصال کا	دل بڑھ بڑھ کے اشتیاق کئی بلوٹ گیا
ہر دم مجھے نیاز سے ناز ہی رہا	دل انجام کار عشق کا آغاز ہی رہا

<p>اُڑنے سے جب مرا پر پرواز ہی رہا سرشک آنکھوں سے میری روضن باد اکھ بیٹ تمہارے خنجرِ شکارِ گاہِ خون آشام کی صورت چھاتی مشکِ دارِ ہونی پھوٹ پھوٹ کر نکلے ہے بند بند سے اب پھوٹ پھوٹ کر اے دردِ کروں نالہ و فریاد کہاں تک اے ہمِ قفساں خاطرِ صیاد کہاں تک کہ لوگ ابرو جیسے کتے ہیں میں ترورِ کتا ہوں دے سجہ وار منہ پہ اگر اپنے تو گرہ رہتی ہے ابرو دل میں ترے تہہ تو گرہ کیا مہربانیاں ہیں مرے مہربان کی یعنی کہیں سے ہے گی بزرگی مکان کی</p>	<p>صیادِ فائدہ ہے ربانی سے کیا مجھے سدا انتظار ہی کرتا ہے گھٹل کر آتشِ غم خدا ہرگز نہ دکھلا دے کسی کو غیرِ سبل کے بیرِ محاکہ بسکہ لگی پھوٹ پھوٹ کر یہ دغِ عشقِ مثل نے نئے نئے فواج کے پہلو میں رکھوں میں دلِ ناشاد کہاں تک در آجِ قفس کا ہے کھلا کیجئے پرواز زلزلے سے زلزلے میں جگرِ افکار کتا ہوں جز یا وجہی نہ ہو ترے دل میں کھو گرہ ہر دمِ نو و قبضہ شمشیر کی طرح دل کی طلب ہے اور تنہا ہے جان کی دردِ و الم سے منزلتِ دل ہے بس بلند</p>
<p>لو کام کا نہ ہو دے تو آزاد کیجیو جب تک یہ شبتِ خاکِ نبرہ یا کیجیو</p>	<p>لے غاند اس غلام ارشاد کیجئے کو سے بتاں تملکِ سانی محال</p>
<p>دل لے کے اس طرح بھی نہ آنکھیں چڑا پھر اس آئینہ کو جاس کے مقابل کیجئے نکرت لیا کرے ہے جوت کو ہمارے دل تو گزر چکا ہے مرے اختیار سے ہر بُنِ موجدِ ش سے آنسو کے فوارے ہوئے اب یہ دردِ دل ہے اور اپنی یہ پیشانی کس لئے تو اس قدر بیٹھا ہوئی آ کر ہوئے</p>	<p>دل لے کے اس طرح بھی نہ آنکھیں چڑا پھر اس آئینہ کو جاس کے مقابل کیجئے نکرت لیا کرے ہے جوت کو ہمارے دل تو گزر چکا ہے مرے اختیار سے ہر بُنِ موجدِ ش سے آنسو کے فوارے ہوئے اب یہ دردِ دل ہے اور اپنی یہ پیشانی کس لئے تو اس قدر بیٹھا ہوئی آ کر ہوئے</p>

تیری ہی یاد کو ہی تیرا ہر آن ہے	دلہ	گویا کہ اس لئے مرے مُنہ میں زبان
عہد و پیمان بتاں بسکہ بساوی ہے	دلہ	ایک اُمید تو سو باعثِ مایوسی ہے
داغ اتنے ہی دئے عشق نے تیرا تمام		موت پر مرے جلوہ طاؤسی ہے
آئیے جسد کہ یہ سبیلِ مجروح ہوئے		ہر لب زخم سے شقائقِ قدم پوی ہے
دُکھ درد کو کب تلک حکایت کیجے	رباوی	دوراں کی کہاں تلک شکایاں کیجے
اس کشورِ دل پہ فوجِ غم کا ہے ہجوم		یا شاو بخفت میری حمایت کیجے

باب الثاء

۱۔ تانا شاہ

نام نامی اور اسم گرامی اس بادشاہِ عشرت و دوست کا ابو الحسن تانا شاہ ہے۔ سلاطینِ نامدار اور خواقینِ عالی مقدار دکن سے تھا۔ اگرچہ شہرِ عیش و نشاط کا اور آوازہِ مسرت و انبساط کا اس عیشِ مجسم کے ماہ سے ماہی تک مشہور ہے، لیکن کچھ تھوڑا سا احوال اس سر پر کارے بابِ بزمِ عیش و کامہ انی کا یہاں لکھنا ضرور ہے جس ایام میں کہ عالمِ گیرِ خلدِ مکان نے عادلِ شاہی اور نظامِ شاہیوں کو زبردِ بر کیا، اور صوبہ دکن کو بعدِ بہت سی خرابی کے اپنا قبو ابو الحسن تانا شاہ بھی نظرِ ہندی میں آئے، اور فلکِ نیزنگ باز نے بدلے اس عیش و عشرت کے اور ہی رنگ دکھا سامانِ عیش سب پرہم ہوا، اور مجمعِ اسبابِ نشاطِ حلقہ ماتم ہوا۔ خلدِ مکان نے جس قدر تنگی ان کے اوقات میں چاہی، انہوں نے قبول کیا، لیکن حقہ کے مقدمہ میں بہت سماعت کے ساتھ اتنی بات کہلا بھیجی کہ اس کا شوق مجھ نہایت ہے، جو رعایت کہ اس کے سامان میں ہوگی وہ عینِ عنایت ہے۔ “از بسکہ یہ بادشاہِ عشرت و دوست آٹھ پہرِ نشہِ عیش میں مخمور رہتا تھا، حقہ ایک دم منہ سے نہیں چھٹتا تھا، اور یہ بھی معمول تھا کہ بعدِ ہر حلیم کے ایک شیشہ سے گلابِ حقہ تازہ

ہو دے، پھر ایک شیشہ میں بید مشک کے حقہ بردار نیچے کو بھگو مے، شغل میں عیش و نشاط کے
ازبیکہ دن کو کم سوتے تھے، سیکڑوں شیشہ گلاب خاص اور عرق بید مشک کے دن رات میں
خرچ ہوتے تھے۔ یہ سب احوال انفضل خلد مکان کو معلوم تھا۔ علاوہ اس کے بادشاہ نے اس غم
سے کھلا بھیجا۔ بارہ سولہ شیشہ گلاب کے اور آٹھ شیشہ بید مشک کے حکم فرمائے۔ سبحان اللہ!
یا تو حقہ آٹھ ہر منہ سے نہیں چھٹتا تھا، اور ان کے دو مفضل کے رشک سے دھواں حسد کا حقہ
سہر آسمان میں گھٹتا تھا، یا بیچ سے فلک حقہ باز کی آٹھ چلیں دن رات میں بیت پر تھے، اور گھونٹ
گھونٹ کر عجب بیچ و تاب کے ساتھ جیتے تھے۔ اس میں بعد کئی دن کے حضرت خلد مکان نے فرمایا کہ
سولہ شیشہ گلاب اور بید مشک کے ہر روز حقہ کے مصرف میں آئے اسرار سے، اور امور ایت
شرعی میں پاس خاطر بجا بجا، اور تکلف رسمی معاف ہے۔ آٹھ شیشہ ہر روز یہاں سے جایا کر
ایک شیشے سے بعد ہر چلم کے حقہ تازہ کر کے آٹھ چلیں دن رات میں بیٹیں، جب حضور سے ہر روز
آٹھ شیشہ آنے لگے، تو یہ دن رات میں لاچار چار چلوں سے دل بہلانے لگے۔ یہ ماجرا سن کر
خلد مکان نے منہ کے مارے چار شیشوں کی اور تخفیف کی۔ انہوں نے اپنے حقہ بردار کو دو چلوں
کی پروانگی دی۔ بعد کئی دن کے جب دو شیشے اور کم ہوئے، تو ایک چلم دن رات میں یہ پیا کرتے
تھے جس دن ان دونوں شیشوں کا بھی آنا موقوف ہو گیا، اُس دن انہوں نے عرض کیا۔ جہاں
پناہ کی دولت سے اتنا کچھ بعد خرچ کے جمع کیا ہے کہ دس چلیں روز اسی خرچ کے ساتھ ساٹھ سال
پلا سکتا ہے، اُمید ہے کہ بھیڑی خانے کے خرچ کا غلام کو حکم ہو دے کہ نہال نمک حلال کا زمین
میں سرخروئی کے دوے۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت اعلیٰ کو امور ایت شرعی کا بہ شدت دھیان ہے،
اگرچہ مسجد کا کھوڑا لٹا، خزانہ اُس کے نیچے گرا اُس کو نہایت آسان ہے، تو جو ہمارے مصرف
بجا کا کفیل ہوتا ہے ابھی ایک دم میں جمع پونجی سر پر لٹھ دھر کے روتا ہے۔ غرض اُس دن سے حقہ
نہ پیا، جہتک کہ ان کی نظر بندی میں رہے، اور اس سر اسے فانی سے عالم باقی کو تشریف لے گئے
سبحان اللہ! ہضم حقیقت میں سے اگر کوئی دیکھے تو دنیا جائے حسرت ہے، بلکہ خانہ رحمت +

کہہ رہیں خسرو و جم لطف کی قیسا: کہہ رہے جو مست جاہ ہیں کبھی جس وہ چشمِ عبرت سے	کہاں سکندر و دارا کہاں ہو کیا دوس کچھ ان کے ساتھ گیا غیر حسرت و افسوس
<p>اگرچہ ملک گیری اور کشور ستانی کے معاملہ کو سمجھنا شاہانِ عالی تبار پر ختم ہوا ہے، گدا نے گوشِ نشین کو دخل ان امورات میں کیا ہے، لیکن بعضے دانشمند کہتے ہیں کہ خلد مکان نے استیصالِ بادشاہانِ دکن کا جو اس محنت سے کیا، اور مکہ مسجد کو کھدوا کے وہ کچھ منظرہ اپنی گردن پر لیا، خدا جانے اس حرکت کا کیا مفاد ہے تحصیلِ حاصل سے بھی اس میں کچھ کیفیت زیادہ ہے۔ کس واسطے کہ پیش از تیغ دکن کے بھی خراج و باج اس طرف سے چلا آتا تھا، اور بادشاہانِ ہندوستان کا شنشہ کہتا تھا۔ آل اس شقت کا احوال نظر آیا، کہ اس حسنِ تردو نے شاہنشاہ کو بادشاہ کر دکھایا۔</p>	
واقعہ رموز ملک سے ہیں شاہ و شہریار ہے تو گدا نے گوشِ نشین لطف کچھ نہ بول	
<p>غرض شاہ عالیجاہ ابو الحسن تانا شاہ کی طرف لوگ اس مطلع کو منسوب کرتے ہیں، اور باعتبارِ معاوۃ دکن کے، اور بندشِ قدیم کے، کہ اس مطلع میں ہے، ابراہیم خاں مرحوم بھی گفتگو پر لوگوں کی گوشِ دل کو دھرتے ہیں۔ مطلع یہ ہے۔</p>	
کس مکہ کوں، جاؤں کہاں، مجھ دلق بھل بھرا اک بات کے ہونگے سخن، یہاں جی ہی بارہ بات	
<h2 style="text-align: center;">۲۔ تاناں</h2> <p>تاناں تخلص، میر عبدالحی نام، شاہ جان آبادی۔ نہایت عزیز و بصورت اور صاحبِ جمال تھا، ایسا کہ دلی سے شہر میں بے مثال تھا۔ ہندو مسلمان ہر گلی کوچہ میں ایک نگاہ پر اس کی لاکھ جان سے دین و دل نذر کرتے تھے، اور پرے کے پرے عاشقانِ جانناز کے یاد میں اس لعلِ انجش</p>	
<p>۱۷ کہ مسجدِ رآباد میں اب تک موجود ہے۔ اس کا کھدوانا خلافتِ واقعہ ہے ۱۲</p>	
<p>۱۸ مصنف نے حافظہ کے اس شعر کا ترجمہ کیا ہے ۵</p>	
رموزِ مملکتِ خویشِ خداں دانند	اگر اے گوشِ نشین تو حافظہ مفروض

سید خادم کے مرتے تھے۔ تکلف یہ ہے کہ اس رعنائی اور دل ربانی پر خود بدولت بھی دل کو کھینچو تھے، اور ہنستے ہنستے بے اختیار صبر اور اختیار کو رو بیٹھے تھے۔ اس بے دردی اور شیریں ادائی پر مانند فرہاد کے چاشنی دروسے آگاہ، اس سرود مہری اور لیلیٰ صفتی پر مانند مجنون کے ہمیشہ سرگرم نالہ و آہ تھے، یعنی ایک سلیمان نام لڑکے کو چاہتے تھے، اور اُس کے در و محبت سے، باوجود وصل کے، آٹھ پہر کراہتے تھے۔ وہی سلیمان، کہ بالفعل شاہ سلیمان کر کے معروف تھا، اور ادا کرنے میں راہ و رسم درویشی کے بہ شدت مصروف، اس موثر ضعیف نے عالم پیری اُس کا ہر حال بارہ سو ایک بھری تھے، کہ بلکہ لکھنؤ میں دیکھا۔ اگرچہ ریش سفید اور قد خیدہ رکھتا تھا، لیکن اُس کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے کسی وقت میں بڑے بڑے گردن کش، سوئی کے نام کے سے کھالے ہوں گے۔

غرض میر عبدالحی تاباں۔ تخلص میرزا جان جاناں نظر سے اور میرزا رفیع سودا سے ہمیشہ صحبت رکھتے تھے، بلکہ میرزا رفیع سودا بنابر الکہنظہ ہر کبہ ملک احمد کے حلقہ رقی، یا لکھ اشعار کو اراہ کے اصلاح کرتے تھے۔ عین شباب کے عالم اور جو بن کے عروج میں، کہ زمان فرمان فرما محمد شاہ فروس آرام گاہ کا تھا، اس ماہ تاباں جس نے جامعہ زندگی کو مانند کتان کے چاکا یہ منتخب ان کے دیوان کا ہے۔

آخر خنداں نے کچھ نہ کھاڑا ہمارا	سر سبز خط سے دونا ہوا حسن یا کرا
شاید گڑا ہے جسم کسی بے قرار کا	اکثر جو اس زمین کو ہوتا ہے زلزلہ
ہے وصل سے زیادہ مزا انتظار کا	کس کس طرح سول میں گزرتی ہیں حسرتیں
ماہ تاباں وہ خاک بھی جلتا ہی رہیگا	انگڑ کو چھپا رکھیں، میں دیکھ کے سمجھا
کہ دل دے تھے پھر پشیمان نہ ہوگا	کوئی دوسرا مجھ سا ماہ تاباں نہ ہوگا
تری بلا سے، مہر بھی پہ چوہا سو ہوا	جنا سے اپنی پشیمان نہ ہو، ہوا سو ہوا
وہ ایک دم ہی ترے روبرو ہوا سو ہوا	نہ پانی خاک بھی ماہ تاباں کی ہم نے پھر ظالم

دلیا ہے جی میں اپنا دیکھ کر جھکے جا رہی	دلہ	اُسی کالے کے دامن کج بو یارو گفن میرا
لیا تھا دوستی سے جن نے دل ہٹا	دلہ	وہ اب دشمن ہوا ہے میرے جی کا
مجھ ترسا کے اس کا فہرے مارا	دلہ	نتیجہ کیا یہی تھا عاشقی کا
ہونٹوں پر یہ ظالم مستی کی یہ دھڑکی	دلہ	یا اُن کے تئیں کسی نے لٹل کیا ہنسی
اکیلا صنم باغ میں کل گیا تھا	دلہ	اسے دیکھ کانٹوں پہ گل لٹا تھا
لیا چاہ سے کھینچ یوسف کو اپنے	دلہ	ترا عشق تا باں قیامت رسا تھا
فغاں نے مرا منہ پھر اُکھٹایا	دلہ	ابھی روئے روئے ہی چپکارا تھا
مری لہج تربت پہ یارو کھڈانا	دلہ	نہ اس سنگ دل سے کوئی جی لگانا
ترے غم سے بنیاں ہے یاں تک بھجکر	دلہ	ادھر بات کہنا ادھر بھول جانا
گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کھنے	دلہ	کہ کچھ حال نہیں ہونیکا ساری عمر بیٹھا
صبا میرا پیغام اُن تک تو لے جا	دلہ	کہ تجھ بن رہیں ہم، کہاں یہ کیلجا!
کسی بات کا میں نہ مشکوہ کروں گا	دلہ	ترے جی میں آوے سوچے کو کھے جا
ایسے کے تئیں کوئی سر پر بھی چڑھاتا ہے؟	دلہ	کھینچے ہے تری زلفیں، کیا شفی ہے یہ شانہ
مہتا رہے ہجر میں رہتا ہے غم کو میاں صفا	دلہ	خدا جانے جنیں گے یا مرینگے ہم میاں صفا
مراں ہو تو ہر گز خط نہ آنے دول ترے لیکن	دلہ	لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہو کیا قدرت

غیر کے ہاتھ میں اُس شمع کا دامن ہے تاج	دل	میں ہوں اور ہاتھ ہی اومیرا گریبان ہو تاج	دل
لے میری خبر چشم مرے یار کی کیوں کر	دل	بیچار عیسا دت کرے بیمار کی کیوں کر	دل
کہتے ہیں اثر ہیگا گریہ میں ہیں یہ باتیں	دل	اک دن بھی نہ یار آیا روتے ہی کشیں تیں	دل
سن فصل گل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں	دل	کیا بلبلوں نے دیکھو دھو میں چائیاں ہیں	دل
بیارہے زمیں سے اُٹھتی نہیں عصا ہن	دل	نرگس کو تم نے شاید آنکھیں دکھائیاں ہیں	دل
قسمت میں کیا ہو دیکھیں جیتے رہیں کہ مر جائیں	دل	قاتل سے اب تو ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں	دل
آشنا تو مجھ سے ایسا ہے کہ جیسا چاہئے	دل	پر جو کچھ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں	دل
شب کو پھرے و در شک ماہ خانہ بجانہ کو بکو	دل	دن کو پھر دن میں داد خواہ خانہ بجانہ کو بکو	دل
گئے نالہ ترے برباد جوں بانگ برس چپہ	دل	اثر دیکھا تری فساد میں لہم نے بس چپہ	دل
سلیمان کیا ہوا اگر تو نظر آتا نہیں مجھ کو	دل	مری آنکھوں کی پتلی میں تری تصویر پھرتی ہے	دل
بتاں کے شہر ناپڑساں میں کب کوئی داؤ کو پہنچے	دل	مگر یہاں اپنے بندوں کی خدایاؤ کو پہنچے	دل
تو بھلی بات سے بھی میری خفا ہوتا ہے	دل	کیا بھلا چاہنا لسا ہی بڑا ہوتا ہے	دل
یتری ابرو سے مراد دل نہ چھٹے گا ہرگز	دل	گوشت ناخن سے کہوں کوئی جُدا ہوتا ہے	دل
ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے	دل	تجھے بے مروت مروت کہاں ہے	دل
میں شکوہ کروں جو رظام سے لیکن	دل	مجھے آہ و نالہ سے فرصت کہاں ہے	دل
بیاں کیا کروں نا توانی میں اپنی	دل	مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے	دل
جو اُس کی کمز میں نے دیکھی ہو تاباں	دل	رگ گل میں ایسی نزاکت کہاں ہے	دل
جو کرتا ہوں فریادیں اُس کے آگے	دل	تو کہتا ہے تاباں تو جاتا نہیں ہے	دل
ابھی پست ہو جا گا لاقول کے مارے	دل	ترا شور کچھ مجھ کو بھاتا نہیں ہے	دل

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی	راہی	یخو ز ہو پکار تا ہوں ساقی ساقی
ہے مجھ کو خارش بکالا، صبح ہوئی	غش	شیشے میں جو کچھ کرے ہو باقی ساقی
بیاں میں کیا کروں دیوانگی کا اپنی افسانہ	ارے	نہ میرا گھر میں جی لگتا نہیں بھاتا ہو دیوانہ
خوش آتا ہو مجھے گلیوں میں سنگ کے دکھانا		ارے ناصح عبت ہی یہ ترا یہودہ سمجھانا
پر ریز ہو جو اجس کا سو ہو کیونکر نہ دیوانہ		
عبت مت بک نہیں میں ناکھنا ترانہ صبح		مری آہ و فغان کرنے سے بتلا مجھ کو کیا ناصح
میں اپنے جی ہی سے نیراہوں مت تانہ صبح		بھلا چاہے تو اپنی آبرو کو لے کے جانہ صبح
مجھے پہلج آتا ہو تری باتوں پہ چھٹلانا		
تو کیوں سیوودہ بکتا ہے نصیحت کے سخن اکثر		سنوں کیونکر تری باتیں کہ میرا حال ہو بہتر
رہوں آرام سے بے یار اے ناصح بھلا کیونکر		کہ میری زندگی اور موت ہو موقوف اس چار پر
اگر آوے تو بی جانا دگر جاوے تو مر جانا		
کبھی اتوں کہ تیں کرتا ہوں گھر میں لہ افغان		کبھی پھر تا ہوں صحرایچ میں دشت کے ہوعریاں
کبھو ہوتا ہو تا باں ساتھ میرے محنت طفلان		مرے تیں اس طرح سو دیکھ کر خراب و مگر دل
کوئی کہتا ہو سودا کی کوئی کہتا ہو دیوانا		

باب الحمیم

۱۔ جہاندار

جہاندار تخلص، میرزا جلال بخت جہاندار شاہ نام، خورشید آسمان بلند اختر می اور سرفروزی کا
ولی عہد شاہ عالم بادشاہ غازی کا، رونق دینے والا بارگاہ جہاندار می اور جہان بانی کو، زینت بخشے
والا مسند ملک گیری اور کشور ستانی کو، ہر خط جبین جہاں افروز کا اُس کے واسطے روشن کرنے عالم
کے، مانند خطوط شعاعی آفتاب کے، دور کرنے والا تاریکی فداکت کا تھا، اور دوست و ریا فوال سکا

افراط جو دو کرم سے مانند یہ بیہنا کے روشن کرنے والا خوش ناموسی امارت اور ایالت کا بخشش نے اُس کی، دشمنی آسمان کے دل سے فلک زردوں کی نکالی، اور بہت نے اُس کی گرہ بدطالعی کی پیشانی سے پنجوں کی کھول ڈالی جس ایام میں کرنا موافقت سے امرام دولت کی۔ نشان کیوں شان اس فلک ہناب کے دار الخلافہ دلی سے بیچ حرکت کے آئے، تو حوالہ کیا رہ سواٹھاؤںے ہجری تھے، کہ خود بدولت و اقبال لکھنؤ میں تشریف لائے۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے، جو مزا آداب و خدمت گذاری کے تھے، سب ادا کئے، غاصی میں بیٹھنے کے سواے گھڑیوں ہاتھ باندھے سامنے کھڑے رہے۔ باوصف اس ناز پروری کے کہ کبھی پیادہ چار قدم کا ہے کھلے تھے۔ پانچوں ہتھیار باندھے ہوئے ایک لالچی اور گھوری کی بخشش پر دس دس مرتبہ حجرہ گاہ پر سے جا کر آد باج لائے تھے۔ غرض اس شہزادہ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی، کہ عینے میں دہتر بنامشاعرے کی اپنے دولت خانہ میں ٹھہرائی تھی۔ شعرائے باوقار کو اپنے جو بداریجے کر مشاعرے کے دن بلواتے، اور ہر ایک شخص سے نہایت الطاف اور عنایت کے ساتھ گرم جوشی فرماتے۔ چنانچہ راقم حقیر کو جب یاد فرمایا، تو اس بیچہ ان نے یہ عذر کہ بھوایا کہ ”کمترین نے مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، از بسکہ ان صحبتوں میں مناظرہ ہی کیا ران عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے، اگر ارشاد ہو تو سوسے مشاعرے کے ایک دن بندگی میں حاضر ہوں، اور اس تخم ناکاشنی میغز کو موافق ارشاد کے زمین عرض میں بوڑوں۔“ پذیرا نہ ہوا، پھر چوہدار آیا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ ”میرا تھا ہونا مشاعرے میں نہایت ضرور ہے، مناظرے کا مطلق ہمارے ہاں نہیں دستور ہے۔“ غرض ایما سے نواب آصف الدولہ مرحوم کے حاضر ہوا، اور شرف سعادت ملازمت کا حاصل کیا۔ مگر غرض اُس دن اندر اہ تفصیلات کے پڑھوائیں، اور ہر شعر پر کیا کہوں کہ کیا کیا عنایتیں فرمائیں۔ چلنی طبع زاد سے بہت کچھ ارشاد فرمایا، اور سامعین کو مورد عنایت و امداد فرمایا۔ سلسلہ بارہ سو ایک ہجری میں بلدۂ بنارس کے اندر اس سریر آراے بارگاہ شوکت و اجلال نے تخت نشینی ملک نشانی کی چھوڑ کر اورنگ آرائی کشور بقا کی اختیار کی۔ یہ اشعار منتخب اس سلطان عالی تبار کے ہیں۔

	<p>اسی ہی آرزوئیں مر چلے ہم بسانِ شمعِ رد و کر چلے ہم ترے در سے معِ لشکر چلے ہم کہ اس گلشن میں کرا تر چلے ہم خدا حافظ تمہارا گھر چلے ہم</p>	<p>نہ چھو دہر میں کیا کر چلے ہم رہے اک شب جو اس ماتم کہ دیں اکیلے تھے ہم اب اک فوجی غم ہو نہ تھے جوں گل کبھی اوراقِ دل حج رہے در پر تباں کے تم جہاندار</p>	
	<p>یہ دیکھ آئینہ سال چشم انتظار ہوں میں یہ کس کی زکسِ فتان سو دو چار ہوں میں مثالِ ابر بہاری کے اشکبار ہوں میں صدف سے چشم کی تپے گزشتار ہوں میں بسانِ ماہِ جہاندار آشکار ہوں میں رکھتا ہے ایک ایک عجب ہی بہارِ دلِ غ جوں لالہ دل پہ کھلتے ہیں سگیندارِ دلِ غ چاہوں جو بھڑے، کر نہیں سکتا قرارِ دلِ غ</p>	<p>جدا ہو تجھ سے صنم سخت بیقرار ہوں میں بسا ہے میرا سراپا جو عطرِ فت نہ سے نہ جو رہے فلکِ جید گرسے گھبرا کر نظر پڑا ہے وہ آویزہ گھرِ جب سے ہے آفتاب کا سر پہ مرے جو پرتو مر میں بسکہ جزو تن مرے طاؤسِ اسواغ رعنائی تیری دیکھ کے اوسرِ دباغِ حُسن آتشِ پیسے دل کی جہاندار جوں سپند</p>	

۲۔ جرأت

جرأت تخلص، پہلی امان قلندرجش نام، بیٹا حافظ امان کا۔ شاعر شیریں کلام ہے۔ ظاہر لفظ امان کا ان کے بزرگوں کے نام پر بطور خطاب کے زمانِ اکبری سے چلا آتا ہے، اور جرأت مذکور رشید شاگردوں میں میرزا جعفر علی حسرت تخلص کے گنا جاتا ہے۔ علمِ مسیحتی میں مشغول بھلا چنگا رکھتا ہے اور ستار کے بجانے میں نہایت دست رس رکھتا ہے۔ نجوم میں بھی اس شخص کو دخل تمام ہے، ایسا کہ ایک عالم لکھنؤ کا اس کا منتظر احکام ہے۔ تمام عمر عزیز کی بیکاری میں بسر ہوئی ہے، اور بے روزگاری میں کٹی ہے۔ ابتدا میں نواب محبت خاں محبت تخلص اعانت اخراجات فخری

کی کرتے تھے، بالفصل، کہ سال بارہ سو پندرہ ہجری ہیں، صاحب عالم دہلیاں میرزا سیلانی کی سرکار سے کچھ امداد ہوتی ہے۔ اگرچہ بصارت چشم سے یہ عزیز معذور ہے، پر ملاقاتوں کو دوستوں کی چھرتا دور دور سے گو کہ آنکھوں سے کچھ نہیں سو جھتا ہے، لیکن مضمون رنگیں سو جھتا ہے، زبان ریختہ میں صاحب دیوان عظیم الشان - یہ اُس کا منتخب دیوان ہے +

چین اس دل کو نہ اک آن ترے بن آیا	دلہ	دن گیا رات ہوئی، رات گئی دن آیا
دن بدن تحلیل و تجرأت ہوا جاتا ہے کیوں؟	دلہ	آہ! یہ بیٹھے بٹھائے تجھ کو کس کا غم لگا
دل کو اسے عشق سوئے زلف سیہ نام بھیج	دلہ	رہزنوں میں تو مسافر کو سہ شام نہ بھیج
روشن ہے اس طح دل دیراں کا دماغ، ایک	دلہ	اُجڑے نگر میں جیسے جلد ہے چراغ ایک
میرے ہونے سے تو کچھ گرمی باز نہیں	دلہ	ہوں میں وہ شے کہ کوئی جس کا خبر دینا نہیں
دل تو اُٹے ہے پہ حیرت سے میں کیونکر رو		ابر تصویر کو گرہ سے سرو کار نہیں
در در کیا جانئے کیا کیا یہ بیاں کرتا یار		دہن زخم کو گویا لب گفتار نہیں
تیرے بیمار سا بیمار نہ ہو گا کوئی		جس کو ظاہر میں جو دیکھو تو کچھ آزار نہیں
جس کے غم میں آہ ہم آرام سے واقف نہیں	دلہ	کیا غضب ہے وہ ہمارے نام سے واقف نہیں
رو کے میں پوچھا کہ نقصہ جانتے ہو تم مرا		ہنس کے بولائیں کسی کے کام سے واقف نہیں
کیا قتل دو عالم تو نے جنبش سے اک ابرو کی	دلہ	اگر یہ جھوٹ ہو تو تیغ پر ہم ہاتھ دھرتے ہیں
برنگ طائر تصویر ہیں ہم باغ حیرت میں		کب اپنے آستیاں سے صحن گلشن میں اترتے ہیں
نالہ و آہ و فغاں بھی مراد ہم بھرتے ہیں	دلہ	آپ کا جان کے سب مجھ پہ کرم کرتے ہیں
اے ستم ایجاد کب تک یہ ستم دیکھا کریں	دلہ	تو کہے غیروں سے باتیں اور ہم دیکھا کریں
کچھ تو نکلے آرزو دشنام دے تلواریں		چشم حسرت کے کہاں تک دم بدوم دیکھا کریں
کہتے ہیں آپس میں ہمایہ مری فریاد سے		مصلحت یہ ہے کہ اس کے پاس سے گھر ٹھوڑے
کیا کیا میں نے گناہ جو اپنے لوگوں سے یہ تم		کہتے ہو جا کر اُسے بستی کے باہر چھوڑ دو

دل	آنے کی خبر ہے اُس کے لیکن	دل	آتا نہیں اعتبار دل کو
دل	اُسکے آنے میں اب جو دیر ہے کچھ	دل	یہ بھی قسمت کا ہیہ پھر ہے گویا
	جب نہ تب خوں مرا ہی پیتا ہے		غم بہت اس کا مجھ پر شے کچھ
	تھایہ جراث ہی اُس کو کھچیں		وہ جو اک خاک کا سا ڈھیر ہے کچھ
دل	جاتے ہیں اُس کو دوسرے پہ جانا محال ہے	دل	جس جا قدم پڑے ہے اٹھانا محال ہے
	رونے میں اور آتشِ آفت بھڑک اٹھی		اب اس لگی کا دل سے بچھانا محال ہے
	کیا قہر ہے کہ بزم میں اُس شیخ کی مجھے		سب کہتے ہیں کہ تجھ کو بٹھانا محال ہے
	جا بیٹھتے تھے درپہ جو اُس کے وہ دن		اُودھر کو اب تو آنکھ اٹھانا محال ہے
دل	کس کی سنوں بات میں اسے ہر باں	دل	دھیان تو رہتا ہے تہا را مجھے
دل	غم بہت دنیا میں ہے پر عشق کا غم اور ہے	دل	ہے اسی عالم میں لیکن اُس کا عالم اور ہے
دل	گر کسی ڈھب سے کوئی مجھ کو ہنسا دیتا ہے	دل	غمِ فقرت وہیں کچھ یاد دلاتا ہے
	شب کو ہلک خواب آتا ہے تو تک اُس کا خیال		آنکھ لگنے نہیں پاتی کہ جگا دیتا ہے
	لحنت دل کی مرے یہ اشک روان میں بہا		برگ گل جوں کوئی دریا میں بہا دیتا ہے
	گھر سے وہ جاوے جاں میں بھی نہیں میں موجود		نہیں معلوم مجھے کون بتا دیتا ہے
دل	سخت بچھ بن قلقل اس دل کا ستا ہے مجھے	دل	کہ بٹھاتا ہے یہ اور گاہ اٹھاتا ہے مجھے
دل	دل بھڑکے ہے ٹک مصحف و جان دکھاوے	دل	سرگرم ہے آتش اسے قرآن دکھاوے
دل	رہنے کی جاہاں میں ہم خوب پاگئے	دل	جوں درد اہل درد کے دل میں سما گئے
	ہم گلشنِ جاں میں جوں آتشیں نار		اک دم کی زندگی کا تماشا دکھا گئے
دل	جوش گل چاک قفس سے دمدم دیکھا کئے	دل	سبے یاں لوٹیں بہا میں اور ہم دیکھا کئے
دل	شب بزمِ یار میں ہم بیٹھے تو تھے پُر اُس کی	دل	چتون سے تھایہ ظاہر یہ شخص یہاں سے نکلے
۱۵ جب گھر میں آگ لگتی ہے تو قرآن دکھاتے ہیں کہ اس کی برکت سے بجھ جائے ۱۶			

دل	سواندیشہ تھاروز بہر کا اُس دن کو روتے تھے
دل	کچھ ہم تو نہ بگھے کہ شب وصل کدھر تھی
دل	ترے بن بستر اندوہ پر کچھ یادیں کر کے

۳۔ جوش

جوشش تخلص، شیخ محمد روشن نام، وطن ان کا عظیم آباد ہے، خوش لیاقتی ان کی جو کچھ کہنے اُس سے زیادہ ہے طبیعت ان کی نظم ریختہ میں نہایت رسا ہے، اور معنی بیگانہ سے بہ شدت آشنا ہے۔ چاشنی درد کی کلام سے ان کے ظاہر، اور علم عروض سے یہ بخوبی باہر ہیں۔ شیوہ اختیار انہوں نے میر درد کا کیا ہے، اور اس طور کو بہت خوبی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ علیٰ ابراہیم خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے کہ جس ایام میں یہ تذکرہ لکھتا ہوں، توشیح مذکور نے اشعار اپنے مجھ کو بنارس بھجوائے، تاکہ نام اُس کا اس تذکرہ میں لکھا جائے۔ نہایت پسند آیا مجھ کو اسلوب ان کے بیان کا، چنانچہ اس طرح لکھا گیا انتخاب ان کے دیوان کا ۴

دل	کس طرح سے اوصاف ہو خلاق ہما نکا
دل	عاشق کو ہے کب جلوہ معشوق کی طاقت
دل	اس گلشن ہستی سے نخل راہ عدم لے
دل	عقلا کی طرح گو کہ نشان وہ نہیں رکھتا
دل	اس دل کو دکھاتا ہوں میں باز محبت
دل	ہم شرم کیوں کیوں میں اسے شعلہ زار کا
دل	سرکار بے خودی کا یہ مختار کار ہے
دل	پیتا ہے گر تو بادہ عشرت سمجھ دے
دل	بزم میں یک شب بھی زیاں نہ دل گلگیر کا

قدرت نہ قلم کی ہے نہ مقدور زبان کا
ہمتاب کو دیکھے نہیں مقدور کتاں کا
نیز نگ نظر آدے بنے کچھ رنگ ہاں کا
لمتا ہے پتا نام ہی سے اسکے نشان کا
خطرہ نہیں جوش مجھے کچھ سود و نیاں کا
عالم ہے کچھ جدا ہی دل دا غدار کا
کیا اختیار ہے دل بے اختیار کا
جوشش بڑا ہے درد مرلے کے خمار کا
فاہدہ اسے شمع اشک واہ بے تاثیر کا

دیکھ کر رنگ منم تیرے جنا کاری کا چشم پڑا ہے لب خشک دماغ آشفته مسکراتا ہے مجھے دیکھ قیہوں کے ہنسنے جی سیر میں گلزار کی اتن کنج قفس میں گر کوئی کاٹ بھی لے تر سے دیوانے کا کیوں مضطر ہوں اُسے دیکھ کے دیکھو سہی ہاتھ اٹھا تہی نہیں یا رجو بلجھانے سے سر اس کی تیغ سے جب تک جہان ہوگا کل اُن نے بیٹھ کے غیر دلی کی نگہ خیم دل وجہ پر ہی آفت نہیں نقط جوشش	دولہ	جو ہر ذاتی ہے یہ جو ہر تری شمشیر کا کوہکن ہو تو نہ دم مارے وفاداری کا زور عالم ہے غرض دل کی گرفتاری کا یاد ہے اس کو عجب طور دل آزاری کا یہ صید گر قرار ادھر کا نہ ادھر کا پر یہ سودا تو کھوسے نہیں جانے کا شمع کے سانسے کیا حال ہے پڑنے کا دل تری زلف میں الجھا ہے مگر شائے کا کسی طرح سے حق اس کا ادا نہ ہوگا یہ تیر کس کے جگر میں لگانا ہوگا جو ہے یہی ترادونا تو کیا نہ ہو دے گا	دولہ	غیروں پر تو ستم کرے گا ہم سہی وہ ہو گا سادگی میں جوشش ست رو دل وجہ کو دیکھ کر حُسن گلزاروں کا دیکھیں گراس کی چشم پرفتن کو اُس کی آنکھوں کو دیکھیں جوشش ہو چشم جباب وار دیکھا جوں شیشہ ساعت اس جہل میں ہم مر ہی گئے یہ تو نہ آیا اس ادا کا تری ہوں دیوانا	دولہ	ہم پر جو کبھی کرم کرے گا بادر جو تری قسم کرے گا کس کا کس کا تو غم کرے گا خانہ ویران ہوا ہزاروں کا ہوش اڑھائے ہوشیاروں کا منہ تو دیکھو شراب خواروں کا ہستی کو نہ پاؤں دیکھا دو دل کو نہ بے غبار دیکھا بس ہم نے ترا تہر دیکھا دیکھنا مجھ کو اور چھپ جانا	دولہ
---	------	---	------	---	------	---	------

<p>آج ہے جاں بلب ترا جوش یاں مدعی اپنا کسے اے یار نہ دیکھا سوتوں کو جگایا مرے نالے نے عدم کل بزم میں سب پر نگہ لطف کرم تھی جز خورشید تباہ میکہ وہ میں جوش کہتا ہے ایک عالم انصاف کر ہمارا اوروں کی عیب جوئی اپنا ہر نہیں گر گشتہ امن جل میں جن گرد باہر ہم اپنا تو کچھ گستاہ نہ آیا لہو میں جہاں میں بادۂ عشرت پایا نہ پایا نگاہ لطف سے دیکھا یہی غنیمت ہے جب عشق میرا شہرہ آفاق ہو گیا کس سو ہوئی ہر دوستی ایسی کرانہ</p>	<p>جی میں آدے ترے تو آجانا ہے کوئی جسے تیرا طلب گار نہ دیکھا پر طالع خواب سیدہ کو بیدار نہ دیکھا اک میری طرف تو نے ستم گار نہ دیکھا ہم نے تو کسی مست کو ہمارا نہ دیکھا سننا نہیں کسی کی بیداد گر ہمارا اپنی ہی عیب جوئی ہے میں ہر ہمارا تھک کر جہاں کہ رہے وہ ہی گھر ہمارا کیا بات ہو گئی کہ وہ بیزار ہو گیا سلاو بخت نے ہم سے کیا کیا دیکھا سلام اُن نے ہمارا لیا لیا نہ لیا اک عالم اُسکے صن کا مشتاق ہو گیا آنا ہمارا دل پہ زے شاق ہو گیا</p>
<p>ہو ایک رواں کی طرح جس جاگہ گزرا اپنا لگا دی دل میں آگ آہ نہواں کیا کیا تو شب فرقت ہر بیتابی دل ہو درد پہلو میں تعلقات جہاں سے خیر نہیں رکھتا خفا ہوں جان سے دل کھول میں نہا ہوں</p>	<p>بجز آواز کے کوئی نہ تھا واں ہم سفر اپنا جلا دیتا ہے اپنے ہاتھ سے بھی کوئی گھر اپنا نظر آتا نہیں ہم کو تو بچنا تا حسرت اپنا ہزار شکر کہ میں نہ سو نہیں رکھتا تری گلی میں کسی کا میں ڈنہیں رکھتا</p>
<p>تجہ سے ظالم کو اپنا یا رکھا</p>	<p>ہم نے کیا جب اختیار کیا</p>
<p>اٹھ اے طیب جا بھجے آرام ہو چکا اب بھی کہیں اٹھا دیکھا چہرے سے زلف کو</p>	<p>مرتا ہوں کوئی دم کو مرا کام ہو چکا معمور تو شمار سے یہ دام ہو چکا</p>

لینا تھا اُس کو دل سولیا اُن نے نامہ بر	دل	اب میرے اُسکے نامہ و پیغام ہو چکا	دل
تہا یہ عشق میں نہ دلِ نا تو اں جہلا	دل	مانند نخل شمع ہر اک اُستخاں جلا	دل
نہ دل رہا نہ چشمِ رہی نہ جگر رہا	دل	اے اشک تیرے براہے کیا کیا مکاں	دل
وہ کیا ہوا زمانہ رونے میں جواثر تھا	دل	یہ چشمِ خوں نشاں تھی یہ دلِ ہی جگر تھا	دل
غش آگیا وہ سامنے میرے جہاں ہوا	دل	مجھ کو وصال یا رمیتر کہاں ہوا	دل
بے طاقت اس قدر یہ دلِ نا تو اں ہوا	دل	حرفِ تو اں بھی اُس کی زباں پر گراں ہوا	دل
سر پر کھڑا ہے کھینچے ہوئے تیغِ کمکشاں	دل	جلاؤ میری جان کا یہ آساں ہوا	دل
ہزار پیار کرے گا ہزار چاہے گا	دل	مری طسج نہ کوئی تجھ کو یا چاہے گا	دل
کوئی اس غم کہہ میں اپنی غنوار سی نہیں کرتا	دل	دیا ہے ایک کو دل بھی دلداری نہیں کرتا	دل
جو ترے سامنے آئے ہیں سو کم ٹھہر نہیں	دل	یہ ہمارا ہی کلیجہ ہے کہ ہم ٹھہرے ہیں	دل
ایک عالم کی جاں خراش ہو یہ	دل	آہ ہے یا قلم تراش ہے یہ	دل
روئے تا ہو سب زکشتِ امید	دل	اب تردد ہے یہ تلاش ہے یہ	دل
دیدہ ترکہ دوست رکھ جو شش	دل	بہت تھکے گلابِ پاش ہے یہ	دل
اپنی وہ بے ثبات ہستی ہے	دل	کہ سدا نبستی کو ہستی ہے	دل
نام سُنتے ہو جس کا ویرانہ	دل	وہی سودا یوں کی سستی ہے	دل
جی میں جس وقت کہ مضمون کہتا ہے	دل	بسکہ نازک ہے مجھے باندھتے ڈراتا ہے	دل
چشمِ تر آہ بہ لبِ خستہ جگر ہوں جوش	دل	بے طح حال مرا مجھ کو نظر آتا ہے	دل
شبنم کی طرح سامنے اُس آفتاب کے	دل	ہونے کو تو ہوئے تھو دیکھن نہ ہو سکے	دل
کچھ کام نہیں ہیں وفا سے	ربا	تو ہاتھ نہ کھینچو جفا سے	دل
کل سبے گلے گلے ملے تم	دل	تھے ہم بھی تو صورتِ آشنا سے	دل
چشم سے غافل نہ ہوا چاہئے	دل	اس کے مقابل نہ ہوا چاہئے	دل

دل کا مضر جان کا نقصان ہے	دل	اب کہیں مائل نہ ہوا چاہئے
فرادیہ بے فائدہ غار شکنی ہے	دل	گھر کیجئے کس دل میں ہی کو کہنی ہو
نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی مراد دوست ہے	دل	ایک یہ دل جو غرض دوست سے یا دوست سے
ایک دن کا ماجرہ میں اٹھا تھا سایہ کو	دل	دیکھتا کیا ہوں یہ جھگڑا برسر بازار ہے
برہمن کتا بہت خائیں ہو ذات	دل	شیخ کتا ہو غلط کعبہ ہی میں دیا رہے
اس میں جوش بول اٹھا سنتی شیخ بہن	دل	جاے دو اپنی طرف دیکھو یہ کیا نکرار ہے
ملک نہیں کر دیکھئے روئے شکستگی	دل	جب تک بزرگ غنچہ گریبان نہ چھڑائیو
جاہ و حشم کی خواہش دولت کی آرزو ہی	دل	دودن کی زندگانی تس پر یہ جستجو ہے
صورت پرست ہوں میں مانند آئینہ کے	دل	جو کچھ ہے میرے دل میں سو میرے دروہ ہے
کہتا ہوں درد دل تو وہ کہتا ہو کیا مجھے	دل	چپ رہئے بس زیادہ نہ باتیں بنائیے
لاکھوں ہی کئے قتل گنہگار بھی سے	دل	رہتی ہے مڑی اک تری تلوار بھی سے
کوئی سوائے شانہ و مال چھوٹتا نہیں	دل	دیکھو تو کوئے زلف میں کیا بند و بست ہے
کشور عشق میں رسوا سر بازار ہوئے	دل	اُس کے ہاتھ آپ بکے جس کے خریدار ہوئے
میں آنہ سکوں اور صبا جا کے رہی ہے	دل	کوچہ میں ترے یار عجب باوہی ہے
جی چاہے تو ملنے جو نہ چاہے نہ ملے	دل	دل میں تو ہمارے نی ہی ہو نہ وہی ہے
جوش تو یہاں تک ہو ارسوئے خلائی	دل	جو دیکھے ہے کہتا ہے یہ دیوانہ وہی ہے
دل میں بھری ہو آگ اور آنکھوں میں آب ہے	دل	مانند شمع حال ہمارا خراب ہے
دیکھا ہے جب زلف کو شانے کو ہاتھ میں	دل	جوش ہمارے دل کو عجیب بیچ و تاب ہے
اے عشق مجھے خوار کیا کیا کیا تو نے	دل	رسوا سر بازار کیا کیا کیا تو نے
جس طرح دل کا داغ جلتا ہے	دل	اُس طرح کب چراغ جلتا ہے
اس رخ صاف کے آگے جو کبھی آتا ہے	دل	آئینہ اپنا ہی منہ دیکھنے لگ جاتا ہے

دل	ہوے صحرانیش تشریف لاءے جس کا جی چاہا	دل	درد و درباں نہیں رکھتے ہیں آدے جس کا جی چکا
دل	گرہ میں غنوں نے تانے کے نانے باندھ لئے	دل	چمن میں کھل جو گئی زلف مشک بقیہ سی
دل	مزا تو بہتر ہے جو مر جائیے	دل	جی سے کسی کے نہ اتر جائیے
دل	سوئے حرم یا طرف بت کردہ	دل	الغرض اے شیخ جو مر جائیے
دل	نت نئے عذریں نہ آنے کے	دل	ہم دیوانے ہیں اس بہانے کے
دل	قطرے سے کہ آنسو کے ہیں اک لخت شر سے	دل	کیا آگ بستی ہے مرے دیدہ تر سے
دل	آشنا جب سے ہوئے اس بت ہر جانی سے	دل	درد و درخاک بھر چکے ہیں سودائی سے
دل	گر جان دے کوئی پر نہ اس کے ہونگے	دل	جی شوق سے لیں گے اس کا بس کے ہونگے
دل	جوشش نہ کہ ان بتوں سے ہرگز امید	دل	یہ کس کے ہوئے ہیں اور کس کے ہونگے

باب الحاء

۱۔ حاتم

حاتم تخلص، شاہ جہان آبادی مشہور ریختہ گو یوں میں سے دلی کے تھا۔ ہم عصر شاہ نجم الدین
آبرو اور میرزا فیض سودا کا، شاعر خوش بیان تھا۔ صاحب دودیان تھا، ایک یوان میں نہایت خج بہام کیا ہے
اور دوسرے بطور متاخرین کے سر انجام کیا ہے۔ جامع ہے طور متاخرین اور طرز بہام کا۔

دل	جھاڑ بھاڑ اور بوٹا بوٹا دشمن جاں ہو گیا	دل	گلشن اس گل بن مری نظروں میں دیراں ہو گیا
دل	درویسرا تختہ مشتق طبیب باں ہو گیا	دل	ایک نے پانی نہ اب تک نبض کی رفتار چیت
دل	جا بجا مصلوں سے ہندستان بد نشان ہو گیا	دل	اشک خوں آلودہ میسے اس قدر جاری ہیں گج
دل	بے نمک آگے ترے لکے نمک داں ہو گیا	دل	شور و ریا یک ملاحیت کا تری پہنچا ہے شور
دل	غفل مکتب تھا سو عالم بیچ تا باں ہو گیا	دل	فیض صحبت کا تری حاتم عیاں ہے ہندیں
دل	بجا ہے معدت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر	دل	سجن نے یاد کرنا نہ لکھا ادھم ہے غافل

دل	کہ کہیں سب جہاں محال ہوا	دل	جہ میں زندگی سے مرگ بھلی
دل	لیا ہے میں نے اس جگہ کو کھانا	دل	مثالِ محرم میں مارتا ہے
دل	بال باندھا میاں بنداہوں کو گیسو کا	دل	بالے پن کر مجھے سودا ہو تو کسے گیسو کا
دل	ہوں دیوانہ میں پری رو کے چونکے لوکا	دل	مجھے درکار نہیں مشک و عسبیر و صندل
دل	بہت کرتا ہے جب اڑتا ہے اسی کے کوکا	دل	زورِ چتر سے مرے دل کا کبوترِ حاکم
دل	شیریں لبوں کے جب بتی بوسے لے ہیں ہم	دل	ہر اک سخن ہوا ہے ہمارا مثالِ قنف
دل	اُدھر طبل سسکتی ہے ادھر قمری بلکتی ہے	دل	ترے رُخسارِ وقہ نے دھوم ڈال ہے گلستاں میں
دل	کہ زگس کی چمن میں دیکھ کر گردن ڈھلکتی ہے	دل	دو چار اب تجھ سے کیونکر ہوئے ہم شہمی کے دعوے
دل	یہ تو بھی دخترِ زہرِ دہ مینا سے سختی ہے	دل	پری ہم جان کر اُس کو پھیلے شیشہ خالی میں
دل	تسے جہاں میں تم نے دھوئیں بچائیاں ہیں	دل	جب تمہاری آنکھیں عالم کو بھائیاں ہیں
دل	کیا کج ادائیہاں ہیں کیا کم نگاہیاں ہیں	دل	زلفوں کا بل بتانا آنکھیں چرا کے چلنا
دل	کس سے لڑائیاں ہیں کس پر چڑھائیاں ہیں	دل	حاکم کے بن اشارے سچ کہ یہ چشم و ابرو
دل	چمن میں سن خبر آنے کی استقبال کو چلیاں	دل	تمہارے غنچے شوق میں گلشن کی سب کلیاں
دل	شیخِ زور و کے ساری راستہ تپا کھڑی چلیاں	دل	لگن میں تجھ سے تگر کے عجب مجلس میں غم گذرا

۲- حسین

حزینِ قلمس، میرِ باقر نام، متوطن شاہِ جہان آباد۔ شاگردوں میں میرزا جان جاناں نظر کے تھے۔
 دلی سے جب جدائی انہوں نے لاچار کی، تو عظیم آباد میں بود و باش اختیار کی۔ رفیق تھے نواب
 باقر ہنگ سید احمد خاں صولت جنگ کے، زندگی بسر کی ہے انہوں نے ساتھ رعایت نام و ننگ
 کے بہت فہمیدہ اور آشنائے دست، دوستیوں میں نہایت چالاک و چست۔ زبانِ ریختہ میں
 صاحبِ دیوان ہیں، خلاصہ اشعار ان کے دیوان کے لکھے گئے یہاں ہیں۔

غمنے آباؤ کیا خانہ دیراں میرا	ابر مرگاں سے ہوا سبز بیاں میرا
یہ کہ کے باغ سے رخصت ہوئی بلبل کی ریت	دل لکھا تھا یوں کہ فصل گل میں چھوڑیں آرشیاں سنا
گوارا ہو گیا دل پر ہمارے جو ریا کر	دل ہمیں رنج و الم سے ہو گئے صحبت برباد آخر
غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب	دل دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھ کو جواب دل
فضل گل آخر ہوئی، کیا دیکھ ہوں گے شاد ہم	دل کچھ کرے مبادا، اب ہوں گے نہیں آزاد ہم
رحم آتا ہے مجھے اس مشت خاک اپنی پہا	دل خوبرویوں کی ہوا میں ہو چکے برباد ہم
اس بے وفا کے ماتھے سے کچھ مجھ کو خشن نہیں	دل پاؤں تلک بھی ہاٹے مجھے دست رس نہیں
دیراں ہو آخر اں سے چن یاں تلک کہ اب	دل چاہیں کہ اہل میں، تو کہیں خار و خس نہیں
کچھ کہا شاید اُن نے قاصد سے	دل پیچھے کہ وہ اضطراب نہیں
آونے نہ کیونکہ رشک مجھے برگ پان سے	دل لیتا ہے کیا مزہ وہ سخن کے لبان سے
نہ وصل میں اُسے راحت، نہ بھریں آرام،	دل کسی طرح سے حزمیں دل کے تیش نہ نہیں
تو نہ ڈر نہ گ اٹھا نقاب کے تیش	دل میں سمجھاؤں گا اضطراب کے تیش
کیونکہ خاطر خواہ دل کے درد کی تقریر ہو	دل کب یہ معنی لفظ میں آتے ہیں، کیا تقریر ہو
کچھ گئی بھریں، کچھ وصل میں گریں بھی	دل کیا مری عمر کی اوقات پریشاں گدزی
خواباں کے درد و غم نے کیا نا تو اں مجھے	دل یاں تک کہ سو بھی تن پہ ہوئے ہیں گراں مجھے
کیوں کر کروں جفا کی شکایت میں اُس سستی	دل کرتا ہے وہ وفا میں کبھو امتحاں مجھے
وفا میری اگر جو رہ جائے کہ نہ سکھلائی	دل تو کیا آرام سے یہ زندگانی ہائے کٹ جاتی
حزمیں میں وہ دل کا کس طرح ظاہر کروں اسے	دل مجھے کہتا ہو تیری بات مجھ کو خوش نہیں آتی
مجھے کہتا ہو تیرا دل کہاں ہے	دل قیامت شیخ ہیرا بدگماں ہے

۳- حسرت

حسرتِ تخلص، میرزا جعفر علی نام، متوطن شاہ جہان آباد کے، بیٹا میرزا ابوبکیب کا تھا۔ صاحبِ تصانیف و دیوان ہے، اور سرِ حلقہٴ مموز و نان خوش بیان ہے۔ اکثر و مشتِ لکھنؤ کے معجزاتِ دم شاد گردی کا مارے ہیں، اور یہ استاد کہہ کے بھارے ہیں۔ سخاس کے اندر دکان عطاری کی یہ عزیز رکھتا تھا، اور اوقاتِ اسی وجہِ حلال سے بسر کرتا تھا۔ سالہ بارہ سو دس ہجری میں تختہٴ بند کر کے دکان و جو کو تیر بازارِ عدم کی ہے، خدا بخشے اس عاقبتِ محمود کو۔

اتنا سودا یہ دل زار ہوا، کچھ نہ ہوا	کچھ بھی یہ عشق سے بیزار ہوا، کچھ نہ ہوا
کاشکے عشق جتنا تانیں اس کو حسرت	میری صورت سے وہ بیزار ہوا، کچھ نہ ہوا
بجا تجھ کو مرہضِ عشق سے ملتے حذر آیا۔	دل کہ آئینہٴ منہٴ شکل اپنی جو دیکھی مجھ کو ڈر آیا
ریقہوں کے حوئے کر کے خطا کو نامہ بر آیا	دل عزیز دیکھا کہوں قاصد تو میرا کام کر آیا
نہیں غنچوں شبنم، اس مہن کے وصف ہے	دل یہ لذت دی کہ پانی منہ میں بہر غنچہ کے بھر آیا
اسی جہان میں رکھتے ہیں ہم جہانِ جدا	دل جہاں دار ہے اپنا بھی آسمانِ جدا
تری فرقت میں ہے شام و صبح کو غیبِ شکل	دل جو شبِ کائی تو دینِ گل، جو دن کا تو شبِ شکل
کرم سے کھوں جمعہ دے پڑے ہیں کام میں سیکر	دل ترے آگے ہیں سب ساں، مگر آگے میں سب
ہوئے ہر بے بندے، برہنہ کو راہ کرتے ہیں	دل حرم کے رہنے والا! تم سرِ عشق امداد کرتے ہیں
جلے جو شمع، اب نزدیک سے غلامِ شمع ہو جاویں	دل یہ افسانہ سن کر قصہ ہم کو تاہ کرتے ہیں
تصور نہ تے تے ظالم یہاں تک تفرقہ ڈالا	دل کہ ملنا ہو گیا دشوار اب سرِ ترنگاں کو
برنگ آباد سے واسے یہ کیا زندگانی ہے	دل کہ جس کے پاؤں پستے ہیں اسی کو سر کرانی

دل	کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیدار کر دے تا بچ کیا صبر و دل و جاں پھر اب آگے	دل	لو دلی تہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کر دے کیا خاک پچی ہے جسے برباد کر دے
دل	تب بن کس طرح پیارے مری اوقات گزریگی	دل	ابھی سے دل کو بیتابی ہو، کیونکر رات گزریگی
دل	کیا راہ میں غیروں سے ملاقات لگائی الٹا جو زمانہ ہو تو اس صید نے دل کے	دل	جو صبح سے یاں آئے ملک رات لگائی صیاد کے ملنے کے لئے گھات لگائی
دل	اس زلف میں جا و فات پائی	دل	اس دل نے عجب ہی رات پائی
دل	ہمارے کام پہ ہر چند آسمان بھرے چلا تھا لشکرِ غم چڑھ کے گھر پہ مجنوں کے دل درد و بتاں سے آہ کیونکر نہ کرے وہ نکل ہے جیسی دشمنوں میں گھائل	دل	مجھے قسم ہے! جو تو اس طرف کو آن پھرے مجھے جو دیکھا تو دو دیں ادھر نشان پھرے پراہ تو تب کرے جو اس سے نہ ڈرے دم لیوے تو سر کٹے، نہ دم لے تو مرے

۴۴ حیران

حیران تخلص، میر حیدر علی نام، ساکن شاہ جہان آباد کے۔ شاگردِ راءے سر پرپ گم دیوانہ
تخلص، استاد کے علم شعر سے تو بجزنی آگاہ نہیں ہیں، لیکن اشعار ان کے سب کے سب پچسپ اور شیریں
ہیں۔ بندش شعر کی ان کے استادانہ ہے، استاد جانتا ان کو ایک زمانہ ہے۔ نواب امیر الدولہ
حیدر بیگ خاں مرحوم کی مارت میں، اگرچہ نوکر وزیر الممالک نواب آصف الدولہ مغفور کے تھے، لیکن راءے
میکوئل سے کہ الگ واصل باقی کا تھا، تو سل رکھتے تھے۔ بعد اوائے مذکور کے مرنے کے ایک آدھ
برس تو تنخواہ کی طرف سے اذیت اٹھائی، پھر تو ایک مرتبہ نواب آصف الدولہ مرحوم سے کچھ ایسی
مواہقت آئی کہ پچاس کے سو روپے اضافہ کیا، اور سو سوار کا رسالہ۔ بالفصل

۱۷۷۷ء میں میر حیدر علی مرگے۔ اس فقرہ میں قافیہ کی پابندی سے سخت تعقید پیدا ہو گئی ہے۔ مطلب

یہ ہے کہ سر پرپ گم جن کا تخلص دیوانہ ہے، اور جو استادِ سخن ہیں، حیران ان کے شاگرد ہیں۔

کہ ۱۵ بارہ سو پندرہ ہجری میں، مع رسالہ تنخواہ لکھنؤ میں لیتے ہیں، اور داد و پیش کی دیتے ہیں۔ یہ اشعار اس ستودہ اطوار کے ہیں +

<p>تو ہمیں ہر چکی بس اس سے ملاقات نصیب ! کرنی اس غنچہ دہن سے نہ ہوئی بات نصیب ! آہ جاگینگے مرے کون سی اب رات نصیب ! ہم ہمیشہ سو ہیں جان کچھ اوقات نصیب ! شجہ جی پر نہ ہوئی تم کو کرات نصیب ! کس کے زیست کا کیا یا ہم زشت نصیب ! غم فراق سے کب کا ہوا ہشت نصیب ! دیکھئے کیسے بنے آن پڑی بات کدھب ! کل مہر ہوئی حیران کو ملاقات کدھب !</p>	<p>گوہی وضع ہے، اور ہیں ہی ہیہات نصیب ! ہم لب گور ہوئے خوں بہ جگر اس غم سے صبح ہر روز اسی غم میں ہیں ہوتی ہے شام کچھ ہیں شکوہ نہیں جو سے تیرے ہر گز مسجد میں پھرے نت سج پھرتے حیراں ہوانہ ہم کو کبھی سیر باغ و کشت نصیب ! دلِ ترمزہ کا آج پوچھتے ہو حال ، اپنے جانے کا ویاں نہ کوہِ نہ رات کو ڈھب ! در و دل غیر کے ہونے سے نہ کہنے پایا</p>
<p>کسے ہے ہوش بجا، دل کدھر، حواس کہاں ! تمہیں اب آنے کی فرصت ہمارے پاس کہاں اٹھوں میں ہی جہاں سو، یا کہ یہ اٹھ جائے بیداوی</p>	<p>دکھ اُس سے کون سکے، تاب التماس کہاں ہوا ہے اب تو نئے دوستوں سے ربط وے کلیجہ بھن گیا، کب تک کرو گے بے بیداوی</p>
<p>اس میں کچھ کم نہ ہوگی محسبونی ”رسم و راہِ ادب تو سب ڈوبنی دیکھیو اختلاط کی خوبی“</p>	<p>کل کہا میں نے میرے گھر چلنے سن کے تیوری بدل لگا کہنے مجھ کو کتنا ہے، میرے گھر چلنے</p>

۵۔ حسرت

حسرت تخلص، ہیبت قلی خاں نقب، ساکن عظیم آباد کے۔ شاگرد میرزا جان جاناں ظہر کے تھے۔ چند روز انہوں نے رفاقت نواب شوکت جنگ کی، کہ خلف نواب صولت جنگ

ناظم رکنہ کے تھے، کی ہے۔ اور کچھ دہوں ان کو خدمت عرض معروض کی نواب سراج الدولہ کا حکم
 بنکالہ کے حضور میں رہی ہے۔ یہ ۱۹ سالہ گیارہ سو پچانوے ہجری کے اندر نواب مبارک الدولہ
 میر مبارک علی خاں بہادر صوبہ بنک کی رفاقت میں نہایت غربت اور پریشانی کے ساتھ اوقات
 بسر کرتے تھے۔ بسالہ بارہ سو دس ہجری میں اس کے افغانی سے سفر کر گئے۔ بڑے ہی لطیف
 گو اور حاضر جواب تھے، بذلہ گوئی اور علم مجلس میں انتخاب تھے۔ قریب دو ہزار بیت کے دیوان
 اس عالی دودمان کا ہے۔ یہ انتخاب ان کے دیوان کا ہے +

رات کا سچ ہوا یہ خواب مرا	دل گیا صبح آفتاب مرا
بیت کر کوچہ سے باز نہیں آتا	یہ دل خاناں خراب مرا
نہ جانوں کرے کیا حنا کا لگانا	دل ہو پانی کرتا ہے یہ پان کھانا
عجب طرح کا عشق حشر تھے ٹھانا	دل کبھی اُس کے کوچہ نہ آتا نہ جانا
بسکہ دیکھ دیتا ہے میرے دل کو وہ بدخو مرا	دل کل نہیں پاتا ہے مارے درو کے پہلو مرا
دل ہو انغم میں آب کی ہی طرح	دل پر چلے ہم شراب کی سی طرح
ہاتھ میں جام لے ملا مجھ سے	صبح کو آفتاب کی سی طرح
پچھاؤں اشکِ گلگوں کس طرح کا !	دل گریباں ہو رہا ہے جا بجا بسخ
اشک پر اشک چلا متصل آوے باہر	دل یہاں تلک دئے آنکھوں سے دل آویزاں
بعد مرنے کے ہماری خاک کو برباد کر	دل دے بگوئے کو کہ لے مجنوں کا گھر آباد کر
ترے جال جہاں گیر سے بنے کیوں کر	دل میں ایک تیرا دیوانہ، ترا ہزار میں دل
زلف و رخ یار دیکھتا ہوں	دل کیا یس و نہار دیکھتا ہوں
پھر پار سے ان دونوں میں بارے	دل صحبت کو برآر دیکھتا ہوں

۱۵ اس فقہ کو قدامت کے لئے موافق یہ مذہب نہ پڑھنا چاہئے ورنہ صریح ناموزن ہوگا ۱۲

آپ ہی اپنے یار تھے، جانا نہیں ہم نہ ہوں، تو ہو، تو جس جاکریں	دل	دل	خیر میں بھولے تھے پہچانا نہیں سمجھ ہے محض میں، پروا نہ نہیں
اکبہ بھی ہم گئے، نہ گیا ان تو محاشق	دل	دل	اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دو نہیں
مر گئے انتظار کے ہاتھوں، پھر میاوی کرے تو اٹھیں	دل	دل	کیا کہیں! اپنی بار کے ہاتھوں سو کہاں روزگار کے ہاتھوں
فدا سے ہمسری کرے کون چل نکلتا ہاں سے حسرت	دل	دل	سرس کا پھر ہے یوں مری کون ہو تار سپنت درے پرے کون
سدا بارش ہی میں رہتی ہیں میری چشم تر سادون	دل	دل	تو ایک دودن برس کریم سے آسکتا ہو ببادون
اڑا دے اے دوائے اشویش سودا کب ڈرکو	دل	دل	بہار آئی، تو کیدھر دیکھتا ہو، پھونک دے گھر کو
مجھے افراط رقت میں بجا نہیں بات کر آئی	دل	دل	کر کر سکتا نہیں ڈوبا ہوا قشر پانی میں
نسہ ہے آج میخانہ میں جام مے پیستوں نے	دل	دل	لٹایا دین دنیا دونوں ہمت اس کو کہتے ہیں
ہم دوانوں کے نہیں عشق میں گھر جلتے ہیں	دل	دل	اس محبت میں پرندوں کے بھی پر جلتے ہیں
دیکھ اس لب کو ترے، آگ میں لعل دیا قوت	دل	دل	تیرے ان دانستوں کی جھلکی سے گھر جلتے ہیں
ان پتنگوں کی میں حسرت پہ سوا جاتا ہوں	دل	دل	بے کلیجے ہیں یہ کجنت، قہر جلتے ہیں
تو جو مل گرمیاں کرتا میگا گجھ سے ہر دم	دل	دل	دیکھنے والوں کے حسرت سے جگر جلتے ہیں
نہ جی لگائیو اس سے جو درد مند نہ ہو	دل	دل	کسی کا دل کسی ظالم کے پاس بند نہ ہو
گو دل بردوں کے ماہ سے رخ پر نقاب ہو	دل	دل	پوشیدہ ہو سکے ہے جو کوئی آفتاب ہو
لب بام آکے یہ تیرا کھڑے رہنا تو آفتاب	دل	دل	سوا نہیں ہے یہ گویا آفتاب آیا، قیامت ہے
دراغ دل چھپے تازگی پہ ہوئے	دل	دل	اب شگوفہ بہار کرتا ہے
تراغ دمرے عجز کے مقابل ہو	دل	دل	ادھر بہار، ادھر ایک شیشہ دل
پلاش شراب، ہوائے شرابی ہو	دل	دل	گھٹا بھی اپنا جھکڑا کھڑی دکھائی ہو

لے اڑا کام اپنا پروانہ	دلہ	ہائے ہم بال و پر نہ رکھتے تھے
جیسے بھٹکے پھر اکئے حسرت		یار کے دل میں گھر نہ رکھتے تھے
تقص ہی میں نہیں رہنے دے جیتا	دلہ	کہاں اب اڑکیں جب بال و پر گئے
تجھے کچھ بھی ہے حسرت نہ کر دل کی		کہاں کھویا اُسے تو ہائے گھر گئے
ناصح عبث ستا ست، ہیں مبتلا کسو کے	دلہ	کچھ دل بھی گیا پھر ہے ہر پھرے کی کسو
یہ گل ہزار اپنے جانے میں پھول بیٹھے		ویسے کھلے نہ دیکھے بند قبا کسو کے
جدائی کی ہوا دھکا گئی اب آگ میں کی	دلہ	لگے اڑنے بھوکے آہ کے، کیا طح جینے کی
ناشا و کامیہ کے حال جیسے نہ گیا	رباعی	جی تک میں دیا، لال جی سے نہ گیا
یہ لہج مزار پر ہماری لکھنا		سہم گئے، پہ ترا خیال جی سے نہ گیا
زاہد جو نہیں ہے میرے دل سے آگاہ	رباعی	کتا ہے کہ کافر ہے تو ہے روئے سیاہ
ہوں جس کی پرستش میں کہوں کیا یارو		آتا ہے وہ بت، دیکھو اللہ! اللہ!
کب شہر کو چھوڑے، جو سیانا ہوگا	رباعی	صحرا دیکھے گا، جو دوانا ہوگا
ہم دونوں میں سیر کر کے دیکھا حسرت		رہنا تو دہلا، جہاں کہ جانا ہوگا
میخانہ میں کیا پھرے ہے منکی منکی	رباعی	زاہد واعظ سے دور، بھٹکی بھٹکی
قاضی سے ڈرے نہ محتسبے ہرگز		یہ دختر رز ہے جس سے اٹکی اٹکی

۶۔ حسن

حسن تخلص، خواجہ حسن نام، متوطن شاہ جہان آباد کے، بیٹے خواجہ ابراہیم بن غیاث اللہ بن محمد شریف بن ابراہیم کے ہیں۔ جو کہ مشہور خواجہ کہاں کر کے تھے چشتی اور ساکن پہاڑ گنج میں۔ بڑے ہی لطیف گو اور بذلہ سنج ہیں۔ علم موسیقی ہندی سے بخوبی ماہر، اور استعداد اس علم کی ان کی تصانیف سے ظاہر۔ علم نجوم میں بھی دخل بھلا چنگا رکھتے ہیں۔ اور فقر و وریشی میں

تو اُدھا لکھنو متفقہ اپنا رکھتے ہیں۔ علوم متداولہ سے بھی خوب آگاہ ہیں، خصوصاً علم تصوف کے بادشاہ ہیں۔ توسل امورات و دنیا میں ان کو ذوابِ سرِ فرازِ الدلہ میرزا حسن رضا خان سے ہے، اور یوں ملاقات تو ایک جان سے ہے، بخشی نام ایک رنڈی اربابِ نشاط سے ہے، اُس پر مرتے ہیں، اور اکثر نام اُس کا مقطع میں غزل کے داخل کرتے ہیں۔ زبان ریختہ میں صاحبِ دیوان ہیں۔ کچھ اشعار منتخب ان کے لکھے گئے یہاں ہیں *

حالِ دل اپنائیں ہر ایک سے کہو ادیکھا وقتِ نظارہ نہ رو، کتے تھے اے چشمِ تجھ گھورتے ہو مجھے کیا تھرکی آنکھوں سے تم دیکھنے سے مرے کا ہے کو غضب ہو تہو	دہاں کسی دھبے پہ ہوتے نہ پذیرا دیکھا شدتِ گریہ سے، لے خاک نہ سوچھا، دیکھا ایک عالم نے آپ کو گھورا دیکھا کیا غضب ہو گیا گریں نے بھی دیکھا دیکھا
---	---

تب اس حیلہ کر کو نہ کچھ کام ہوگا یہی شورِ ششِ عشق ہے تو الہی ! ابھی بے قراری اسیروں کی نہیں سوئے ہم تو، پر بے تباری وہی ہے اگر نزع سے جان بخشی حسن کو	کہ جب میرا یہاں کام اتام ہوگا اس آغاز کا کیوں کہ انجام ہوگا تو صیاد ! ٹکڑے ترا دام ہوگا خدا جانے کب دل کو آرام ہوگا تو اس میں ہمارا بڑا نام ہوگا
---	--

جو بندہ خانے میں آئے گا، فقیر تم کو دعا کرے گا	کسی کے دل کو جو خوش کرو، خدا تمہارا بھلا کرے گا
--	---

عالم اُس حور کی جو جلوہ گری کا دیکھا پہنچے دہاں کچھ جب تئیں پیغام ہمارا دلِ لاسول سے کرے ہے آہ و زاریِ بیشتر بھلا میں دوانہ سہی، پر یہ ناصح یہاں تھک کے بیٹھے ہو کیا راہ میں تم	پھر یہ جلوہ نہ کسی حور و پری کا دیکھا یہاں تب تئیں آخر ہی ہوا کام ہمارا خانہ ماتم میں ہو پڑے سے زاریِ بیشتر مرے ساتھ بکتا ہے، عاقل کو دیکھو چلو راہِ روا، اپنی منزل کو دیکھو
---	--

نک جلا دے ہمیں گویا ہوتا	اے لبِ یارِ سیخا ہوتا
--------------------------	-----------------------

<p>پر جو تو بھی کہیں میرا ہوتا جب ترے وعدے کو فراموش ہوتا قطرہ کیا ہو دے ہے دریا ہوتا عین خلوت میں اکیلا ہوتا موند لے آنکھ کو تنہا ہوتا دل دریا ہے کہ جوش مارتا ہے دل صورت اسی بہانہ سے دکھلائیے دل یہ بھی سرکار کی کرم بخشی</p>	<p>میں تو سب طرح سے تیرا ہوں میرا مانوں تب وعدہ فرما لے یار اے مرے اشک سرخ گال پر تو جو ڈھونڈھے ہے حسن خلوت کو سرگریاں میں جھکا دل میں میٹھے چلنے سے کب اشک مارتا ہے آکر بلا سے قتل ہی کر جائیے مجھے غم نے ایذا جو اے صنم بخشی</p>
<p>دل نہ تھی دہاں خبر اپنے ہی تن بدن کی تو ہونے سے جان بخشی حسن کی دل یہاں دل جلایا، اور دہاں تاثیر کچھ نہ کی موجب تمہارے قول کے تقریر کچھ نہ کی تقصیر یہ ہوئی، کہ میں تقصیر کچھ نہ کی اب اس کی جان بخشی کی تدبیر کچھ نہ کی ساون کی جھڑی دیدہ گریبان لگا دے اور سنگ سے سر نہ کے ذرا سان لگا دے اُس بت کا مجھے آٹھ پیر دھیان لگا دے</p>	<p>دل حقیقت کہیں کیا ہم اس کہن کی اگر جاں کنی میں وہ جاں بخشی آوے یہ تو نے مجھ سے نالہ شکیبہ کچھ نہ کی کیوں تم خفا ہو، کب میں کسی بات پر میاں کچھ اور تو ہوا نہیں ہی ساری عمر میں مرتا ہو جاں کنی میں حسن جیف! تمنے رات نک اپنا یہ روئے پہ اگر دھیان لگا دے شریف نگار تیرے آگے ہی، جو چاہے دن رات مری تجھ سے دعا ہے ہی یارب!</p>
<p>دل پر نگ ایسا ہو کہ یہ دل تملانے سے رہے بے سبب اب آپ جو ایدھر کے آنے سے رہے آؤ تو سب یک طرف، منہ بھی دکھانے سے رہے دیکھ تو ہم بھی حسن کس کس بہانے سے رہے</p>	<p>کب میں کہتا ہوں کہ میری جان جانے سے رہے ہم نے ایسی بھی تو کچھ چوری نہ کی تھی آپ کی آہ کس کس بے وفائی کا میاں کیسے شمار اُس نے کس کس طرح نالاہم کو اپنے در سے پر</p>

۷۔ حسن

حسن تخلص، میر غلام حسن نام۔ شاہ جہان آبادی۔ مینا میر غلام حسین صناحک تخلص کا، اولاً
 ہو میر لامی ہروی کے۔ دلی کے پرلے شہر میں بودو باش رکھتے تھے صغیر سن سے وارد لکھنؤ میں
 نواب سالار جنگ اور خلف ان کے میر نواز علی خاں سر دار جنگ کی رفاقت میں اوقات انہوں
 نے ساتھ عزت اور غربت کے بسر کی ہے، اور اصلاح سخن کی میر ضیاء الدین ضیاء تخلص سے لی ہو
 اقسام علم سے توحیح علوم میں انہیں اقرار پہنچ جاتی ہے، ہاں مگر اشعار میں ان کے البتہ ایک
 صفائی اور روانی ہے، قریب آٹھ ہزار بیت کے انواع نظم میں دیوان ان کا ہے، اور ایک
 تذکرہ بھی ہندی گوئیوں کا زبان ریختہ میں لکھا ہے۔ بے نظیر اور بدر منیر کے احوال میں کیا
 خوب شنوی لکھی ہے، اور صفحہ ۱۲ بارہ سو پانچ ہجری میں سیر روضۂ رضوان کی کی ہے۔
 یہ اشعار منتخب دیوان ان نکو کردار کے ہیں +

گر کچھ رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا	دلہ	تو چاہئے خامہ بھی اُسے ایک لپٹا
چھوٹا نہ وہاں تغافل اس اپنے دہاں کا	دلہ	اور کام کر بچا یہاں یہ مضطر جا بجا
نہ بتی تھیں آپس، نہ تھمتے تھے آنسو	دلہ	حسن تجھ کو کیا رات غم تھکائی کا
ایسی ہی! باتیں اس بیوفانے چھیریں	دلہ	روئے ہی روئے جس میں وصل
کچھ قصد آواہ! نہ خاک بھی، اگر جو	دلہ	اُدھر کو لگ رہا جو حسن گوش نقش پا
اس شیخ کے جانے سے عجب حال ہو میرا	دلہ	جیسے کوئی بھولا ہوا پھر تاپے کچھ اپنا
چھوڑوے کوئی گئی کیلئے جس طرح سے کچھ	دلہ	ہم نے منتیں تری کون مکان چھوڑ دیا
اپنی جاگہ نہ ملے اور کہیں مجھ کو کیا	دلہ	تیری خاطر سے میں آتا ہوں نہیں مجھ کو کیا
وہ ملک دل کہ اپنا آباد تھا کبھو کا	دلہ	سو ہو گیا ہے تجھ بن اب وہ مقام ہو
دہن مہراے اٹھنے کا حسن کا جی نہیں	دلہ	پانوں دیوانے نے پھیلا دیا، سیا بان لکھ کر

اب جو چوٹے بھی ہم قفس سے، تو کیا	دل	ہو چکی دہاں بہار ہی آخر
اُس شمع نے پھیکا ہے مگر تیرا پر	دل	جاتا ہو جو دل کا مرنے نچھ ہوا پر
دیکھا جو دہاں اُس کو، گاں سو طرف گنیا	دل	آئے نہ ہوئے مکاش کہم کوئی یار تک
آن کر عکسہ دہریں جو بیٹھے ہم	دل	شمع ساں اپنے تئیں آپ ہی روٹیٹھے ہم
اس کی جب بزم سے ہم ہو کے تہنگ آئیں	دل	اپنے ساتھ آپ ہی کرتے ہوئے جنگ آئیں
خُن میں جب تئیں گری نہ ہو، بجی دیو کو کون	دل	شمع تصویر کے کب گرد بنگ آتے ہیں
اپنے دل سے تو کبھی ہم ترا شکوہ نہ کریں	دل	ہو گرا زدہ تم ایسے ہی تو بولا نہ کریں
ترے بن باغ میں جس وقت غم جو دل کھلتی ہیں	دل	خراش ناخن غم سے جلو کے زخم چھلتے ہیں
نہیٹ اس طرح منہ پر زلف کو بکھرا کر کاظم	دل	ذرا ٹھ بیٹھ تو اس دم کو دو وقت ملتے ہیں
ہے سزا دل کی جو زلفوں کے گیا پھرے میں	دل	شب کو کیوں نکلا اکیلا، جو پھنسا پھر میں
کستا ہو تو کہ تجھ سے میں ہی نباہتا ہوں	دل	تو بھی کہیں ہو چچا میں یوں ہی چاہتا ہوں
مجھ پر ہی تیرا یہ ستم و جور کچھ نہیں	دل	لیکن ترا ہر ایک سے یہ طور کچھ نہیں
روٹھا کرے وہ کیوں نہ کسی اور حسن	دل	یہ سب بگاڑ چاہ کا ہے، اور کچھ نہیں
صیتا دی مرضی ہو یہ اب گل کی ہوں میں	دل	نالے نہ کریں مرغ گرفتار قفس میں
وہ اور زمانہ تھا کہ خواہاں میں تھی الفت	دل	ایسا نظر آتا نہیں اب ایک بھی دس میں
دم رگتا ہوا آتا ہو لب تک ترے غم سے	دل	عقدے پڑے ہیں بلکہ مرے تافنس میں
دل اپنا اسی باتوں کو اٹھ جاتا ہو تجھ سے	دل	جا بیٹھے ہو تول کے جو ہر ناکس و کس میں
تیرے ہمنام کو جب کوئی نکارے ہو کہیں	دل	جی ڈھل جاتا ہو میرا کہیں تو ہی نہ ہو
غیر کو تم نہ آنکھ جھبہ دیکھو	دل	کیا غضب کرتے ہو اودھ دیکھو
دیکھنا زلف و رخ تہیں ہر وقت	دل	شام دیکھو نہ تم سحر دیکھو
اکنے کی ہیں یہ باتیں کس بن نہیں گذرتی	دل	پراک جان تو ہو جس بن نہیں گذرتی

جان و دل ہیں اُداس سے میرے	دل اُٹھ گیا کون پاس سے میرے
ساتھ دیکھوں ہوں کسی کے جو کسی دُسر کو	دل میں بھی جی رکھتا ہوں مجھ کو بھی ہوں آتی ہے
کیا چھپے سے پوچھے ہے کہ گھر تیرا نہیں ہے	دل کہنے کو تو گھر یہاں ہے، یہ جی اپنا دیں ہے
سیر ہے تجھ سے مری جان جدھر کو چلیے	دل تو ہی جب ساتھ نہ ہو دے تو کدھر کو چلیے
جب میں چلتا ہوں ترے کوچے سے گھر لے کبھی	دل مجھے پھیرے کہتا ہے ”اُدھر کو چلیے“
نغمہ عشق سے ہیں سب سے وزنا رلے	دل ایک آواز پہ دوساز کے ہیں تار لے
دن توقع ہی توقع میں کہاں تک گزرے	دل مر گئے عجب ہیں، بس اب تو کہیں تار لے
جی تو ایسا ہی خفا تھا کہ نہ ملنے کا کھو،	دل پر ترے ہنس کے لپٹ جانے میں ناچار لے
گر بخت اپنے جاگیں تو اک کام کیجئے	دل سایہ میں اُس کی زلف کے آرام کیجئے
اب میں بھی بے قراری پر اپنی لیاقت را	دل بس خیر! آپ شوق سے آرام کیجئے
بھولے سے نام لے کر مرا ہٹ بتا گیا	دل پیار ی لگی یہ مجھ کو تری بات لچ کی
کئی دن تیرے چپ رہنے میں اشک آنکھوں سے برساتے	دل نخل غور شید رو گھر سے کہ عالم خوب تر سائے
تراہر چند دل تیرے بھی کچھ سخت تر سا ہے	دل ولیکن سخت اگر کہئے، تو کب میرے جگر سا ہے
گر بیاں چاک اور خاموش مجھ کو دیکھ کہتا ہے	دل ”کروں کیا بات اس سے، یہ تو کچھ دیوار درسا ہے“
رہنے نہ دے گا اُس بن یہ دل تو ایک دم بھی	دل کیوں روٹھ کر ہم اپنا کھٹوئیں عبث بھر بھی
دریا میں ڈوب جائے، کہ یا چاہ میں پڑے	دل اے عشق پر نہ کوئی تری راہ میں پڑے
آج اکہیں سشتاب! کہ مانند نقش پا	دل تکتے ہیں راہ تیری سہ راہ میں پڑے
یوں غیب کچھ نہیں، تو بلا کو بُری لگے	دل تو کچھ نہ کہ، کہ ہم غمِ سب کو بُری لگے
کیا ہنسنے اب کوئی اور کیا رو سکے	دل دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے
رہے جس میں خطہ سدا نیستی کا	دل بس اے زندگی! ایسی ہمتی سے گزرے
آنکھوں کو اُس کی دیکھا تو ہمتی نظر پڑی	دل پھر ساتھ اُس کے بادہ پستی نظر پڑی

<p>بارے وہ آج آیا تو بتی نظر پڑی انصاف کرتا، چاہتے یہ یا نہ چاہتے، تجھسا جو مجھ کو چاہے، تو پھر کیا نہ چاہتے رہتے ہیں ہم دو انے روز ازل سے تنکے</p>	<p>سارا جہاں خراب تھا آنکھوں میں تجھ بغیر جو چاہے آپ کو تو اسے کیا نہ چاہتے مجھ سے نے تجھ کو چاہا تو چاہا عجیب نہیں مڑگاں سے بھاڑتے ہیں جو اس گلی کے تنکو</p>
<p>چاہت میں کسی کی ہیں، نہ بیداری میں سو یا کرتے ہیں عین بیداری میں ہر لحظہ بنیا شوق دلا جاتے تھے اب تک تو کئی بار تم آ جاتے تھے</p>	<p>دنیا داری میں اور نہ دیں داری میں حسرت کدہ دہر میں تصویر کی طرح ہر آن میں آپ کو دکھا جاتے تھے کیوں دیر لگی ہے، کس نے روکا تم کو</p>
<p>شنوی درہجو لکھنؤ و قسریٰ فیض آباد -</p>	
<p>زمانے پر عبث رکھتا بہانا کہیں اونچا، کہیں نیچا ہے رستا کسی کا جھوٹا تخت التری میں سا سکتا نہیں ہو غیسر کا دم بغل جس طرح زنگی کی بے ہے ہر اک گھر جس کا سادل یہاں ہے پڑے پتلی کا تیل جیسے نظر میں کہ ہے اس گھر کی چھاتی کا وہ نام پڑی بنیا و بعد اس کے جہاں کی ولیکن مثل زلف زشت رو پیچ رُکے دم، اداس کی جان نکلے پھرے گلیوں میں مگر اتنا وہ دور</p>	<p>نہیں یہ لکھنؤ، ہے یہ زمانا زبس یہ ملک سے پتھر پہ بتا کسی کا آساں پگھ رہو ہیں زبس گنجان ہے یہ شہر باہم سیہ گل سے گلی یوں تر رہے ہی فراغت سے یہاں کس کا مکاں ہی کنواں بھی یوں پھر اس تنگ گھر میں کنواں کہنا اسے ہے عقل سے دور کہوں کیا میں قدامت اس مکاں کی ہزاروں راہ اس میں پیچ و پیچ جو اس کے زیر سایاں نکلے جو کوئی رات کو بھولے یہاں گھر</p>

نہیں امکاں جو گھر اپنا وہ پاوے
 زبں کو نے سے یہ شہر ہم عدد ہے
 چٹھے ہے گو متقی جب گرد آکر
 رکھے ہے پار ہو سکنا تب امکاں
 سوائے قندیاں دیکھا نہ کچھ اور
 چلا میں یہاں سے دل اپنا اٹھا کر
 عجب مسرور آباد پایا،
 کھلا بازار اور رستہ کشادہ
 دورستہ راستے میں تنارستا
 وہ جی ہے شہر کا ترپولیا یوں
 ادھر کو جو ہری، ادھر کو برادر
 روپے اور شرفی دیکھے برستے
 بینہ بینی اور فالو دے کا عالم
 ملا شربت میں جو اس کو بتا دے
 ملائی دودھ کی دیکھو تو گویا
 بلندی پر ہے حلوائی کی دکان
 دھری ہیں گولیاں اور یوں اندر کو
 مٹھائی کی کردنِ قسریٰ تاجند
 ہزاروں خانگی اور کسی آکر
 چمک دامن کی دکھلا یوں چلے ہے
 وہ سبزہ کان میں نیب بنا گوش

بلا خورشید کو جب تک نہ لاؤں
 اگر شیعہ کہے نیک اس کو کہ ہے
 حجاب آسا ہے پھر تہیں سب
 پڑھے جب آدمی پر آدمی یہاں
 سو ہے روپوش وہ بھی دیکھ یہ طور
 کہ کیجے سیر فیض آباد جا کر
 مثال گل ہر اک دل شاد پایا
 بیاض جب دلی جیسے ہو سادہ
 کسی نے آج تک دیکھا ہی بتا
 کہ جیسے تین رُوحیں جسم میں ہیں
 ادھر صراف، اور ادھر طلا ساز
 دیئے تختوں پہ جوں نرس کے دستر
 کہے تو چاند اور تارے ہیں باہم
 شب بید کا سما پانی میں پاوے
 اسی میں مال حلوائی نے کھویا
 ستارے گرد ہیں جیسے چرخاں
 کہ گویا چاند اور تارے ہیں برے
 قلم کی ہو گئی اب تو زباں بند
 کریں ہیں سیر لالہ دل لگا کر
 کہ بجلی اپنے ہاتھوں کو ملے ہے
 کہ جس کو دیکھ طوطی کے اڑیں ہوش

شعل اس کی یہ اودنہ کا پسینا کوئی کرتی پسین جالی کی سادہ کیا اس دام میں تکر کو یوں مید مسافر اس طرف جو آن نکلے	ہے گویا بھول پر شبنم کا مینا گریباں کو کہ چھاتی تک کشادہ سحر کے جوں گریباں میں ہو خوشید نہ نکلے دہاں سے غیر از جان نکلے
--	--

باب الحاء

۱۔ خاکسار

خاکسار تخلص، محمد یار نام، شاہ جہان آبادی۔ قدم شریف کے خادموں میں سے تھا، بڑا ہی شاق
زبان بخت کا۔ ہمیشہ محمد تقی میر تخلص سے نوک جھوک کرتا رہا ہے، اور ان کے اشعار میں مشاعروں
کے اندر اکثر تصرف کیا گیا ہے۔ صاحب دیوان اور شاعر خوش بیان تھا۔ علی ابراہیم خاں مرحوم
نے لکھا ہے کہ شعر اس عزیز کے میکے ہاتھ نہیں لگے ہیں، اس جہت سے اشعار اس کے دخل
اس تذکرے کے کمتر ہوئے ہیں۔ یہ اشعار طبع زاد اس کہن استاد کے ہیں +

تھا زلیخا کو جہاں سے مہ گنجان غریز کل مجھے قتل کر اُس دشمن دہیں کافر نے کیوں نہ وہ مصحف روحان ہو مجھ کو زیاد خاکسار خوش سے بھی دیکھا پرے تیر افروز	ہم نے بھی تجھ سے تو بے مہرنہ کی جان غریز بول لا لوگوں سے یہ تھا مرد مسلمان غریز کس مسلمان کو نہیں دین اور ایمان غریز آپ میں آذرا، اپنے تئیں پہچان غریز
دل شیفہ کر کے کیا لیا تو تیری زلف سے اے پیار	دل اے خانہ خراب کیا کیا تو مجھ کو یک سر ہزار سو واسے
قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے	دل مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے

روئے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی دل اس خانانِ خراب کو چپکا دے !
کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے سے دل آہ اجل شمع ہے راحت مجھ حل جلنے سے

باب الدال

۱۔ درد

دردِ تخلص، خواجہ میر نام۔ متوطن شاہ جہان آباد کے، خلف الصدق حضرت ناصر دہلوی کے ثبات قدمی میں اس قطبِ آسمانِ استقلال کی، اور زاویہ گزینی میں اس مرکزِ دارِ فضل و کمال کی نقلِ مشہور ہے، اور زبالیہ و جمہور ہے، کہ جس ایام میں معمورہ شاہ جہان آباد کا، اور ہر ایک کوچہ اُس نختہ بنیاد کا، مجمعِ اہل کمال سے اور کثرتِ نتخبانِ عظیم الشان سے، رشکِ ہفتِ قلم اور غیرتِ جنتِ النعیم تھا، تو معموری پر شہر کی عرصہ ربع مسکوں کا تنگ، اور وہ خراب آبادِ تشبیہ سے ہفتِ اقلیم کی تنگ تھا۔ جبکہ متواتر زولِ آفات کے باعث، اور مکرر دروہِ بلیات کے سبب خراب ہوا، اور مصدِ عقوبت و عذاب ہوا، تو ہر ایک درویش کو شہ نشین نے، اور ہر ایک صابر زاویہ گزین نے، اور ہر توانگرِ مالدار نے، اور ہر امیرِ عالیِ مقدار نے، فرار کو غنیمت جانا، اور بھاگے اور کوجہد پایا ٹھکانا۔ مگر وہ سید و لاتبار، کہ نام نامی اُس کا خواجہ میر تھا، اُس قطبِ آسمانِ استقلال نے خیال بھی جگہ سے سرکنے کا نہ کیا، تحملِ بلاؤں کے اور حالِ جفاؤں کے ہوئے، اور شاہ جہان آباد کو چھوڑ کر ایک قدم اپنے کنجِ عزت سے نہ گئے۔ اگر شیخ فرید شکر گنج اُس کوہِ تحمل کو دیکھتا، تو چاشنیِ فخر اُس کی حیران ہو کر مانندِ شکر کے انگشتِ تحیر کو کاٹتا۔ اور اگر سید حسین خٹک سوار بیچ اس عرصہ کے ہوتا، تو زینِ پوشِ خدمت کا اُس کے کا نہ بھر پر ڈال کے دوڑتا۔ غرض اس مجمعِ فضل و کمال کی انتقائِ طبیعتِ طرفِ نظم کے نہ واسطے شہرت اور نام کے بلکہ واسطے گرمانے اور دلاںِ خام کے ہے۔ اُس شہسوارِ معرکہ بخنوری کے تو سنِ تند خرامِ قلم نے بیچِ قلم و معنی آفسرینی کے ایک گام بے راہی نہیں کی، اور اُس یکے تازہ عرصہ مضمون

تراشی کے ست رنگ آسمان سیخام سے بیچ میدان بلند مقامی کے ایک قدم کو تاہی نہیں کی تعجب نہیں ہے اگر اُس عندلیب گلشن معنی کے کلام معجز نظام کی تحریر سے صفحہ کا غذا ہرنگ برنگ گل ہو، اور نغمہ زبان قلم کا ہم آہنگ صغیر بلبل ہو۔ اگرچہ دیوان ان کا بہت مختصر ہو، لیکن سراپا درد وارث ہے۔ زبان فارسی میں بھی اکثر غزلیں کہیں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ بھی خالی کیفیت نہیں ہیں۔ رباعیوں کی طرف مسایل تصوف میں پیشہ طبیعت آتی ہے، اور شرح بھی اُس کے مشکل مقاموں کی آپ ہی فرمائی ہے۔ طریقہ فقر میں بہت بڑے کا رب اور شاعری تھے، اور راویہ وقت کے طالبوں کے واسطے رہنمائے کامل تھے۔ ۱۲۰۰ بارہ سودو بھری میں اُس بلبل گلشن آزاد نے دام ہستی سے نکل کر شایار کو چرن عدم کے آباد کیا ہے۔ یہ منتخب ان کے دیوان کا ہے۔

مقدور کے ہے ترے وصفوں کے رقم کا	حقاک خداوند ہے تو لوح و قلم کا
بستے ہیں ترے سایہ میں شبیخ و بہن	آباد تھی سے تو ہے گھر دیر جسم کا
مانند حجاب آنکھ تو اے درد کھلی تھی	کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا
اہل زمانہ آگے بھی تھے، اور زمانہ تھا	دل پر اب جو کچھ ہے، یہ تو کسی نے سنا نہ تھا
باد نہیں ابھی تجھے غافل پہنقریب	معلوم ہو دے گا کہ یہ عالم خانہ تھا
یک بیک نام لے اٹھا میرا	دل جی میں کیا اُس کے آگیا ہوگا
گل و گلزار خوش نہیں آتا	دل باغ بے یار خوش نہیں آتا
جاں پہ کھیلا ہوں میں، میرا جگر دیکھنا	دل جی نہ رہے یار ہے، مجھ کو ادھر دیکھنا
تو کر دیا کبھی اُس سے کہ واقعہ نہ ہو	دل کہتے ہو کس سے یہ تم ملک تو ادھر دیکھنا
باہر نہ اُسکی توفیق خودی سے اپنی	دل اسے عقل بے حقیقت! دیکھا شعور تیرا
جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف ہوا	دل جی میں سمار ہے از بس غور و تیرا
ہم نے چاہا بھی، پر اُس کو چہ سے آیا دیکھا	دل وہاں سے نقش قدم دل کو اٹھایا نہ گیا
چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم	دل ہمارا باغ گویوں بھی رہے، لیکن کہ شبنم

تیری خون مناسیاں مشہور ہیں اتر تیغ یار	ایک قطرہ چھوڑے تو پیڑے ہمارا ہی سو
اس ہتھی خرابے کیا کام نکھائیں	دل اے نشہ منہورایہ تیری ترنگ ہے
نہ ہاتھ اٹھائے فلک گو ہمارے کینوسے	دل کسے دماغ کہ ہو دو بدو کینوسے
مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے	کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے کی
جو ملتا ہے بل بچہ کہاں زندگانی	دل کہاں میں کہاں تو کہاں نوجوانی
عجب خواب درمیش ہے پھر توب کو	سنا لو نمک اب اپنی اپنی کہانی

۲۔ درو مند

درومند متخلص، فقیر صاحب نام۔ دکن ان کے بزرگوں کا وطن ہے، بلکہ ان کا بھی ولد دکن ہے، لیکن تربیت انہوں نے شاہ جہان آباد میں پائی ہے، اور خدمت سے میرزا جان جاناں مظہر کی کیفیت آداب فقر کی اٹھائی ہے۔ مرید بھی مرزائے مذکور کے تھے۔ چند مدت عظیم آباد میں بود و باش کی ہے، اور رفاقت میں نواب غلام حسین خاں اور نواب عظیم خاں کے بیٹے کی گذران معاش کی ہے۔ بعد اس کے پھر دلی گئے، اور چند مدت وہاں رہے پھر نواب نواز محمد خاں شہامت جنگ بھتیجہ نواب وردی خاں نہایت جنگ کے بلائے ہوئے شاہ جہان آباد سے مرشد آباد میں آئے، اور طور بود و باش کے وہیں پھرائے۔ رفاقت میں نواب مذکور کی البتہ ایک رفاہ احوال ہوا۔ آخر مرشد آباد گیا رہ سوچتے ہجری میں بلدہ مرشد آباد کے اندر انتقال ہوا۔ سلیقہ سخن رسی میں استاد تھے، اور طریقہ مصاحبت و اختلاط کے ماہر حد سے زیادہ تھے۔ فارسی دیوان ان کا صاحب نظروں کا منظور ہے، اور ہندی میں تو یہی ساقی نام مشہور ہے +

پڑی اس کی خوبی کی ازبک و صوم	لیا ہاتھ قدرت کا صلہ نے چم
ارے ساقی! اے جانِ فضل بہارا	یہی تھا ہمارا و تیرا
ہمارے پیر نے کی فیض تھی؟	فراموش کرنے کی یہ فیض تھی؟

تری جان کی سیوں غنیمت ہوں میں
 مری عقل میں کون انباز ہے
 فلک چرخ مارے گا گرصہ ہزار
 نظر تو کرو نک چمن کی طرف
 چمن میں بھرا ہے نشہ یاں تلک
 تجھے جان گل کے لہو کی قسم
 تجھے جام کے چشم تر کی قسم
 اداسے لیکنے کی تجھ کو قسم
 تجھے جام صبا کے سر کی قسم
 تجھے نازِ مستی کی اپنے قسم
 قسم ہو تجھے بے سبب جنگ کی
 ارے بے وفا بے مروت صنم
 تجھے دخترِ زکی حسرت کی سوں
 تجھے وعدہ کر بھول جانے کی سوں
 تجھے ناتوازی کی طاقت کی سوں
 شبِ عید کے تجھ کو چاؤں کی سوں
 جو تو نے کیا ہے کو مجھ پر سلام
 کہ تو سہ کشتی سے نہ کر با نال
 تجھے رحم مجھ پر کچھ آتا نہیں
 نہ توڑ آئینہ اپنے خسریاں کا
 بیقیں جاہلو گرنہ ہو ایک آن

سلیقوں میں ظالم قیامت چلے میں
 ارسطو مراک دو اساز ہے
 نہ لاوے گا مجھ سا کوئی روبر کار
 شکوہ کو آیا ہے مستی سے کف
 کہ جاتی ہے زگر کی گردن ٹھلک
 تجھے باغ کے رنگ و بو کی قسم
 تجھے اپنی پہاں نظر کی قسم
 نشہ سے بھکنے کی تجھ کو قسم
 تجھے اپنے مینا کے سر کی قسم
 تجھے خود پرستی کی اپنے قسم
 قسم ہو مے نام کے تنگ کی
 میں دیتا ہوں تجھ کو قسم پر قسم
 تجھے مغیجوں کی شرافت کی سوں
 تجھے اپنی سوگند کھانے کی سوں
 تجھے بقیروں کی فرصت کی سوں
 تجھے اپنی مندی کی پاؤں کی سوں
 تو اتنا کر اے ظالموں کے امام
 مرے خون کو اپنے اوپر حلال
 مگر جیو نامیسا بھاتا نہیں
 زیاں خوب نیں اپنی سرکار کا
 تری مسرہ بانی کا مجھ کو گماں

توصورت نہ پکڑے ہماری حیات	نخل جائے جی نا امید کی کوسا تم
ہے غم سے رقیبوں کے مرا دل ناشاد راجی	اس دھڑکے سے جاتے ہیں سبھی پیش بیاہ
پردیز کے شیشہ خانہ عشرت پر	سنگ آیا دلیک سخت آیا نہ باد

۳۔ دل

دل تخلص بہ شیخ محمد عابد نام۔ متوطن بلوہ عظیم آباد کے بے نسل، اور بے نظیر عالم محبت و وداد کے شیخ محمد روشن جو شش تخلص بڑے بھائی ہیں، جن کی خوبیاں باب الحکم کے اندر بیان میں آئی ہیں۔ غرض دونوں بھائی مسخیدہ اطوار اور حمیدہ خصال ہیں، طریقہ یک رنگی میں بے مثال ہیں یہ ابیات دل خراش اُس اہل دل کی تلاش سے ہیں۔

تیری زلفوں میں پھنسا دل ہی تقصیر ہوئی	نقد جاں لیجئے حاضر ہے گنگار دل
نالے ہی سدا بہر دل عمر کے بھرتے ہیں	ہیں نزع میں ہم تجھ بن جیتے ہیں نثر تو ہیں
جوں آئینہ یہ ستم رسیدہ	رہتا ہے مدام آب دیدہ
تمہارے در پہ جو دربان نے اتیں پکڑی	بزنک نقش قدم ہم نے بھی زین پکڑی

۴۔ دیوانہ

دیوانہ تخلص، اسے سرب کھ نام، رشتہ دار راجہ ہما نرین کا تھا۔ نہایت بزرگو۔ اور وضع مغلیت پر مرتا تھا۔ دو دیوان زبان فارسی میں اس نے لکھے ہیں، اور اکثر ریختہ گو لکھنؤ کے، امر زاجعفر علی حسرت، اور میر حیدر علی حیراں، اس کے شاگردوں میں سے ہیں۔

۱۔ اصل کتاب میں نوہ کلام نہیں تھا معلوم نہیں صنف ہی کو نہیں ملایا جس نسخے ہم نے نقل کیا ہے اس کے کاتب نے چھڑوایا ہے یہ مندرجہ بالا چار شعر ہم نے، سخن شعرا، مصنف عبدالغفور خاں شلخ نے نقل کیے ہیں۔

چار بجی میں لاچار گرم روی سادہ عدم میں کی، اور آتش فنا پیکر وجود کو دلی۔ فارسی منظوم اس کا دس
ہزار بیت سے زیادہ ہے۔ یہ ہندی اس کا طبع زاد ہے +

<p>جب نہ تب سنئے تو کرتا ہے وہ اقرار بغیر بزم میں رات بہت سادہ و پر فن تھوڑے دیکھ پیار کو تیسے یہ طبیعوں نے کہا جان پر آہنی ہمد مری خاموشی سے جس کی خاطر کے لئے یار سب غیاہو دل ہے کتیری تیغ کے آگے ٹٹل نہ جا وے یار کہاں کہ یار باشی کیجے اک گوشہ میں بیٹھ کر دیوانہ تنہا</p>	<p>لغت کو ہم سے اُسے پر نہیں انکار بغیر کڑی بزم کہاں اُس بت عیار بغیر تھوڑی اس کو شفا شربت دیدار بغیر بات کچھ بن نہیں آتی ہے اب لمبا بغیر کیونکہ دیوانہ بھلا رہے اب اُس یار بغیر رستم کا کیا جگر ہے جو زہرا چھل نہ جائے وے وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجے اب ناخن غم سے دل خراشی کیجے</p>
--	---

باب السین

۱۔ سَوْدَا

نام نامی اور اسم گرامی اُس شاہ باز عرش پر واز معنی کامرزا رفیع ہے۔ متوطن دارالخلافہ
شاہ جہان آباد کے۔ بیشک مقام اُن کی طبیعتِ فلک فرسا کا موافق اُن کے نام کے نہایت
رفیع اور منیع ہے۔ روز تولد سے ساٹھ برس کی عمر تک وہی میں ساتھ کمالِ عز و وقار کے رہے اور
طبع رسا کی مربی گری سے انیس و چالیس سلاطینِ نامدار اور وزرائے عالی تبار کے رہے۔ اگرچہ

اس معنی جس خاص استعادوں میں رہے سب شکہ دیوانہ کو انتقال کو بیان کیا ہے، اُن میں ایک خاص جھلک
پائی جاتی ہے، جو مصنف کی فرضی پرشعریں +

وہات اُس یگانہ روزگار کی کثرتِ اشتہار کے باعث مستفی ہے تکلیف سے خامہ مدائح نگار کی، لیکن انصاف کہتا ہے کہ کچھ تھوڑا سا احوال اس مستفی الصفات کا لکھا چاہئے، اور تذکرے سے اُس شاہ بیتِ کلیات معانی کے، بیان کو ان اوراق پریشان کے، زیب و زینت دیا جائے۔
 حقِ قویہ ہے کہ میرزاے مذکور سرحلقہٴ مخدوران اور سرآمدِ معنی گستران تھے۔ آشنائے معنی بیگانہ اور مضمون تازہ کے پیدا کرنے میں یگانہ تھے۔ اقسامِ نظم سے دیوان اس مطلع دیوانِ سحر بیان کا بھرا ہے، اور انواعِ نظم کو کیا کیا زور و شور کے ساتھ بیان کیا ہے۔ خصوصاً طرزِ قصیدہ کو کس صفائی اور تحلف سے ادا کر کے اس طاقِ بلند پر رکھا کہ دستِ وہم نازک خیالانِ ہندستان کا اس کے خیال تک نہ جاسکا۔ آگ کو یاد میں اُس آتشِ زبان کے جھوم شہار سے جوشِ قطراتِ عرقِ افغال ہے، اور پانی کو نجالت سے اس طبعِ روان کی خاک میں پھینے کا خیالِ زبانِ ہندی شرفِ ہمزبانی سے اُس کی سرفراز، اور نظمِ ریختہ کو طبعِ معنی آفرین پر اُس کے گھمنڈ اور ناز۔ جب کہ بعدِ خراب اور دیران ہوئے شاہِ جہان آباد کے نقل و حرکت کا اتفاق میرزاے مذکور کو اس شہر سے ہوا، تو اُس شہر دہلی کی سیر کرتے ہوئے آخرِ بلدہ لکھنؤ میں طورِ سنگو کا کیا۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے بہت قدر و منزلت کی، اور چھ ہزار روپے سالیانہ کی جاگیر مقرر کر دی۔ چنانچہ مشیرِ قصیدے نواب آصف الدولہ مرحوم کی تعریف میں کہے ہیں، اور کیا کیا تروتازگی کے ساتھ مضامینِ عالی باندھے ہیں جب کہ سنِ شریف اس خضرِ راہِ سخنِ دانی کا ستر برس کو پہنچا، تو داعیِ اہل کو لیتیک اجابت کہ کس سے وجود سے پیمانہٴ منزلِ عدم کا ہوا تاریخِ وفات اُس رفیعِ قدرِ محفلِ نکتہ دانی کی ہر ایک سخنِ سخن نے کہی ہے، لیکن یہ تاریخ اُس خزاں دے ستونِ مضمون تراشی کے سنگِ مزار پر کندہ کی ہوئی ہے +

جلد کو جب حضرت سودا گئے	فکر میں تاریخ کے ماہر ہوا
بولے منصف و در کر پائے عناد	شاعرانِ ہند کا سرور گیا
آغا باقر کا امام بارہ اس محبتِ امام علیہ السلام کا مدفن ہے، سایہٴ قدومِ امام کے با	

بیشک سچ سکافات کے واسطے ماسن ہے۔ یہ اشعار یادگار جدیدہ روزگار کے لکھے جاتے ہیں اور یہ اوراق پریشان اس سے زینت پاتے ہیں +

<p>نہ ڈٹے شیخ سے زتار تسبیح سلیمانی کہ ہو جو تیغ بے جوہر اسے ہے ننگِ یانی نہ جھاڑے آستین لکھشاں شاہوں کی بیٹانی ہوئی جب تیغِ زنگ آلود کب جاتی ہے چپانی موافقِ گزہ ہووے دوست، ہے وہ دشمن جانی جوں شمعِ زندگانی مری ہے زبانِ تلک ہے کسوٹِ کبود گلِ زعفرانِ تلک پاؤں نہ راجہوتِ زبانِ سناں تلک ہے منحصرِ غذائے ہما استخوانِ تلک</p>	<p>ہو جب کفر ثابت ہے وہ متغایِ مسلمانی ہنر پیدا کر اول، ترک کجوبت لباس اپنا خوش آمد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کی کربے ہے کلفتِ ایام ضائعِ قدم و دوں کی یہ روشن ہے برنگِ شمعِ ربطِ باد و آتش سے ہے پرورشِ سخن کی مجھے اپنی جاں تلک بے ماتم اس چمن میں نہیں خندہ طرب لاف سپہ گری نہ بکے مردِ رست باز سخنی سے گزری اہل سعادت کی یہاں معاش</p>
--	--

<p>آیا نہ ایک گل کبھی اس بوستانِ تلک بے نروبانِ پہنچ نہ سکوں آشیانِ تلک پہنچا نہ پائے شمع کجوشِ سعدانِ تلک لیتے ہیں خاکِ آن کے اس آستانِ تلک پہنچے ہے کوئی دن کو زمیں آسمانِ تلک احکامِ خرمی نے کیا سن یہاں تلک مکن نہیں کہ لاسکے اپنے دامنِ تلک مانند آسیا کے پھروں میں کہاں تلک</p>	<p>جس کی بہار پہنچی نہ آخر خزاں تلک وہ مرغِ ناتواں ہوں کہ صحنِ چمن سے میں روضہ میں جن کے حلقہ چشمِ ملک سوا ہنگامِ طوفِ بسکہ ملائک ہمیشہ دہاں خادم کہے ہیں دہاں کے یہ آپس میں دیکھ کر رہنے کو جگ میں صورتِ انوس کے تین انگشت چومنے کے لئے طفلِ شیرخوار اس چرخِ دوں پرست تلے بہرِ شربتِ جو</p>
---	--



قصیدہ

ہے سخن سچ رک جوان تیں
رات جاگڑیں اُس کی خدمت میں
میں جو پوچھا؟ کہا سبب مت چھو
لیکن اے یار تجھ سے کتا ہوں
دلخ ہوں اُن سے ابڑا نہیں
یعنی سودا میر و قائم و ورد
کیا غرور و دماغ دیکھا تخت
مثل شیرازہ کتاب اللہ
ننگ جانیں جو بزم کا اُن کی
اور جو احمق اُن کے سامع ہیں
جیسے بھٹان من پڑائی پر
شعر و قطیع اُن کے دیواں کی
اُس میں جو دیکھے تو آخ کار
اتنی کچھ شاعری پر کرتے ہیں
غرض اس خبث کے تیش ٹیکو
کہا سودا کو اُن بزرگوں میں
اور جو ہو دے بھی تو لائق ہے
ہے وہ مداح ایک ایسے کا
یعنی ذواب سیف و تلہ سدا

فخر صائب جو وہ کرے تجھیں
اُسے دیکھا تو تھا پٹ نگلیں
جست کرنا کسی کا خوب نہیں
مل کے گوجھ پہ سب کریں نفریں
بزم شعرا سے ہیں جو صدر نشین
لے ہدایت سے تا کلیم و نقیہ
کون سا کبر ہے جو اُن میں نہیں
سبھے ہر ایک اپنی مہین جہیں
بوعلی ہو صنفِ نبال نشین
دم بدم اُن کی کیا کریں تختیں
لڑکے کرکے کہتے ہیں اُمین
جمع ہو دے تو جیسے نقش نگین
یا تو ارد ہوا ہے یا تفضیل
میچ در کون آسمان و زمیں
ہو کے بے اختیار میں دو ہیں
مت گنوا اُس کا ہر یک اُمین
فخر کرنا چھبے ہے اُسکے تیش
مسند جاہ جس کی عرش یریں
جس کی شمشیر و فرق دشمن ہیں

<p>رفت دست جو دے جس کے پنجہ آفتاب کی سی طرح غنچہ کی بھی گرد میں بند کیا دست و پا اپنے گم کرے ہو عدد پوچھتا ہے ہر ایک سے کچھ کہ فکر میں قمر کے ترے ہر شب دینداس کو نہ آوے تانا پڑھیں</p>	<p>دامن خلق کا ہے یہ آئیں بہرہ ور ہے ہمیشہ روئے نہیں تیری بخشش نے فشت زدگوئیں یاد کر تیری تیغ و خنجر کیس سر مرا انگڑیوں میں ہو کہ نہیں حالت نزع سے زبں ہو قریب جاے افسانہ سورہ لیس</p>
<p>احکام پر ترے نہ کرے کیونکہ کام تیر آتا ہی چست بیٹھے جتنی کماں ہوخت ہر ہے کس کا تیر ترے تیر سے کہہ</p>	<p>ہے یہ کمان حلقہ بگوش و غلام تیر غنی کا حق کرے ہے ادا یہاں تمام تیر انجست ہے قضا کی گلیں ہیں بنام تیر</p>

شہر آشوب

<p>اب سامنے میرے جو کوئی پہرہ جو ان ہو کیا کیا میں تباؤں کے زمانے میں گئی شکل گھوڑاے اگر نوکری کرتے ہیں کسوی ثابت ہے جو ڈکلا تو نہیں سوزوں میں کچھ جان کہتا ہے نضر غزو کو صراف سے جا کر یہ سن کے دیا کچھ تو ہوئی عیسہ و گرنہ اس بچے سے جب چڑھ گئے چھتیس بیٹے لیتے ہیں بایں کوسی وہ تو دو ماہ قاضی کی جو جگہ ہو کہ ہلا زندہ کے اس میں</p>	<p>دعویٰ نکرے یہ کہے مہتمم میں زباں جو ہے وجہ معاش اپنی سو جس کا یہ بیان تنخواہ کا چھہ عالم بالا پر مکاں ہے تیروں میں ہو پر گیری تو بے چلہ مکاں ہے بی بی نے تو کھایا ہے پرفاقتہ میاں شوال بھی پھر ماہ مبارک رمضان ہے تنخواہ کے پھر ملنے کی یہ شکل کہاں ہے ملک دھوس دھڑکے کی جنہیں تاب توں ہے بیٹھا ہوا اس شکل سے ہر پہرہ جو ان ہے</p>
--	---

ملا جوازاں دیسے تو منہ موند کر اُس کا
 بولا جو خلیب اس میں تو مارے اُس کو اُن
 ریگے ہو کہ حاتمہ پہر گھڑ میں خد کے
 اور وہ جو ہیں کمزور سوداں اُن کے بیٹھو
 اُٹھ اُٹھ کے دکھائے ہیں انہیں حال وہ اپنا
 یوں بھی نہ ملا کچھ تو ہر اک پال کے آگے
 کوئی سر پہ کئے خاک گریاں کی کاچاک
 ہندو و مسلمان کو پھر اُس پال کے اوپر
 یہ مسخرگی دیکھ کے وہ صاحب ارتقی
 گو ہو جے جا کر کسی عمدے کے صاحب
 وہ جاگے جو راتوں کو تو بیٹھے ہیں دوزانو
 خمیازہ پہ خمیازہ ہو اور چرت اور چرت
 صیغہ پہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر
 صحبت یہ اُس سے اگر آقا کو تیں چھینک
 دیتے ہیں منگاتر دکان ہاتھ میں اُس کے
 سوداگری کیجے تو جو اُس میں یہ مشقت
 قیمت جو چکاتے ہیں سو اس طرح کٹا
 اگر خان و خانوں کی کرے کوئی وکالت
 ہر گھر میں وہ چاہے کہیں قلمہ سا چھٹوں
 شاعر جوئے جاتے ہیں مستغنی الاحوال
 گر عید کا مسجد میں پڑھیں جا کے دھکانا

کہتے ہیں کہ خاموش مسلمان کہاں ہے
 ملے آگیا داخلہ تو تھپتھرا بہ دیاں ہے
 نہ ذکر نہ صلوٰۃ نہ سجدہ نہ اذان ہے
 رستے کے جو آگے کو یہ ہر ایک دکان ہے
 دربار و اس عہد میں جو خورد و کلاں ہے
 اس سچ سے رسالہ کار سالہ ہی دواں ہے
 کوئی روئے ہو منہ پیٹ کوئی نعرہ ناک
 ارتقی کا تو ہم ہے جبارے کا لگاں ہے
 کرتا ہو جو دیاں عرض قہ نہ یہاں ہو نہ دیاں ہے
 اُس کی تواذیت بڑی ہی آفت جاں ہے
 کیسا ہی اگر اپنے تئیں خواب گراں ہے
 منہ صورتِ سوفار کمر شکل کماں ہے
 سود و سوروپے کا جو کسی عمدے کے ہاں ہے
 آدے تو وہ اُس کو بختوت نگراں ہے
 ٹھنڈی ہوا آنے کا اگر اُس قہ کماں ہے
 دکھن میں جکے وہ جو خرید و صفناں ہے
 سمجھے ہے فروشنہ وہ ہندی کا لگاں ہے
 اس کا تو بیاں کیا کردن تجھ کو کیاں ہے
 ہر کوچہ میں جو آب چکان مادر دواں ہے
 دیکھے جو کوئی فکر و درد تو یہاں ہے
 سینت قطعہ تہنیت خان ناں ہے

اگر رحم میں بیگم کے سنے لفظہاں ہے
پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے
ہوں دور وہ ہے اُس کے جو کوئی مثنوی خواں ہے
سب خنج لکھے گھر کا اگر ہندو اں ہے
لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے
چھٹے ہی تو شکر وہ طعن زباں ہے
گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کتاں ہے
ہے آج کدھر عرش کی شبِ در کہاں ہے
لے خیل مریداں گئے وہ بزمِ جہاں ہے

تایخ تو لدکی رہے آٹھ پرفس کر
استقاطِ محل ہو تو کہیں مریہ اُس کا
مُلانی اگر کیجے تو ملائی ہے یہ تہ
دین کو تو وہ پچارہ پڑھایا کرے لڑکے
تس پر یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اُس کے
چاہے جو کوئی ایشخ بنے بہرِ منت
دیتا ہے دُم خرس کو کوئی شکر کو نسبت
پوچھے ہے مریدوں سے یہ چرچ کو آٹھ
تختین ہوا عرس تو کر ڈاٹھی کو گنگھی

درجہ پنجم

رکھتا نہیں جو دستِ عنان کا بیک قرار
ہر گز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
موجی سے کفش پاؤں کھاتے ہیں وہ ادھار
خستے الکڑوں میں اٹھایا بونٹِ عار
پاؤں سے سزا جو ان کا کوئی نام لے نہار
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو ایسا خراب و غار
رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفلِ شیرخوار
ہر گز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
خاقوں کا اُس کے ہٹے کہاں تک کردلِ شمار
کرتا ہے راکب اُس کا جو بازار میں گزار

ہے چنچ جب سے ابلق ایام پر سوار
جن کے طویلے پیچ کئی دن کی بات ہے
اب دیکھتا ہوں میں کز مانے کے آٹھ
تہنا و لے نہ دھر سے عالمِ خراب ہے
ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
نوکریں سو روپے کے دیانت کی راہ ہے
نے دانہ دانہ کاہ نہ تیار نے شیئیں
مانند نقشِ نعلِ زمین سے بحسبِ فنا
ناطقتی سے اُس کی کہاں تک بیان کر
اُس مرتبہ کو جب کہ پہنچا ہے اُس کا حال

قصاب پوچھتا ہے مجھ کو کب کرو گے یاو
 جس دن سراسر قصابی کے کھوٹو بندھا ہوں
 ہر رات اختروں کے تیش دانہ بوجھ کر
 خط شعلہ کو بکھے ہے وہ دستہ گیاہ
 سکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا
 دیکھے ہے جب وہ تو برہنہاں کی طرف
 فاقوں سے منہ نہانے کی طاقت نہیں رکھ
 نے استخوان نہ گوشت نہ کچھ اُس کے پیٹ میں
 پیدا ہونی ہر تس پہ اُن پاؤں اس قدر
 گزرے وہ جس طرف سے کبھو اُس طرف
 سمجھانہ جائے یہ کہ وہ اہل ہر یا سترنگ
 ہر زخم پر زبکہ جھنکتی ہیں کھیمیاں
 یہ حال اُس کا دیکھ غرض یوں کی جی خلق
 یا مر رہے یا چور لے جا دی یا ہو دے گم
 تنہا نہ اُس کے غم کی ہر دلتنگ تنگ نہیں
 القصہ ایک دن بھی کچھ کام تھا ضرور
 رہتے تھے گھر کے پاس قضا راہ آشنا
 خدمت میں اُن کے میں نے کیا جا کا اچھا
 فرمایا تب انہوں نے کہ اے میری جان من
 لیکن کسی کو چھٹنے کے لائق نہیں یہ آپ
 صورت کا جس کی دیکھتا ہو گا گد جو کوننگ

امیدوار ہم بھی ہیں کہتے ہیں یوں چا
 گندی ہو اس منطائے ہرل ہر نہار
 دیکھے ہو آسماں کی طرف ہو کے بے قرار
 ہر دم نہیں پہ آپ کو پٹکے ہے بابا
 چو کے کو آنکھیں ہوند کے دیتا ہو دھپا
 کھاتا ہے دانہ گھاس کی جاگہ سدا بچا
 گھوڑے کو دیکھتا ہو تو بادی ہے بابا
 دھونکے ہو اپنی دم کو کہوں کمال کو لٹا
 ہرگز در فی اس کو قوت جان زینہار
 بادِ موم ہو دے صبا گر کرے گزار
 غارِ شت سے زبکہ ہو مخرج بے شام
 کہتے ہیں اُس کے دنگ کو کسی اس اعتبار
 چنگل و موذی کی تو بچھڑا اُس کو کر دگا
 اس تین بات کو کوئی بھی ہو دی آشکا
 خوگیر کا بھی سینہ چو دیکھا تو ہر نگار
 آیا یہ دل میں جاسیے گھوڑے پہ ہو سوا
 مشہور تھا جنہوں نے وہ سپ ناباکا
 گھوڑا بچے سواری کو اپنا دام ستار
 ایسے ہزار گھوڑے کروں تم ادنیٰ شمار
 یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار
 میرے جس کی نت ہو سب شنگیں کو خاں

بدنام کیسے لید ہر بد نامک جوں پشاب
 مانند خچر چکی لکندن سے تھان پر
 حشری ہو اس قدر قیامت کوئیں اور
 اتنا ہی سرنگوں ہو کہ سب گنہگار انت
 ہے پیر اس قدر کہ جو بتلاوے اسگان
 لیکن مجھ زروئے تو اینخ یاد ہے
 کم رو ہے اس قدر کہ اگر اس کو نفل کا
 ہے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
 مانند اسپ خاں شبنم اپنے پاؤں
 مٹھا تو اس قدر ہے کہ جو کچھ کہ تم سنا
 دلی میں آن پہنچے تھا جس دن کہ ہر ہٹ
 مدت سے کوڑیوں کو اڑاتے ہو گھر بیٹھ
 ناچار ہو کے تب تو بندہ حایا میں اس پتہ
 جس شکل سے سوار تھا اس دن میں اس اوپر
 چابک تھی نو نوں تھیل میں پکڑی تھا مٹیل
 آگے سے تو برا اُسے دکھلائے تھا فخر
 ہر گز وہ اس طرح بھی نہ لانا تھا رو براہ
 اس منھ کو دیکھ ہوئے جمع خاص عالم
 پیسے اسے لگاؤ کہ تا ہووے یہ رواں
 کہتا تھا کوئی ہے بڑ کوئی نہیں یہ سب
 پسچے تھا کوئی غصے سے ہوا غصے سے کیا کتاو

بد میں اس قدر کہ کرے مصیبت کجاڑ
 لا جنٹ لے جگہ نہیں جوں بیخ استوار
 وصال منہ کو اپنے سیر کر کے ہو سوار
 جیڑے پر بسکے ٹھوکروں کی نت پڑی جو مار
 پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
 شیطان اسی پہ نکلا تھا جنت کے ہو سوار
 لوہا سنگا کے تیغ بناوے کبھی لہار
 رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کارزار
 جز دست غیر کے نہیں چلتا وہ زہنار
 لیکن اب ایک دن کی حقیقت کو اس نے
 مجھ سے کہا نفیجے آکر ہے وقت کار
 ہو کر سوار اب کرو میداں میں کارزار
 ہتیار باندھ کر میں ہوا اُس اوپر سوار
 دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں لیل و خوار
 رخ منج کے پاشنوں سے مرے پاؤں تھوڑا
 پیچھے نقیب ہانکے تھا لامٹی سے مارا
 بلتا نہ تھا جگہ سستی جوں بیخ استوار
 اکثر مدبران میں سے کہتے تھے یوں پکار
 یا باد بان باندھ پونکے دو خستیار
 کہتا تھا کوئی نہیگا ولایت کا یہ سار
 کتوال نے گمے سے کیا کیوں تجھے سوار

کہنے لگایہ آکے اُس اجماع میں ایک شخص
 بھول ہوں میں تو یہ کہ سپاہی کو بھیس میں
 اس مخفی میں تھا ہی کرنا گاہ ایک اور
 دھوبی کمار کی گدھی اُس دن ہوئی تھی کم
 ہراک نے اُس کو اپنی گدھی کا خیال کر
 دریائے کشکش ہوا اُس آن صبح زن
 بیشی اُس کی دیکھ کے کر خرس کا خیال
 کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا
 رکھتا کوئی تھا لاکے پیاری کو منہ کی بیچ
 کتو بھی بھونکتے تھے کھڑے اُس کو رو پیش
 جھکڑوں میں دھویوں کو لڑکوں کو دوں
 پہلی ہی گولی چھوٹے اُس گھوڑی کو لگی
 بارے دعامری ہوئی اُس وقت مستجاب
 یہ کہ کہ حق سستی میں ہوا مستعد بہ جنگ
 گھوڑا تھا بسکہ لاغر و پست و ضعیف و خشک
 جاتا تھا جب ڈپٹے میں اُس کو ہر لیف پر
 جب جیس و یکھا جنگ کی بیاں تو بند تھی کل

گھوڑا نہ یہ گدھا نہ یہ راگب گناہ گار
 ڈین چلے ہے سیر کو ہو چسپاں پر سوار
 قننے کو آسمان نے کیا مجھ سے وہاں چا
 اس ماجری کو سُن کیا در فوں نواں گدا
 پکڑے تھا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کما
 تھا غم قریب ڈوبے غصت یک کنار
 لڑکے بھی وہاں تھے جمع تاشے کو پیشار
 دوں گا ٹکائیں تجھ کو بھی نو چندہ ایتوار
 لیتا تھا کوئی دوڑ کے موتن سستی اتار
 ساتھ اُس سمند خرس نما کے ہو چشم چار
 کتوں کو ماروں یا کہ مروں اپنا پٹ ما
 ایسا لگے نہ تیر کہ ہو دوسے متن سو پار
 وہاں سے بہر نہ کیا خاکا تمک گذار
 اتنے میں مہم نہ ہو اچھڑی بھی دوچار
 کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کارزار
 دوڑوں تھا اپنے پاؤں صحت و طفل نے سوار
 لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار

✽

مقدور نہیں اُس کی تجلی کے بیاں کا
 پردے کو تعین کے در و دل سے اٹھائے
 ملک دیکھ منم خانہ عشق آن کے اوشن

جوں شمع سراپا ہو اگر صرف زباں کا
 کھلتا ہے ابھی بل میں طلسمات جہاں کا
 جوں شمع حرم رنگ جھمکتا ہو بتاں کا

اس گلشن بہتی کی عجب دید ہے لیکن سودا جو کبھ گوش سے ہمت کے سنے تو جگہ تھی دل کو ترے دل میں اک زمانہ تھا جی مرا مجھ سے یہ کہتا ہے کٹل جاؤں گا لطف و آشک کہ جوں شمع گلا جاتا ہوں چھٹیست بادہاری کہیں جوں نہت گل	جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا مضمون ہی ہے جس دل کی فغاں کا مرے بھی شیشہ کو اس سنگ میں ٹھکانا تھا ہاتھ سے دل کے تراب میں گل جاؤں گا رحم امی آہ مشرب بار کو گل جاؤں گا پھاڑ کر کپے بھی گھر سے گل جاؤں گا
---	---

۲۔ سوز

سوز تخلص، سید میر نام، ساکن قراول پورہ شاہ جہان آباد۔ سید عالی نسب، اور فن مخنوری میں اُستاد، طرز ادا بندی کے بادشاہ، اور صورت مضمون درود آہ تھے۔ کلام ان کا سر سے پاؤں تک سوز و ساز ہے، اور پاؤں سے سر تک ناز و نیاز۔ شعر کے پڑھنے میں صاحب طرز خاص تھے، اور آئین محبت میں مایہ مؤقت و اخلاص۔ علم تیر اندازی اور گماں داری میں بہ شدت دل آشنا کہتے تھے، اور حسن شفیقہ ذیلی میں نہایت دست رسا۔ ابتدائے جوانی میں انہوں نے ساتھ کام دل کے ایام زندگانی کو صرف نشہ بے شمار کیا، اور سناٹا رحوں میں جلوس شاد عالم بادشاہ غامی کے وارستہ مزاجی کی تکلیف سے لباس فقر اختیار کیا۔ لکھنؤ میں تشریف رکھتے تھے، اور اوقات ساتھ توکل و قناعت کے بسر کرتے تھے +

۱۲۱۲ھ بارہ سو بارہ ہجری میں مرشد آباد تک تشریف لائے، لیکن اطوار سکونت کے وہاں کچھ نظر نہ آئے۔ اسی سال پھر لکھنؤ تشریف لے گئے، اور اس وارِ فنا سے راہی ملک بقا کے ہوئے +

علی ابراہیم خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے کہ ”جس سال یہ تذکرہ میں لکھتا ہوں، تو میر تذکرہ کرنے کچھ اشعار اپنے مع چند فقرہ شکر لکھ کر مجھے بھجوائے تاکہ داخل تذکرہ کروں“ چنانچہ ایک

آدھ فقرہ میر مذکور کی نثر کا بھی خان مذکور نے تذکرے میں لکھا ہے۔ ترجمہ اس کا زبان ریختہ میں راقم
حیر نے اس طرح کیا ہے کہ جو شے حق سبحانہ تعالیٰ نے خلق کیا ہے، بلکہ جتنے خار و خس میں، کتنی ہی
کام آتے ہیں، اور بندگان خدا ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر یہ سوز و شغص ہے کہ کسی کو اس سے
حالات حاصل نہیں ہوتی ہے، سواء سکوت اور کراہیت کے۔ سبحان اللہ! یہ بھی قدرت الہی
کا اظہار کمال ہے، کہ ایسی شے خلق کی جاوے جس سے کوئی فائدہ نہ اٹھاوے پس اگر کوئی
منکر سوال کرے کہ کیا کارہنض تو نہیں ہے؟ خیر تو اس لائق ہے کہ نام اس کا قابل جلائے کے
ہے، بغرض میر مذکور صاحب دیوان ہیں۔ اشعار منتخب ان کے لکھے جاتے یہاں ہیں۔

<p>آہ یارب! راز دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا یارِ خاطر تھا سو میرا بارِ شاطر ہو گیا وہ یہ دیوان بھی نقلِ دفاتر ہو گیا بات کے کہتے ہی دیکھو سوزِ شاعر ہو گیا دل بغیر از نظرِ غم اور تو کیا پائے گا پر مجھے تو ار کا ظالم بہت پچھتائے گا ست سا ظالم! کہیں تو ہی ستیا جا رہا درو دیوار سے شکلِ جمالِ یار ہو پیدا کہ تیرا شک جس جاگڑے گلزار ہو پیدا بجائے ہر گُل رشتہ زنا دار ہو پیدا کہ میری خاک سے سبزے کی جاگڑا ہو پیدا جولا کھوں بار ہو وے قتلِ لاکھوں بار ہو پیدا</p>	<p>دل اہل ایمان سوز کو کہتے ہیں کانف ہو گیا دروے محروم ہوں دریاں سونچے کو کام کیا میں نے جانا تھا صحیفہ عشق کا ہر سیکہ نام کیا مسیحائی ہوئی سے لعل لب میں آؤ صنم دیکھ دل کو چھپرست ظالم کہیں نہ کھ جائیگا قتل کی نیت تو کرا یا ہے تو کیا دیر ہے پھر بھی کتا ہوں تجھ آسوز کو دیں مت ستا دل مندی گر چشمِ ظاہر دیدہ بس رہا ہو پیدا تڑپتی کیوں ہو اے بلبل کمال اتنا تو پیدا کر یہاں تک کفر و پراچا ہے گر خاک گلشن ہو قتیلِ خنجرِ فراگاں ہوں، کیا یہ بھی تعجب ہے مسیحائی ہو تیری تیغ میں کیا سوز کو ڈر ہے</p>
<p>دل جی ناگ میں آیا بُتِ گلنار نہ آیا جیتا تو الہی سر سے کچھ کلام نہ آیا جیتک نہ لیا دل تجھ آرام نہ آیا</p>	<p>دل جی ناگ میں آیا بُتِ گلنار نہ آیا دنیا میں ہی دوستی ہوتی ہو مری جا</p>

	<p>رحمت سے خدائی تو لب بام نہ آیا دہشت سے اُسے یاد مر نام نہ آیا جی ناک میں آیا، بت گل خام نہ آیا دل بھلا اس کے دل کا تو ارمان نکلا یہ غور شدید بھاڑے گریبان نکلا</p>	<p>عالم کی تمنائیں تری جاں لب آیا قاصد کو پوچھا تھا کہ قاصد ہو تو کس کا تھانج کی حالت میں ہی سوز کو لب کھڑے رہو دالو مگر سوز ہے یہ مرا کشتہ ایسا تو ہے جس کی خاطر</p>	
	<p>دل ہاتھ میں اک روز تو دامن قاتل ہوے گا کیا ہمیں رونے سے اپنی کچھ نہ چھل ہو گا سوز کا دل جس گھڑی خنجر سے بل ہو گا دل جو تم سے بتاں ہو گا سو امتہ کرے گا خط آن کے یہ مجھ کو تادہ کرے گا</p>	<p>قتل تو یہ بے گنہ رہی جو اپنے اس لئے ابر کے قطرہ سے ہو جاتے ہیں ہوتی ناہیا درگزر اس غم سے آخر پھر تجھے آویگا رحم دل کعبہ ہی کا اب قصہ یہ گمراہ کرے گا زلفوں سے پڑا طول میں اب عشق کا بھگدا</p>	
	<p>دل قطرہ اشک بھی گہر ہوتا کاش میں اُن کا نام نہ برہوتا حال میں سے باجنبہ ہوتا گرتوں کو خدا کا ڈر ہوتا ہے بہت پر زیادہ ہوتا</p>	<p>دل اپنے رونے سے گرا تر ہوتا جن کے نام سے پہنچے ہیں تجھ تک پھر نہ کرتا ستم کسی پہ اگر خون عشاق کرنے کیوں ناحق سوز کو شوق کعبہ جائیکا</p>	
	<p>دل تو عمر تک نہ لیتا نام ہر گز آشنائی کا بیاں ہم کیا کریں طالع کی اپنے نارسائی کا رکھے ہے ہر قسم اس دہریس دعویٰ خدائی کا ولے دیکھا جسے بندہ ہے اپنی خود مائی کا</p>	<p>دل اکوئیں جانتا ہے عشق میں دھڑکا جہانی کا نہ پہنچے آہ و نالہ گوش تک اُس کے کھوپنا خدا یا کس کے ہم بندے کہا دیں سخت مشکل ہو خدا کی بندگی کا سوز ہے دعویٰ تو خلقت کو</p>	
	<p>دل لیکن نہ حسن و عشق کا جھکڑا چکا سکا دل کی خیمہ کوئی نہ تری کو سے لاسکا</p>	<p>دل قاضی ہزار طرح کے قصوں میں اسکا قاصد ہو طفل اشک گئے بار بار لے</p>	

<p>کب اشک دل کی آگ لگی کو کھجیا سا اُس کو سرائیے جو ترانا اٹھا سا تو ایک بھی بتا دے کہ واں جا کے اسکا دل تو نے خطاب بختا جب سے بہادری کا کیا آہنی کلیجہ دیکھو ہے اُسی کا دیکھا مزانہ تو نے نادان عاشقی کا پیارے ہزار ہو تو ہے گل کا رنگ پھیکا اے سوز کس کو دعویٰ ہو تجھ کو ہم سری کا ایک باری تو سن افسانہ زلیں میرا کس قدر شوخ ہے اللہ گلیچیں میرا یہاں تک تو پریشان یہ دل زار نہ ہوتا تو زلیں سے مایوس یہ بیسار نہ ہوتا تو دل بھی کیسیں سوز گرفتار نہ ہوتا</p>	<p>کیا فائدہ ہو رونے سے اے چشم زار بس رستم نے گو پہاڑ اٹھایا تو کیسا ہوا اے سوز غم کو چھ قاتل نہ کر جیٹ خطرہ نہیں ہو مجھ کو اے عشق اپنے جی کا ہر صبح منہ چڑھے ہو اُس تند غم کے اٹھ کر کستانہ تھا میں اے دل اس کام کو توباز عارض کو تیسے پہنچو کب اُس کی ڈھلاہٹ رستم قوتج تو ہے میدان کے سخن کا تجھ پہ قربان مری جان دل و دین میرا بوئے گل شاخ ہوا میں سو بھی لیتا ہو بہن زلفوں کا اگر مجھ کو سروسکار نہ ہوتا خوگر جو داوے سے طبع اپنے کو پایا گرا آنکھ اُلٹتی نہ کسی شوخ سے جا کر</p>
<p>تو نے قویہ ذکر سنا ہوئے گا ہو تبسم یہ کہا ہوئے گا</p>	<p>ایک دن اک شخص نے اُس کو کہا یعنی کہ عاشق ہے ترا جی کو سوز</p>
<p>دو آنکھ موند ہم پہ من ہی میں دیکھا عاشق کو تیرے جن نے یوں ہمیں دکھا دیکھا انہیں نے مجھ کو جن نے سخن میں دیکھا قطرہ خوں ہے مگر خار بیاباں میں لگا مرے سوال کا منہ سے جو نکلے گا جو نکلے گا تو جلاسا کبا نکلے گا</p>	<p>بلبل نے جس کا جلوہ جا کر چین میں دیکھا خورشید آدے جیسے ابر تنکے اندر یوں دیکھنے سے میرے کیا فائدہ کسی کو اس سوا کچھ نہ پایا ترے دیوانے کا کسی طرح ترے دل سے جانا نکلے گا نکلنے کا نہیں سینے سے دل جو دھونڈو گا</p>

<p>رہے گا مرگ کے بعد از مراد میں رونا مجھے تو ایک سے لے تا ہزار میں رونا خزاں میں خاک ہے سر پر بہا میں رونا ابھی ہستی تھے جس پر بیا میں رونا انہوں سے بات کرنے کو بھی اب دل بند ہوتا</p>	<p>دل ہے جیتے جی تو مجھے کوئے یا میں رونا جو چھپ کے رات کو شبنم چین میں رو تو کیا نہ غم خزاں کا مجھے نے بہا کی شادی تو روز وصل تو اے سوز اپنے آنسو پونچھ بتوں کے عشق سے وادہ کچھ حاصل نہیں ہوتا</p>
<p>دل اس نے مجھ کو دل پر غم بخشا سوز کو دیدہ پر غم بخشا مجھ سے کافر کو بھی ایماں بخشا گل کو بھی چاک گریباں بخشا سوز کو دیدہ گریاں بخشا</p>	<p>دل جس نے آدم کے تئیں دم بخشا ساعنہ پیش دیا اوروں کو جس نے ہر درہ کو درماں بخشا بے نیازی تو میاں کی دیکھو چشم معشوق کو دی عیتاری</p>
<p>دل پر مری جان ترے غم کو میں کھا جاؤں گا مت کرو وعدہ عبت ہم سے کہ آجاؤں گا رسم عشاق کشی جان اٹھا جاؤں گا آشیاں آتش گل سے میں جلا جاؤں گا سوز کہتا ہے یہ گولی تو بچا جاؤں گا خنچہ بھی زرخیز ہے تیرے دہان کا بہتر ہے ایسے چلوں سے چلے کمان کا اخگر یہ رہ گیا ہے نشاں کاروان کا خالی پڑا ہے اب یوں اجڑا ہوا نگر سا بے ترس ڈر خدا سے اتنا نہ مجھ کو ترسا خورشید کی گلہ پر کچھ تو دھرا ہے پر سا</p>	<p>دل غم تو کہتا ہے کہ میں تجھ کو ستا جاؤں گا ہم غریبوں کے گھرنے کا کہاں تم کو مانع اس طرح جی دوں کہ تو رحم سے بولی صدف باغباں فکر نہ کر تو مرے ویرانے کا لے چکا دل کو خطا بجان جو مانگو بخل گل ہی نہیں غلام تبسم کی آن کا زاہد جو کھینچ کھینچ کے چلے ہوا ہے خم سینیں دل کہاں ہو غم رنگاں سوز جو دل کہ تھا الہی اُس دل بکے گھر سا ترسانے ترس کھایا احوال من کے میرا شاید کہ اپو گھر کی دی اُس نے خاک روئی</p>

	آئے نہ دیکھو اس کو لگتا ہے بظلم	جاتا ہی سو ز جس دن کتا ہی ہنٹیں سے
	دل ادھر تک دیکھ لیجو مر کے آہا قاہا نم ۲۵۱ نم ۱۵۱	مروت دشمن غفلت پناہ صَمَرَاتُ الْعَمَلِ فِي هَوٍ وَلَعِبٍ
	پھینے دل اس طرح کہ دعا کو نہ ہو خبر سر اس طرح سے دیں کہ قبضہ کو نہ ہو خبر بوسہ لوں اس طرح کہ خاک کو نہ ہو خبر دل چاک یوں کروں کہ قبضہ کو نہ ہو خبر سچ تو ہے ان بے وفاؤں کی کہاں کا اختلاط عند لیبو چھوڑ دو تم گلستاں کا اختلاط نہ دیکھوں جیتلک لکھوں سی کچھ بار نہیں آتا ابے سُن تو تجھے ہرگز خدا کا ڈر نہیں آتا الہی میں مروں کیوں کر مجھ تو مر نہیں آتا	یوں دیکھ لے ہو وہ کراؤ کو نہ ہو خبر عشاق مہر سی تیغ تلے اوستم پناہ زخمت جو دی تو مجھ کو تو میں تیسے پاؤں کا نامح تو چاک حبیب کا مانع ہو اس قدر اب ضرر کرنے لگا دل کو تباہ کا اختلاط اب کوئی دم کو بچا دے گی خزاں یوں کو دھم یہ سب باتیں ہیں قاصد یا میر سے گھنٹیں آتا پراے دل کرے کر اپنے تہو دل کے تلے ملنا کسی کے دل میں ہو گا سو زمر جاوے تو بہتر
	دل وابستہ ہوں چشم خوں چکاں کا ممنون ہوں جسم ناتواں کا بیٹھا ہے لگائے گھات بانکا	دلہ کیا دید کروں میں اس جہاں کا ہرگز نہ ملتا تری گلی سے سو ز آگے ذرا سنبھل کے جانا
	دلہ سسرتن سی کیا سرتن دود کا روں نکلا خدا کے واسطے دیکھ کہاں سی جاکاں نکلا دلہ کہ اٹھتا ہے ہر دم جگر سے جھبو کا میں جھولا میں جھولا میں چوکا میں چوکا ویاں اب پڑا ہے گا میدان ہو کا	دلہ جگر کو آہ دل سونا لہ سینہ سے فغان نکلا جو دل تھا میرے پہلو میں اب عرشِ عظمیٰ الہی محبت کو لگ جائے لو کا فریب محبت نے مجھ کو پھنسا یا جہاں روزِ پروں کا رہتا اکھارا
	دلہ وہ کب چوکتا تھا خدا نے نہ چاہا	دلہ مرا قتل کیا دل رہا بے نہ چاہا

<p>دوہرتے کن کن ملکوں کا کیا خانہ خراب اہلِ تہتاق کا منہ سے نہ دیتے تھے جواب کون سا ان میں ہے رستم کون سا افراسیاب واہ واہ اُن کو بھی کہ لو آفتاب اور مہتاب میں پڑا کھاتا رہوں گا تا قیامت بیچ و تاب ایک دنیا دار سے مل کر بنے عالی جناب</p>	<p>دل چشمِ غفلت کھل کر ٹٹک لیکھ تو اڑ مستِ خواب مسندِ فرعونیت پر بیٹھتے تھے جو بہ بازو خاک میں نہاں ہوئے ایسے کہ کچھ پیدا نہیں بارہ ساعت کے لئے افلاک پر ہیں جو دماغ پوچھو تو باندھ کر کس پر چلا ہے تو کمر ان دنوں میں سوز کو دیکھا ہے یار و واہ وا</p>
<p>کوچے کب ہوتے ہیں میخانے کے خشک ہونٹ کچھ بے ڈھب ہیں پانی کے خشک یا الہی ہاتھ ہوں مٹانے کے خشک روئیں گلے سے لگ کر اے آبشارِ ہم تم نالے کریں نیک جاہیں سو گوارِ ہم تم اے لالہ دلِ داغ دل کے کر لیں شمارِ ہم تم دل چاک چاک کر کر دیکھیں بہاؤِ ہم تم اے میرے دردِ صاحبِ تھے یادگارِ ہم تم</p>	<p>دل اشک کب ہوں تیرے مٹانے کو خشک چوہری چوری منہ ترے شاید لگا زلف کی پلٹوں میں کیا جا کر پھنسا ٹکرائیں سنگ سے سر ہو ہلکا رہم تم میرا ہی سر و مجھ سے سرکش ہو اے قمری دیکھیں تو داغ سینہ کس کے ہیں اب یاد تویرِ دل کو دیکھ ادیں تیرِ دل کو دیکھوں تم تو چلے گئے پر یہ سوز ہے اکیلا</p>

۳۔ سجاد

سجادِ قتلص، میر سجاد نام اکبر آبادی۔ وطن بزرگوں کا ایک بڑا ذریعہ جان ہے، لیکن تربیت انہوں نے
شاہِ جہان آباد میں پائی ہے۔ اور شاگردوں میں شاہِ نجم الدین آبرو کے کیفیت طرزِ ایہام شاہ
صاحبِ مذکور سے زیادہ ہے سچ تو یہ ہے کہ اپنی وضع کا یہ عزیز بھی اُستاد ہے میر محمد اکرم خاں
وادان کے دارالانشاء نے بادشاہی میں فوائتِ یحییٰ خاں میر منشی کے ہمراہ تھے، بہت مروّجید
اور تحقیقت آگاہ تھے۔ غرض میر مذکور صاحب دیوانِ پربیان ہیں۔ یہ غزلیں ان کی منتخب دیوان ہیں

ساتی بغیر جام کے جی کا بچا نہیں کافر بتوں سے داؤ نہ چاہو کہ یہاں کوئی گرتیے گل کے آنے نے کھو کر نہیں اس میعقوب کے جب عشق پڑا سر پہ ڈٹ کر	دل	جوں فیل ست آوے ہو ابرسیہ پلا مر جا ستم سے ان کے تو کس تو ہیں حق ہوا سچا و کیوں پھرے ہو سخن آج حق ہوا آنکھوں نے اس کی رودیا آخر کو چھوٹ	دل
عشق میں جائے گا بے طرح مارا خطا کر تو اے تاج قیغی سے		بے طرح دل ہوا ہے آوارا ہم سے ملنے میں جائے ہو کرترا	
غم نہیں کر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کر دل بچھو کے سچا و غیر از خیر پیداو کے بتان تو چاہتے سچا و بچھو کو۔ مقبول اس جہاں کا ہرگز غصہ نہ دیکھا		پیچ پر بچھو نہ دے گویا کہ اس کو بل دیا اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا کریں کیا پر خدا نے جو نچا ہا راجہ جی ہو جو کوئی یہاں سے گیا ہو	
اشٹابی پلا لے کہ جاتا ہے ابر	دل	جو کچھ باقی ساتی رہی ہو شرب	
دور میں خسار کے تیرے کہیں انصاف نہیں جس خبر کو دل میں نہ عاشق ہو نہ اتفاق ایک لکھتا ہوں جو چاہی سو لیجا دو اسے جب ہم آغوش یار ہوئے ہیں بتوں کے تیش کس قدر مانتا ہے اے صنم زنا رہنی تجھ وفا کے واسطے کوئی جا کے قاتل کو سمجھا اپنے گا کہا دل نے بولویہ خوبوں کے تیش میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف رہو آہ دل سوز میرے سے فرق	دل دل دل دل دل دل دل دل دل	خط پڑا لے جاو دل کو اور باذہبی جاو زلف کہتے ہیں ساری اس کے تیش حسن اتفاق خواہ زلفیں خواہ مڑگاں خواہ برو خواہ چشم سب مزے دکنار ہوئے ہیں یہ کافر مراد دل خدا جانتا ہے ورنہ کوئی کافر بھی ہوتا ہو خدا کی واسطے کہ عاشق کا جی کھو کے کیا پائیے گا یہ دیکھو گے اپنا کیا پائیے گا روز سیاہ و نالہ مشگیر ہے یہ زلف کہ ہے خوشہ ہیں اس کے خرم کی برقی	دل دل دل دل دل دل دل دل دل

دل کو کبھی پیار دلا کر کے اے سخن	دل	لاگائیں گلے سے مرے آج لگ
نحت جگر ہمارا پانوں کے ساتھ کھا کر		کرے تو ہم سے باتیں اب تم چاہا کر

باب الثمین

۱۔ شورش

شورش تخلص، میر غلام حسین نام، متوطن عظیم آباد کے مشہور میر بُہنا کر کے تھے۔ بھانجے تھے ملا میر وحید کے۔ اور شورش سخن کا کیا تھا۔ میر باقر خزین تخلص سے۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے کہ تیسرے آشنا تھے، اور بیماری میں غور کی مبتلا تھے۔ فقط اپنے خیال فاسد سے انہوں نے اپنے کلام کی قباحتوں پر التفات نہیں کیا ہے، اس سبب سے سخن ان کا ہمیشہ موردِ اعتراض سخن گیروں کا رہا ہے۔ ایک تذکرہ اشعارے ہند کا زبان ریختہ میں انہوں نے لکھا ہے، لیکن وہ بھی بسبب ان کی خود پسندی کے خالی خلل اور زلل سے نہ تھا۔ ۱۱۹۰ گیارہ سو پچانوے ہجری میں اس کے فنا سے جادہ نورد منزل بقا کے ہوئے۔ دیوان ان کا زبان ریختہ میں مرتب ہے۔ یہ ان کے کلام کا منتخب ہے *

ہمارے پاس بھی آیا نہ آیا	بھروسہ کیا ہے جی آیا نہ آیا
کسی کو غم سے غرض ہو کسی کو جام سے کام	قسم مٹناں کی ہے ساقی کو کچھ کو نام سو کام
اُنھی یہ اُلفتِ گل کے سبب سے سب ایذا	دگر نہ کیا تھا ہمیں ہم صغیر و دام سے کام
ہماری صبح رخ یار شام زلف نگار	نہ ہر وہ ماہ کے ہے ہم کو صبح شام سو کام
ہر ایک دم میں ہیں وصلِ حبس میں موجود	غرض نہ نام سے رکھتے ہیں پیام سو کام
رقیب گر چہ بہت برخلاف سے شورش	ہوا کرے ہمیں ہے یار انجو کام سو کام

باب الصاد

۱۔ صانع

صانع تخلص۔ نظام الدین احمد نام۔ ساکن بلگرام۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ تھان قدیم سے میرزا محمد رفیع سودا کے، اور دوستان مہم سے اس خاکسار کے تھے۔ بڑے صاحبِ ہوتا تھا، اور طبیعت کی گدازی میں بنے نظیر۔ اچھا شعر جب کسی سے سنتے، تو گھر بولیں روئے، اور بے چین رہتے۔ عالمِ اخلاص اور دوستی میں زمانہ کے اقتدار، استقامتِ طبع اور رسائیِ ذہن میں متغنی ہو کر رہتے۔ سنہ ہائیسویں تک جلوس شاہ عالم بادشاہِ غازی کے ہمیشہ مرشد آباد اور کلکتے میں ایامِ زندگی کے بسر کرتے تھے۔ آخر سلسلہ ہجری میں ملک وچو سے رخت سفر کا باندھ کے راہی کشورِ عدم کے ہوئے۔ فارسی دیوان مترتب ہے ان کا۔ اور ریختہ کا شوق کمر تھا۔ یہ اشعار اس نیکو کردار کے ہیں +

بحن کی اُس محبت پر دیا تھا جانِ دل صانع	نہ تھا معلوم ہو جاوے گا وہ نامہ ہاں اپنا
جلے جھنڈے تھے جس وقت آہ کرتے ہیں	تو دو دو دل سے جہاں کو سیاہ کرتے ہیں
قسم ہے تیری ہی، کہانے میں یا تیر گاہ	جگر تلک نہیں دل کے تباہ کرتے ہیں
وہی ہوئے ہیں تب تاب جاں ستی آگاہ	جو کوئی دل سے گزر گاہ گاہ کرتے ہیں
خدا بچاوے غم و درد بحسبِ عشق میں آہ	ڈبا کے زورِ دل کو تباہ کرتے ہیں
نہ کہ کن سر ہوئی بے ستوں میں صلہ راز	بڑے دھم دھم جود میں آہ کرتے ہیں
ہوا ہر شوقِ مومن کو دھڑی ہونٹوں جانے کا	نہ جانوں کیا سبب یا تو تے کیلیم بنانے کا

یہ بیل شیعہ گل پریشیہ کر گیا شکر کرتی ہے صبا کا آج وعدہ ہے مگر کلیان کھلانے کا

باب الضاد

۱۔ ضیا

ضیا مختص امیر ضیاء الدین نام، متوطن شاہ جہان آباد کے، میرزا محمد رفیع سودا کے ہم شہر۔ نظم ریحۃ میں مالک تھے طبع بلند کے، ادھما سببے ذہن اچند کے۔ دلی سے جب کہ لکھنؤ میں آئے، تو طور رسکوت کا وہیں شہر آئے۔ ایک مدت اوقات اسی شہر میں بسر کی، اور داد شعر و شاعری کی دلی اکثر مخزوروں کو اس دیار کے نسبت شاگردی کی اس شاعر نہیں کام کے ساتھ ہے، اقسام نظم میں ان سے بیشتر ہونی فکر و خیالات ہے۔ قصیدے سے تو ان کو کچھ انکار سار ہے، اور منظوی کا خیال بھی کم تر کیا ہے۔ آخر عمر بلدہ عظیم آباد میں استقامت اختیار کی تھی اور طبیعت اکثر ساتھ غزلت و گوشت نشینی کے بار کی تھی۔ آشنا پرست اور درو مند بنج و راحت میں ہمیشہ غور مند تھے۔ از بسکہ مار و نیائے فانی کا فنا پر ہے راہ گذار جاوہ بقا کے ہوئے۔ مالک دیوان رنگین و تین کے ہیں۔ یہ شعر اس شاعر ذکی و ذہین کے ہیں :

آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کھلانے لگا	باؤ بھی کھائی نہ تھی دل نے کمر بھٹا لگا
اُس کے کہے میں ضیا پھر آج تو جان لگا	کل کی رسوائی تجھے کیا بن تھی ہونیا خلق
جو کوئی مڑتا ہوا اُس کو خلق میں بانی چاہتے ہیں	پلاوے آپ خیر ہم کو ظالم تشنہ جاتے ہیں
کہ سیلیں مٹی پھرتی ہیں بگو لو خاک اُٹاتے ہیں	ہے ماتم کس دوانے کا الٹی آج صحر میں
کہ آج آسوتری آنکھوں کچلا ہو گئے ہیں	ضیا لکھ نہ سینے پر خبر دل کی بھی نے ظالم
صحر میں تو نے مہنوں وحشی ضیا کو دیکھا	گر این خاک اڑاتا جوں ابرو جوں بگولا
یہ جام بھر رہا ہے مبادا چھلک پڑے	اے آفتخ نعل نہ کہیں دل تھلک پڑے

تیرے ضیا کا حال میں پوچھا تھا شمع سو اک آہ اس نے کینچی اور آنسو ٹھکڑے

باب العین

۱۔ عزلت

عزالت تخلص، سید عبد الولی نام۔ خلف شاہ سعید دانش سورتی کے۔ وہ شاہ سعید دانش کے سر دفتر فاضلان اور سر حلقہ صاحب دلائل تھے۔ اور بادشاہ عالمگیر کے تئیں اس برج خلائی سے اعتقاد صادق تھا۔ اصل وطن شاہ صاحب مذکور کا کوئی قصبہ ہے قصبات لکھنؤ سے، لیکن از بسکہ ہشت سورت میں اختیار کی تھی سورتی مشہور ہوئے۔ غرض جب عزالت مذکور اپنے والد کی وفات کے بعد دلی میں گئے، تو شاہ جہان آباد کے مخموروں کی ہم صحبتی سے فکر میں ریختہ کے پڑے تلاش پر نظم کی دل دیا، اور عرصہ شعر و شاعری کا حاصل کیا۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ باوصف ملکوت و فضیلت کے اوضاع و اطوار اس عزیز کے خالی سبکی اور بے مغزی سے نہ تھے۔ نواب علی وروی خاں مہابت جنگ مغفور کے عہد دولت میں وارد مرشد آباد کے ہوئے، اور مرور وقت و امداد کے ہوئے۔ حرکات ان سے خلافت ان کے منصب کے عمل میں آتے تھے اور آنکھوں میں ارباب تیز کی کیفیت کو اعتبار کی لگھنائے تھے۔ نواب مرقوم الصدر کی وفات کے بعد سرتین دکن نور جمال سے اپنے سنور کی، اور بقایا بے عمر اسی ملک میں بسر کی، دیوان ان کا مدت سے پاچکا انتظام ہے، یہ ان کا منتخب کلام ہے۔

فقیروں سے نہ ہونے لگ لائن فضل ہو لی میں
بہارا آئی چمن میں غل ہی بلبل کی صغیروں کا
عجبت تو زار دل ناز سکھلانے کے کام آتا
جلایا صغیر دل قرے کیوں بقی تعالیٰ کو

ترا جامہ گلابی ہو تو میرا خرہ بھگواں ہو
جدا ہے ہر گلی میں شوز زنجیر اسیروں کا
یہ آئینہ تھا، اُس خود میں کے آئینہ کا کام آتا
جو جہ بولوں تجھے جھوٹی قسم کھانے کے کام آتا

دل	کہتھوں کو وہ صندل در در کا جانتا ہیں گا نیم گلوں کی مانی ہاتھ ل ل چھانتا ہیں گا اندھیری رات میں کس کو کوئی چھانتا ہیں گا غلیل ابرو کے عزت کس خیر سے تانتا ہیں گا چمن زادوں میں اک مزار منٹ لالہ ہوا پیدا
دل	توں کا جو دیوانہ دو اک رانتا ہیں گا گیو لہن کے راہ ہستوں میں کو کن الب سیہ روزی میں میری قدر کو اجاں کیا تھا مجھے چاہے کہ کچھ ارے جرجشاں مکیں گا ہو اور دماغ اس کا مغز نازک آتش گل سے
دل	جرحہ نکلے وہ ہولی باز با لکا نخل اسیبہ بیو فیالوں سے اول میں عشق اپنہ سے بیوش کیا ہم نے بھی جس دارا سی یار سفری
دل	ہماری گرد سے دامن جھٹک گیا دلدار یاروں کی خاطر وں کی کیا دل مرا خیر جوں شب کہ صبح ہو جائے تبتا تبتا ہم ہیں مفلس یا کی قیمت گراں کیا کیجئے بچا دل زلف کے عفر سے تو کیا تری زلف کی شب بیدار میں ہوں کدھر ہوتا پھر تا ہے اے گریہ غم پیر ہو یا شیخ ہو ہے دیکھو طفلان کلمہ یہ دل میں رندوں کے پھولا ہوا عمامہ شیخ کھلا کے دل جسے پالا سو ہے مراد الی شاد اس لہن میں پھرتے تی سخن کتنا تھا شکستہ گرہو دل اب نظر نہ کر مجھ کر
دل	کلال سلہڑا جلتا ہے اب تلک یہ عمار میں پر عمار سب دل کیا خاک جانے لے ہم حل کے ہو گئے راکھ جب اک وہ آئینے ہم زمین اور اس کا رتبہ آسمان کیا کیجئے کہ چونی ناگنی پیچھے پڑی ہے تجھ آنکھوں کے ساغر کا میہ خور میں ہوں کہ آنکھوں سے تیرا خیر داریں ہوں مردہ بولا ہے کفن پھاڑتیا مست آئی یار اب اس بزم سے یزہر کا ٹڈا اجاڑے جناب پاک جنوں مدظلہ العالی بات کہتے ہی شب وصل چلی جاتی ہے یہ ٹٹے آئینے میں منہ تری بلا دیکھے

۲-عشق

عشق تخلص، شاہ رکن الدین نام۔ شاہ گھیشا کر کے مشہور تھے۔ شاہ جہاں آبادی۔ نواسے شاہ فرہاد کے عہد مشایخوں میں سے ولی کے۔ جہاں بیان ہوئی۔ شاہ فرہاد کی حالت سکر وستی، تو کہتے ہیں کہ اس عالم میں تنظیم بادشاہ کی نہیں کی ہے۔ غرض عشق مذکور آیام شباب میں شاہ جہاں آباد سے مرشد آبادیں آئے، اور خواجہ محمدی خاں مرحوم کے ساتھ لباس دنیا داری میں ایک مدت آیام حیات بعزت تمام بسر لائے۔ اگرچہ نہ کچھ خدمت نہ کام رکھتے تھے، لیکن آنکھوں میں امر ایلیں مرشد آباد کے نہایت احترام رکھتے تھے۔ بعد ایک عرصہ کے اپنے بزرگوں کے طہر پر مزاج فقہ و درو کی طرف آیا، اور تکیہ فضل ایزدی پر کر کے طور استقامت کا عظیم آبادیں ٹھہرایا۔ پھر تو نہایت زور و شور کے ساتھ شیخت پناہی کی، اور متعقدوں کے جہوم سے عالم درویشی میں شاہی کی۔ طالبان عشق کو ہدایت مطلب سے خالی نہیں چھوڑا۔ بقول علی ابراہیم خاں مرحوم ۱۱۹۵ھ گیارہ سو پچانو ہجری تک داد حال و قال کی دی۔ آخر بلدہ عظیم آبادیں مرشد حقیقی قضا کے ارشاد دعوت پر لٹیک اجابت باواز بلند کی۔ دیوان اس شیخت دستگاہ کا زبان ریختہ میں مترتب ہے، یہ اس کا منتخب ہے۔

کنے کو ادھر ادھر گئے مسم	تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جاں نہ ہوئی عدل حکمی	تو نے کہا، تو مر گئے ہم
بات کنے کی نہیں طاقت شکایت کیا کروں	دل عشق رخصت دے تو شور شراب برپا کروں
نے دردِ دل ہے باقی نے آہ و نغمہاں ہے	دل اے سوز عشق سچ کہ تو ان دلوں کہاں ہے
دیکھنے بن اُس کے یک دم چین یہ دہتا نہیں	دل اس دل کا فکے ہاتھوں سخت گھبرائے ہیں ہم
جوں آفتاب تاباں گو نام کو بیاں ہوں	دل یہ پروا ہے تیرا کب دیکھ میں کہاں ہوں
گو نام اور نشاں ہے ظاہر میں میسر آیا	جو دیکھو فی الحقیقت ہوں وہم یا گماں ہوں
باتیں نہ سن تو میری بل جائے گا دیوانے	میں برق آساں ہوں یا عشق کی زبان ہوں

<p>دل تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا کافر ہوں تجھ سوا اگر دیکھا اس طرح کا کہیں جگر دیکھا غلّ لغت میں یہ نثر دیکھا تیری نظیروں میں جواثر دیکھا نالہ و آہ گھمبہ گھر دیکھا عشق سا کوئی چشم تر دیکھا حرم و در میں خدا دیکھا عشق میں دینے کیا فر دیکھا اُس کو میں کیا کہوں کیا دیکھا عشق سا کوئی بہنہ پا دیکھا جان دیکھا سو بے وفاء دیکھا مجھ سے کیا پچھتا ہے کیا دیکھا پر تجھے سبے آشنا دیکھا خاک میں آپ کو ملا دیکھا لب مراد شکوہ میں بہا دیکھا عشق کو جا کے بارہا دیکھا</p>	<p>دل عرش تا فرش سیر کر دیکھا چشم تحقیق سے جہاں ڈھونڈنا تیرے کے نام پر تڑپتا ہوں آبلہ آبلہ ہوئے سب عضو سحر میں سامری کے کیا قدرت اپنے ہم چشم سے لگا کہنے ملک اک انصاف کے اگر دیکھو دیدہ دل جو کر کے دا دیکھا ہنس کے کہنے لگا ملامت کر اس کی لذت کو دل بھتا ہے دشت تجھ کو قسم ہے مجھ کی از عدم تا وجود آ دیکھا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خوش تجھ سے کوئی آشنا نہ ہو یا ہو اُس کے دہن تلک نہ پہنچے ہم ظالم اپنی جہا میں کہ تو کبھو کبھو غم سے جدا نہ دیکھا میں</p>	
<p>دل کہ یہ دلع جگر ہے یا دگار اُس یار ہمد کا کہاں فرصت ہے ہی ناداں مجھ و سا ہی کہاں کا مگر اتنا کہ گھر اپنا ڈوبیا اور مردم کا کہ جس کے نام سے نہرا ہوا پانی ہنسن کا</p>	<p>دل میں کافر ہوں اگر منظور ہوئے لطف مرہم کا ترایہ وعدہ فردا تو دل کو روز فردا ہے رُلانے میں مرے کچھ تجھ کو ہیگا فائدہ کہ تو کفایتیہ بروزِ حشر مجھ کو شفقتِ حیدر</p>	

چاکِ دل تلبہ گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا	دلِ محنتِ دلِ زینتِ دامان نہ ہوا تھا سو ہوا
بے وفائی تری دل دیکھ کے ابو دعدہ خلافت	عشقِ بازی میں پشیمان نہ ہوا تھا سو ہوا

۳۔ عیش

عیشِ تخلص، میرزا عسکری نام، بیٹے مرزا علی فتحی کے۔ وہ مرزا علی فتحی جن کو فواسب حسین قلی خاں کی طرف سے اینی جہانگیر کی ایک مدت رہی، اور زندگی انہوں نے اس خدمت میں نہایت شخصیت و حکومت کے ساتھ بسر کی ہے۔ غرض میرزا عسکری مذکور جو ان مودب باشعور اور تہذیب اخلاق سے معمور ہیں۔ علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ میرے آشنا ہیں، بہت ہی باشرم و باجیا ہیں۔ وطن تو ان کا شاہ جہان آباد ہے، لیکن ایک مدت سے مرشد آباد میں آکر رہے تھے، اور مجھے خدمتوں کے ساتھ سرکاری ناظم بنگالہ کے اوقات بسر کرتے تھے۔ دیوان ان کا مورد اشتہار ہے، یہ ان کا خلاصہ افکار ہے +

وہ اگر آوے سر بام کہیں	میں بھی کر لوں اُسے سلام کہیں
کیا ہے یہ قطرہ قطرہ، دوساتی	ایک باری تو مجھ کے جام کہیں
اس شبِ بصل کی سحر آئے چہنچ	لیجومت مجھ سے اتقام کہیں
یہ غزلِ عیش ہے تصدیقِ سوز	مجھ سے ہوتی تھی انصرام کہیں

باب الفاء

۱۔ فقیر

فقیر تخلص، بیرشمس الدین نام۔ متوطن شاہ جہان آباد کے۔ استادوں میں سے شعرائے ہندوستان کے تھے۔ اہل ہند میں مجال کسی کی نہ ہوئی کہ سخن گسری میں مقامِ پرغیبی کے، اور خوش بیانی میں جگہ پر ان کے تکیہ کر سکے۔ دارالخلافت شاہ جہان آباد میں ہر روز زندگانی کا انہوں نے

نہایت غربت اور استغنا کے ساتھ بسر کیا ہے، اور اس عرصہ میں دکن کا بھی سفر کیا ہے۔ چنانچہ بیشتر دکن بطور سیاحت کے دیکھے، اور اکثر مقاموں میں سیر کی وضع پر پھرے۔ اقسامِ نظم میں کوئی قسم نہیں رہی کہ ان کے غائبہ صحرائوں نے اُس میں جادو کاری نہیں کی، اور انواعِ شعر میں کوئی نوع نہیں چھوئی کہ ان کے کلمک گوہر سلاک سے اُس میں درو باری نہیں ہوئی۔ اکثر علوم میں کتابیں انکی تصانیف سے ہیں۔ خصوصاً عروض و قوافی میں کیا خوب رسائے تالیف کئے ہیں۔ بحوالہ گیارہ سو سترہ ہجری میں واسطے حج و زیارت کے تشریف لے گئے، اور بعد حصول سعادت زیارت کے جب کہ پھرے تو کشتی حیات اُس اُٹھانے بھر معنی کے گردابِ مہمات میں تباہی ہو کر ڈوبی یعنی اس ناخدا نے جہازِ سخندانے کے جہاز کو بادِ مخالف نے صدمہ طوفان دیا، اور دریائے مصطفیٰ میں غرقِ بحرِ رحمت کیا۔ اگرچہ کنساریختہ کا اُس اہل کمال کا دوں مرتبہ کمال تھا، لیکن اکثر واسطے تغننِ طبیعت کے اس کا بھی اشتغال تھا۔ یہ گوہر آبدار اس بحرِ سخنِ سخی کے آئینہ گوشِ روزگار ہیں

درومندوں سے نہ پوچھو کہ کھڑے بیٹھ گئے	تیری مجلس میں غنیمت ہو جہدِ بیٹھ گئے
ہے غرض دید سے یاں کامِ تحلف نہیں	خواہ ادھر بیٹھ گئے خواہ ادھر بیٹھ گئے
دیکھا ہو دے گامے اشکِ طوفانِ تم	لاکھ دیوارِ گرے سیکڑوں گھر بیٹھ گئے
کس نظرِ ناز نے اُس باز کو بخشی پرواز	سیکڑوں مرغِ ہوا چٹا ہمارے پر بیٹھ گئے
کم ہے آوازِ ترے کو چپے باشندوں کی	نالہ کرنے سے گلے اُن کے مگر بیٹھ گئے
مفت اُٹھنے کے نہیں یاں کہ کوچہ و فقیر	جب کہ بسترِ کجا کھول کر بیٹھ گئے
آہ تو نے توئی بارِ ہلایا ہے فلک	زیادہ گشتِ نہ ہو عرش کو پہنچے گی دھمک
کل ہی کی شب کا ہو مذکورِ کیریل آئے	خوب معلوم نہیں آپ تھا یا اور ملک

۲۔ فتان

فتان تخلص، اشرف علی خاں نام تھا۔ شاہ جہان آبادی، خلف میر زاعلی خاں نکتہ کے بیٹے۔
 پہر ان کو خوش طبعی اور خوش اتھلاطی سے کام تھا۔ کو کے تھے احمد شاہ بادشاہ کے، اور مرہٹوں کی گری سے فتنہ
 کی ندیم تھے جہاں پناہ کے چنانچہ طرب الملک کو کے خاں بہادر حضور سے بادشاہ کے خطاب پایا تھا۔
 اور مرتبہ کو شوقی کے ساتھ لطیفہ سنجی کے بہت دور پہنچایا تھا۔ دلی سے مرشد آباد میں اپنے چچا کے
 پاس، کہ محمد ابراج خاں کر کے مشہور تھے، وار دھوے لیکن نہ رہے اور تھوڑے ہی دنوں میں پھر
 شاہ جہان آباد چلے گئے۔ بعد کئی برس کے عظیم آباد میں آئے، اور طور بدو بادش کے وہاں ٹھہرائے
 رفاقت میں ہمارا راجہ شتاب رائے کے چند مدت اوقات کاٹے، اور لطیفہ گوئی اور نبلہ سنجی ہی میں دن رات
 کاٹے۔ اتفاقاً اصحاب سخن ان کو شیخ علی قلی ندیم تخلص سے ہوا ہے نظم ریختہ میں طبیعت ان کی ریا
 ہے بلکہ گیارہ سو چھیالیس ہجری میں اس جناب کو دیہائے فنا کے زراعت ٹھاکر کراشنا بھرے کنا
 بقا کے ہوئے۔ بلکہ عظیم آباد اُس شہر میں کلام کا فن ہے، اور تخیلی روزِ شہر تک اب وہیں مسکن ہو۔
 زبان ریختہ میں صاحب دیوان ہیں، تخلیق میں منتخب ان کے دیوان کی لکھی گئی یہاں ہیں۔

دلہ	تیری کسبت میں مرگے لوہو سے بھر گئی	دلہ	شکوہ کرے ہے تو جو ہے اشکِ سخن کا
دلہ	ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا	دلہ	ہستی کے خستے نظر آتے جو عدم میں
دلہ	پس چاہئے تسبیح میں زار نہ ہوتا	دلہ	اے شیخ اگر گنہگار ہے اسلام جدا ہے
دلہ	کہ جو شفیق تھے وہ دوست مگر اپنے	دلہ	مجھے تو غریب دار اپنا کر گئے اپنے
دلہ	اسی زب میں تو یہ بال و پر گئے اپنے	دلہ	عبث تو ترپے ہو کج نفس میں مرغِ چین
دلہ	اُدھر کو جانا ہے آخر جدہ گئے اپنے	دلہ	مرامقام ہے اس سرزین پہ عاریتاً
دلہ	کہ اس کے مسافر تو گر گئے اپنے	دلہ	کے تو ڈھونڈتا پھرتا ہوا ہے فتنہ تنہا
دلہ	یہ صبح وصل بھی آنسو سے منہ دھلاتی ہے	دلہ	شربِ اراق نہ تنہا مجھے رلاتی ہے

اگر میری زباں پر بار ویکہ انتظار آوے	دل	ابھی رونے پہ ظالم دل مرا بے اختیار آوے
دل زلف میں الجھا مجھے آرام ہی ہے	دلہ	میں صید بلا کش ہوں مراد ام یہی ہے
تار کی طرح کہیں زلف بتاں سے ٹوٹے	دلہ	یا الہی دل سیار بلا سے چھوٹے
ضعیف دل بیمار اس قمرین سے	دلہ	اک کے آہ نکلتی ہے میرے سینہ سے
عشاق تیری گرمی بازار کر گئے	دلہ	اس جس کو گراں یہ خریدار کر گئے
اٹھ چکا دل مراز مانے سے	دلہ	اڑ گیا مغ آشیانے سے
دیکھ کر دل کو مڑ گئی مڑگاں		تیسرے خالی پڑا نشانے سے
ہم نے پایا تو یہ ستم پایا		اس خدائی کے کارخانے سے
غیر از دوی کے مانع دیدار کون ہے	دلہ	وہ یار ہو گیا تو پھر اختیار کون ہے
یہ غضب رکھے ہر مجھے مغفرت سے دور		گردہ کریم ہے تو گنہگار کون ہے
جاگاہ کوئی خواب عدم سے کپوچتے		آسودگان خاک میں بیدار کون ہے
میں مر گیا یہ آہ نہ پوچھا فغان مجھے		درد جگر کسے ہے یہ یار کون ہے

۳۔ فرحت

فرحت تخلص شیخ فرحت اللہ نام۔ بیٹا شیخ اسد اللہ کا۔ اولاد سے قاضی منظر کے، وہ قاضی منظر کے جانشین مرزا شاہ بیچ الدین مدار کے تھے۔ وطن بزرگوں کا ان کے مادر اہل النہر ہے لیکن فرحت مذکور نے دہلی میں پرورش پائی ہے، اور عاشق نثری و دل تنگی ہی میں عمر گنوائی ہے۔ ہمیشہ بند عیش میں سلسلہ مویوں کے گرفتار، اور سدا و رومشقی سے بیگانہ فویوں کے یار۔ شاعر کہن مشق و ہم صحبت شعراء مدار شاہ بہان آباد علی ابراہیم خاں مرحوم نے لکھا ہے کہ یہ عزیز میسر اخلاص مند تھا، اور عسرت کا مور و گزند تھا۔ جب کہ دہلی سے مرشد آباد میں آیا، اور طور سکونت کا وہاں ٹھہرایا، جو جہ سے ہو سکتا تھا خبر گیران حال گاہ گاہ ہوتا تھا۔ غرض بہت تنگنی معیشت کے ساتھ عزیز

کانہا ہوتا تھا۔ آخر لامر سدا گیا رہ سوا کا نوے پچھی میں اسی بلدے کے اندر انتقال کیا، اور اس داعی من سے، ظلاف اپنے تخلص کے بہت مفہوم گیا۔ زبان ریختہ میں اُس نے بہت کچھ کہا ہے، یہ منتخب اُس کے دیوان کا ہے۔

گزرے اگر چمن میں وہ گلزار اپنا تاثر آمد میں نے ندیوں میں ہے اڑکچ جادو کہیں بھڑکتا آتشِ دل کی ہیر اُس شمع نے یہ پوچھا فرحتِ کل کو تو آنکھوں میں اشک بھر کر بلا پوچھ ظالم	دل وہیں چھوڑ بے کلی سے گلِ شامِ اراپنا ہووے وہ آہ یا رب کس طرح یا اپنا لکھ دو مجھ سے دامن اے کوہِ اراپنا اس طرح کیوں گنوا یا صبرِ فرستہ اپنا ہرگز نہیں ہے دل پر کچھ اختیار اپنا
---	--

۴۔ فدوی

فدوی تخلص، میرزا محمد علی نام، معروف میرزا بھو، متوطن تھے اُس اُبڑے نگہ کے جو کہ مشہور شاہِ جان آباد، کر کے نظم ریختہ میں استاد ہے۔ تلاشِ معنی میں فکر سار رکھتے تھے، اور بیانِ حسن میں دل درد آشنا۔ علم موسیقی ہندی میں مناسبت بہت درست، اور تان کی صحتی اور چستی کے جاننے میں نہایت چالاکِ چست۔ چند روز انہوں نے اوقاتِ مرشدِ آباد میں بسر کی ہے، لیکن اس سیر و تماشے کے ساتھ جو کہ وضعِ اہلِ نظر کی ہے۔ آخر شہرِ عظیم آباد میں سکونت کا اتفاق ہوا تو وضع و شریف اس شہر کا ان کا شتاق ہوا۔ فدویت میں معارف آگاہ شاہ گھسیٹا کے حاضر رہتے تھے، اور فیضِ صحبت سے اُس عرفانِ پناہ کے کب علومِ ظاہری اور باطنی کا کرتے تھے چنانچہ اُسی شہر میں اس کہنِ رباطِ مسافر شمسِ مہر سے دل اٹھایا، اور دیوانِ دھمان دوستِ عدم میں اسباب سکونت کا، بھجوا یا۔ زبان ریختہ میں شاعر شیریں بیان ہے، یہ اُس کا منتخب دیوان ہے۔

گر خاکِ پیسہ کی کبھی اے یار گذرنا ایسا نہ ہو زندوں کی کڑک کہیں منہ نیل	مرتبِ بھول کے ہرگز مت اغیار گذرنا میں خانہ سے اسے شمعِ خبہ در گذرنا
---	--

مہ جائے جعاشق تو نہ زہار گذرنا ہے باد صبا کے تشیں سوار گذرنا ست آج سے تو اس طرف اختیار گذرنا پر تو بھی جنا سے نہ سستگار گذرنا ملک دل کو بچا سینے کے تو بار گذرنا اے اشک تو ہو قافلہ سالار گذرنا ہے مجھ کو تو اس کوچہ سے لاچار گذرنا قدوی کے تین ہویں دیوار گذرنا	مندی کی خوباں کی کرک آن کی خاطر اُس بکے تصدق ہیں کہ اُس گل کی گلی سر کل یا کے کوچہ کی طرف گذر گافدوی ہم کو تو وفا سے نہیں اے یار گذرنا تجھ کو انہیں آنکھوں کی قسم تیر نگہ ہے جب یار کے آگے سے چلے قافلہ دل گر نیک دیا تم نہیں جانتے تو نہ جاؤ شاید نظر آ جائے کبھو در پہ تو سوار
دلہ جے دیکھنا مہر کا عا ہے	دلہ وہ کافر ہا ہی شب تار ہے

باب القاف

۱۔ قائم

قائم تخلص، شیخ محمد قائم نام منوطن چاند پور ندینہ کے۔ نظم ریختہ میں اُستاد و مسلم الثبوت تھے۔
ساتھ طبع بلند اور ذہین رسا کے موصوف ہضمون تراشی اور معنی بندی میں معروف۔ کہتے ہیں کہ
ابتداءے شش میں مشدہ سخن کا انہوں نے خواجہ میر درد تخلص سے کیا ہے، اور آخر سخن سنجی میں
اتفاق اصلاح کا ان کو میرزا محمد رفیع سودا سے ہوا ہے پچ قویہ ہے کہ بعد سودا اور میر کے کسی
ریختہ کو کی نظم کا نہیں یہ اسلوب ہے، راقم آثم کو تو طور گویائی کا اس سخن آفرین کے نہایت مرغوب
ہے۔ طوطی کو اقرائش گفتاری کا سامنے اُس شیریں مقال کے، اور خامۂ مانی کو انظارِ فرسودہ
زیبا کی کار و برو اُس نازک خیال کے۔ صفائے بندش سے اُس کی آئینہ کو طلب صفائی و دام
اور خجالت سے اُس کلام رنگین کے گل کو شکستہ رنگی سے کام۔ آبداری اُس نظم صفا پرور کی رشک
افزا آب گوہر کی، اور موجز بنی اُس طبع معنی خیز کی حسد انگیز چٹنہ کو شرکی۔ افنوس ہے ایسے شخص کا

اس جان فانی سے اٹھ جاتا، اور دلِ غمِ حسرت سے دلوں کو اربابِ غم کے جلائے اُس عندِ لبِ
 شاعرِ بحرِ بیانی نے شاید سنائے بارہ سو دس ہجری میں، اُدھر ہی فوجِ وطن میں اپنے، اس
 دارِ فانی سے سیرِ عالم باقی کی کی، اور عجیب طرح کی ایذا جان کو اہلِ معنی کے دی۔ اگرچہ اقسامِ نظم
 میں کوئی قسم اُس شیریں کلام سے نہیں رہی ہے، لیکن رغبتِ طبیعت کے ساتھ غزلِ ازبٹونی
 بیشتر کہی ہے۔ دیوانِ ان کا بھرا ہوا اشعارِ آبدار سے ہے، یہ ان کے منتخب انکار کر ہے۔

دریا ہی پھر تو نام ہے ہر اک جناب کا	اٹھ جائے گریہ بیچ سے پردہ حجاب کا
دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا	دل آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم اتنے سے میں بھی ہوں تادم	کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغامِ اسی کا	دل پر دیکھیو لینا نہ کہیں نام کسی کا
خواب کی طرف دکھو کا بندہ مہو میں	دل ملتے ہیں کہیں نام ہے بدنام کسی کا
بنی بھول سو ڈرا چاہئے کہ کہتے ہیں	دل کرے ہے کاٹ سرفوی سے بیشتر اونا
جب تک کہ ہے تو ہم ہیں ترے ساتھ ہمیشہ	دل جوں مہج کرت لازم ہے آبِ رواں کا
عمدہ سے اُس صنم کے برآیا نہ جائے گا	دل یہ ناز ہے تو ہم سے اٹھایا نہ جائے گا
کہہ اگر جو ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شہنچ	دل کچھ قصہ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
ہم نے ہر طرح ترے ہجر میں دل شاد کیا	دل چکی گرائے تو سمجھے کہ ہمیں یاد کیا
کہاں ہے شیشہءِ محبت خدا کو ڈر	دل مری نعل میں جھلکتا ہے آبدل کا
دل پائے اُس کی زلف میں آرام رہ گیا	دل درویش جس جگہ کہ ہوئی شام رہ گیا
میں اس چمن سو اور یہ مجھ سے چمن گیا	دل لے دل میں اپنے حسرتِ سر و چمن گیا
شیریں تو ساتھ خضر و کرک زوق سے معاش	دل پتھر تھا تیسری چھاتی پھر کو کہن گیا
ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر	دل روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی میں اُترا پھی من گیا
روؤں کا زیرِ سایہ دیوارِ بیہ کر	دل جس دن تری گلی میں کوئی داؤد بن گیا

زلفت کی بھی تھی کس کی خواب میں ت	دل	ہم تھرکتے سچ و تاب میں رات
خونچے ہم اُس کے کوچہ سے		ورنہ آئے تھو اک عذاب میں رات
لیک خالی سی کچھ لگے ہے نفل		دل گرا شاہِ اضطراب میں رات
بھلا اے ابرمڑ گاں اب تو بس کر	دل	ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر
بے شغل نہ زندگی بسر کر	دل	گرا شک نہیں تو آہ سر کر
کچھ طرہ مرض ہے زندگی بھی		اس سے جو کوئی جیا سومر کر
کیوں کیا مجھ کو قویا دگر تاقض	دل	میں نہ شائستہ بسمل نہ سزا قرض
جب موج پر اپنی آگئی چشم	دل	دریا دریا بہسا گئی چشم
ابکے جو یہاں سے جائینگے ہم	دل	پھر تجھ کو نہ منہ دکھائیں گے ہم
ہاں کیوں نہ ملیں گے تجھ سے ظالم		جب گالیاں نت کی کھائینگے ہم
آزدہ ہو غیسر سے لڑیہاں		اس عہدے کو کب برائیں گے ہم
ایسا ہی جو دل نہ رہ سکے گا		ملک دور سے دیکھ جائیں گے ہم
جوں چاہتے چاہ کا شستہ		قائم ہیں تو کر دکھائیں گے ہم
نہ دل میں آئے نہ م رہا ہے آنکھوں میں	دل	کبھی روئے تھے سوخوں جم رہا ہوا آنکھوں میں
میں مچکا ہوں تیرے ہی دیکھنے کے لڑ		جباب وار ذرا دم رہا ہے آنکھوں میں
میں کہا عد کیا کیا تھا رات	دل	ہنس کے کہنے لگا کرا یاد نہیں
ٹکھا ہوں سے ٹکھا میں سامنے ہوتے ہی جب لیاں	دل	یکایک کھل گئیں دونوں طرف سے دل کی پھر کلیاں
جب اُسے غیر سے ہونین کھلانے کا شوق	دل	سرمہ کے واسطے بھیجے ہے صفمان مجھ کو
راہ کے پیچ جو رکھتا ہوں اُسے گھیس کبھو	دل	ہنس کے کتا ہے کہ اب چھوڑ مجھے پس کبھو
اتنی اے دیدہ و دل مجھ پہ نہ بسا دو کرو	دل	دیکھیں کیا ہو دے خدا کو ملک اک یاد کرو
کبھی دکھا کے کمر اور کبھی واپس مجھ کو	دل	نپٹ تنگ کیا تو نے اے میاں مجھ کو

تو اپنے واسطے اے باغبان نہ کاوش کر جو کہ چھلیں تھیں سو ہانے گئیں وہ دیار کو ساتھ ایک ہم خار تھے آنکھوں میں بھی کے سو چلے میں ہوں دیوانہ سدا کا نہ مجھے قید کر دو تھی شرط مجھے اُس سے تو اک رات بے کی	دل	نہیں ہے سایہ دیوار گلستاں مجھ کو سر نہ لگنا ہی پڑا اب درد دیوار کے ساتھ بلبلو خوش رہو تم اب گل و گلزار کے ساتھ جی نکل جائے گارنجیر کی جھنکار کے ساتھ کیا ہے کہ دل اُس نلف سے ہرگز نہ بھرا یا	دل
تج چڑھ اُس کی سان پر آئی دہن کو ترے پایا بات کہتے	دل	دیکھیں کس کس کی جان پڑی ہماری جرسی میں کیا سخن ہو	دل
دل دھونڈتا سینہ میں مرے بوجھی ہو میں جاتا ہوں کعبہ سے اب دیکھو	دل	یاں راگہ کا اک ڈھیر اور اک آگ بی ہو بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے	دل
مردن دشوار میں یہ حال بے نصیر ہو قتل کرنے سے مرے تو بھی ہوا کچھ نفع مر جانے کسی سے پہ اُلفت نہ کیجئے	دل	حسرت دل سوتر سے اُس کی دہلیز ہو خون آب شرم میں اب تک دم شیر ہو جی دیجئے تو دیجئے بد دل نہ دیجئے	دل
مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے یاس میں تجھ غم کیس میں اپنی بھی غم خواری نہ کی دم دم اس رنجش بیجا کو کیا کہتے ہیں شوخ بعد خط آنے کے اُس سے تھا وفا کا احتمال	دل	جو گزرے ہو مجھ پر خدا جانتا ہے دل دیا تجھ کو تو میں نے کچھ گنہ گاری نہ کی دل دیا تجھ کو تو میں نے کچھ گنہ گاری نہ کی لیک دہاں تک عمر نے اپنی وفاداری نہ کی	دل
دل مرادیکھ دیکھ جلتا ہے گندمی رنگ جو ہے دنیا میں ہم نشیں ذکر یار کر کچھ آج	دل	شمع کا کس پہ دل پگھلتا ہے میری پھاتی پہ مونگ دلتا ہو اس حکایت سے جی بہلتا ہے	دل
گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے زاہد و مسجد پہ خرابات کی تو نے	دل	کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے جی بھی ہی چاہے تھا کرامات کی تو نے	دل

ایہ صوفیوں نالاں ہوں اوصافِ غریبوں	اب کس سے مری جان ملاقات کی تو نے
مرہی تجھ کو کیا پیارا نہیں ہے	دل پر تباہی تو ناکارہ نہیں ہے
بتوں کی دید کو جاتا ہوں میر میں قائم	دل مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے۔
کیا ہی نکھر رہا ہے یہ کہ جس کے حضور	دل آئینہ کی قلعی اُدھرتی ہے
قائم آیا ہے پھر وہ بن سخن کر	دل دیکھیں کس کس کی یاں بگڑتی ہے
کیا شہم ہے دنیا کہ یہ ادبِ انجسیم	راہی بے قرب کریں ہم کو دکھا کرندوسیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجے سجدہ	محراب جو غم نہ ہو براے منقشیم

مشنوی بردیہ

سردی ابک برس ہے اتنی شدید	صبح نکلے سے کا پختا خورشید
ان دنوں چنچ پر نہیں ہے مہر	گو دیں کانگری رکھے ہے سپر
پانی چس جگہ کہ کائی ہے	سبز وہ شال کی رضائی ہے
دن کی کشتی ہو دھوپ میں اوقات	کالی گیل میں رات کالٹے عورات
چنچ کی اٹلسی قبا ہے ہمیش	نہیں یہ کمکشاں ہے واکیش
ندی پر آکے بیٹھے جو بگلا	پروں سے اپنا ڈر ہے ہے دگلا
برف کو چوں میں یوں پڑی ہر صاف	جوں کہ اڑتا ہے پنہ بند ناف
کھرے کو دیکھتے کتنے تھو سب یار	ٹھنڈی ہو فلاکے جی میں عبا
پر جو دیکھا ہے غور کریں آپ	نکلے ہے منہ سے آسمان کو کھابا
باد چلتی ہے بسکند اور سخت	روز شب کانپتے رہیں درخت
گرچہ سرما سے خاص عام ہیں	پر کہوں کیا میں حال اہل دول
پیسے رہتے ہیں روٹی میں مجبور	جس طرح ناشپاتی و انگور

جاکے حلوائی کو جو دیکھو کہیں	بنی چھٹ کچھ دکاں میں اس کہیں
تقلیم اب سردی کا ہے یہ نہ کو	شعر ہو گزشتہ تو رکھ مخدور
محش	
شیخ تو نابود ہووے یا تراپندار نیست	بتکہ دیوال ہوں یا ہوں برجن کیاست
کام کیا ہے مجھ کو گو ہوں راہب زیند نیست	کافر عشقم مسلمان مر اور کار نیست
ہر گم من تار گشتہ حاجت زنا نیست	
عاشقوں کو روئے کی کچھ اور ہی ہوتی چوچن	دیکھ ہم رو تفسیں نخت دل جمعی چاہوچن
ہم نہ کہتے تھے ظالم کہ آیا بات سن	ابرا با دیدہ گریاں من نسبت کم
نسبت باریگی وار دوسے خوبا نیست	
دیکھ حال مرا اٹھا کے سوسوہیلے	ساتھی بھاگے ہر اک طرف کوجی لے
کستی تھی جو کفش میں نہ پھوڑوں گی قدم	سوس کے بھی ہو چکے ہیں کنے ڈھیلے
۲۔ قدرت	
<p>قدرت تخلص، شاہ قدرت اللہ نام ساکن شاہ جہان آباد کے مشہور مخدوروں میں سے تھے۔ رشتہ دار تھے میسر الدین فقیر کے۔ صاحب مذاق تھے چاشنی درو و تاثیر کے نظم ریختہ میں زمین رسا رکتے تھے۔ خاطر سخن گستر اور طبع معنی آشنائے تھے۔ طرز مضمون آفرینی سے ماہر، اور اس گفت گوی شگلی کلام سے ان کے ظاہر۔ اکثر فکر اشعار فارسی کی بھی کرتے تھے، لیکن نظم ریختہ پر مرتے تھے۔ تانہ کرنے میں مضمون کے اپنے ہم عصروں میں ممتاز، اور صفائی میں بندش کی نازک خیالوں سے بہت کے دمساز تھے۔ وارستہ فزاجی کے یار، اور آزادہ حالی سے سر و کار۔ ایک مدرسے دلی کو چھوڑا تھا، اور وار و مرشد آباد تھے، اکابر اور اعوان اس شہر کے سب ان سے بہر عنایت و امداد تھے، علیٰ اہل</p>	

خان مرحوم نے لکھا ہے کہ ”مجھ سے ان کو اخلاص اور اتحاد تھا۔ واقعی عزیز اپنے طور کا استاد تھا۔ شاید
 شمس ۱۲۰۰ء بارہ سو پانچ ہجری میں اسی بلدے کے اندر انتقال کیا۔ اور طبع کو صاحب طبعوں کے
 حد سے زیادہ پر مال کیا۔ دیوان میں اُس صاحب قدرت کے ہر قسم کے اشعار ہیں۔ یہ غزلیں انکی
 منتخب افکار ہیں +

ہنگامہ پر ہیبت زورِ عجب اب پڑ آیا	اسے بادہ کشاں مژدہ کہ بھر ابر تر آیا
کچھ دیر ہوئی اشک نہیں آنکھوں سے گرتے	شاید تہِ مژگاں کوئی نخت جگر آیا
غفلت میں کئی شام جوانی تری صغیف	پیری میں تو تک چونک کہ وقت سحر آیا
ترے حضور میں جب قصد عرض حال کیا	بہجوم گریہ نے میسری زباں کو لال کیا
میں دماغ تازہ میں توڑے یہاں تک لائن	کہ ایک بدر کا کاسہ پر از ہلال کیا
ہوا ہے اُس کے گلوں میں گرہ دم اعجاز	ترے لبوں نے میسہ سے کیا سوا کیا
ٹوٹی گندِ نخت کا وہ زور رہ گیا	جب بام دوست ہاتھ سے کچھ دور رہ گیا
ادھر سے نغم گرہ ہے ہو چلے دے	ناسور تھا جگر میں سونا سور رہ گیا
دقوں سے رنہ دل یہاں جنت مسدود تھا	یک ذرا کھولا تو دیکھا خانہ پُر وود تھا
کبریاں کا جو دیکھا میں نے جس جاں نطور	اپنی اپنی حد میں جو پستہ تھا اک فرد تھا
حالِ قدرت پوچھ کر کچھ تو ظالم مجھ سے سن	اُس کے بایں پر دعا کو آج ہی موجود تھا
آہ جو آشتی تھی دردِ دل سے بھی لپی ہوئی	اشک جو گرتا تھا سو نخت جگر آلود تھا
بتیاہوں سے یہ دل بیتاب رہ گیا	اپنی طیش میں جل کے یہ سیاب رہ گیا
آنسو تھے ہیں پر نہیں سوکھی ہے چشمِ تر	دریا اُتر گیا ہے پہ گرداب رہ گیا
ہم پہ ایامِ مصیبت آج پھر آنے لگا	یارِ گھر جانے لگا، دوائے گھر جانے لگا
جب میسہ آتشِ جاں ہوں تو کب ہو زندگی	کون رہ بتلا سکے جب خضر بکاتے لگا
مجھ کو غفلت نے خبر ایامِ فرصت کی ندی	آہ جب جاتے رہی دن تیر میں بچتا لگا

کب تلک ارنالہ زیر لب رہیں گا تو گرہ	حاصل باقی نہیں بس جی تو گھر بنے لگا
دل سدا سینہ میں جلتا ہی ہا تو نے گوجہ کو دلا سے میں رکھا دل ہوا سیر زلفِ سیہ فام رہ گیا جب دیکھتا ہوں مجھ کو تو دیتا ہو گالیاں اُنکے نہ چل سکا تو کہ چپے کو کچھ ٹکر قدرت کس آسکے پھر کوئی یہ زندگی	دلختِ دل آنکھوں سے دھلتا ہی ہا جی مرا تو بھی تو گھلتا ہی ہا دلہ حیدر ضعیف مر کے تیرا دم رہ گیا اپنے نصیب کا یہ اک نعام رہ گیا خورشید جا کے تاب رہ لب بام رہ گیا آنے سے اب تو نام و پیغام رہ گیا
آتشِ فروز دل ہوتا حق شعلہ دلا دھونڈے ہر پاس اب کیا سینہ میں غزل کشتہ ہوں جانِ دل تیرے خندنگ کا پس تشنہ لب تر ہوا نہتِ موج و دمِ مشیر کا خوابِ غفلت کو گئی تھی ان دنوں دل کو ابھی رنگِ خونِ تشنگاں جس جا سے اڑ سکتا نہیں گھر سے جس وقت وہ غارت گرا یاں نکلا وہ دل حج کر اٹھا جو قبل سے اپنی	ہر اشکِ ہر شرارہ ہر آہ سبے بھیر کا مدت سے لٹ پکچا یہاں سامانِ آرزو کا جسے کہاں میں ہو گیا بیا سامرے لہو کا اے غور ناز کچھ بھی فکر اس نخچیر کا آہ پھر کس نے چھپیڑا اسلہ زنجیر کا ہوں اسیرِ ناتواں اُس خاکِ دمنگیر کا کھنکھ سے گبر گیا دیں سے مسلمان نکلا تو بزرگِ شکن زلف پریشان نکلا
اس چشم سے ہو کے آبِ نکلا جو نالہ جگر سے پار نکلا خط آیا و لے ہمارے خط کا	سینہ سے دل خراب نکلا لے سیخ پر اک کہاں نکلا منہ سے نہ ترے جواب نکلا
بیتِ سخن میں شب کہ ترا انتظار تھا ایہ صبحی ایک بار جفا کی عنان کو پھیر دستِ برونظم سے تیرے ہیں جتنے ہم خراب	لکھکا ہر ایک دل کا مرے جی کے پار تھا دل ہو خندنگ دوست جگر ہونا طلب اس قیدیِ ہودے کا عالم میں کوئی کم خراب

مست دلو بے فائدہ پچائے نہ کر ہم غریب	نغم سے دل کے بھی اسے چادر گرتا ہے
خوشا ایام اوقاتِ محبت	کھٹے رونا کھٹے سر کو پگھلنا
پھر مجھے زنداں میں اسے زنجیر پہنچ	ہرزہ گردی سے رہائی کے کھپٹا
میسر پہلو سے نہ اپنا تیر کھینچ	جان ہے وابستہ اس پکیاں کے نغم
کرنا اسیر کریں مل کے ایک جافریاد	ذرا غص سے غص تو ملا کے رکھ صیاد
سمجھ کے نامہ مرا ماتھ میں نہ لے کاغذ	جماں نظر پڑے پاؤں تلے لے کاغذ
ادھر چلے قدم اور اُس طرف گلے کاغذ	میں کیونکہ اُس کو لکھوں خطبہ شک و سہیا
مری آنکھوں میں تجھ بن دیدہ ناسور بر سار	کسے جزغونہ دل میں نہ میں منظور بر سار
نحس دل جب چھارہ ہو دیدہ نساں پر	آہ روے پاک تیرے کس طرح آؤ نظر
شورِ محشر ہی رہا قدرت کی مشیت خاک	یہ دل شوریدہ جیسے سناٹھ ہوزیر زمیں
اگر دیدار کا طالب ہے تو آئینہ پیدا کر	تجلی جلوہ چاہے تو صفائی سینہ پیدا کر
کیا زیت ہو اپنی ادھر آتش ادھر آتش	ہے نالہ شام، آتش و آہِ آتش
آتش کے جلے کو نہ کرے یہ جگر آتش	جزوغ تدارک نہیں اس داغِ جگر کا
خاشاک کے پہلو میں چھپے آن کر آتش	پھاہو کو اگر داغ کو چھاتی کے چھڑاؤں
لے چلے حسرت بھر اہیاں کو دلِ تھکاڑ	چل بسے دنیا سے بن دیکھے ترا دیدارِ حیف
حفظ جاں کے واسطے گر کیجئے انکارِ حیف	جرم تیریری مجھ سے کہیں کرتے ہیں قتل
ورنہ کیا جانوں کہ سر پر کیا بلا لاؤ فراق	مرگ پہلی ہی جب تلک آئے فراق
حیف پہنچا ہو نہ اپنا کارِ شوق انجام تک	زخم پہلو سے نہ پانی آہ دلِ ناکام تک
آہ وہ بیچارہ پھر جو سے گا کیونکہ شام تک	صبح کے ہوتے ہی ہو جس کی یہ حالت
جب تلک پہنچو تو قاصد اُس پہنچے کام تک	کر چکا ہے کام اپنا یہاں تو دردِ انتظار
لے گئی آخر جو اسے گل شکنجِ دام تک	ہم نہ کہتے تھے کہ قدرت مست چین کی ماہِ چل

رنگ کچھ اور ہی بدلتا ہے مرا بیتا نب دل
 گرے تھے آگے اس در پہ سچ کر اپنا ماں ہم
 ہوا یوں پھر گئی اس بزم کی اپنے نصیبوں سے
 شب جہاں کو قدرت اس طرح ہم روز کرتے ہیں
 جو نقش قدم ہیں ترے وے خاک نشیں ہم
 نسبت، ہماری تری جوں سایہ خورشید
 گئے وہ دن کہ پلک مارتے یاں دیبا ہے
 تیرے جاں سوختہ خورشید قیامت کے تیش
 بیہج مت مہم کا فور تو قدرت کے ہند
 ابرو ترے کہتے ہیں کہ میں تیغ دوسر ہوں
 شایستہ دنیا نہ سزاوار ہوں دیں کا
 دل سے کہاں نے کہ سینہ میں یاں رہوں
 قدرت بزرگ بھی آرام کب ملے
 اگ اُس داغ کو لگیو کہ نمک سو نہیں
 مرجب آتش دوری کہ جلا یا ایسا
 زخم پر زخم لگے تب ہوتی دل کی
 شام کو دھوتا ہوں سو خون جگر سے آستیں
 تو بھی کم ابر بہاری سے نہیں اے چشم تر
 نحت دل اور اشک ہرگز خاک پر گرنے نہ دے
 جنوں تیرے ناخن مگر گھس گئے ہیں
 پٹکنے لگے اشک گلگلوں مڑہ سے

سہ گھڑی آتش کا کالہ گھڑی سیاب دل
 اگر تو ہے نہیں راضی تو جاوین آہ کس کن ہم
 گئے جاتے ہیں اور سب نست تیرے لیکن شمن ہم
 کبھی سر کو پٹکتے ہیں کبھی کرتے ہیں شیون ہم
 تا مٹ نہ چکیں آپسے چھوڑیں نہ نہیں ہم
 جس جا نہیں تو ہم ہیں جہاں تو ہو نہیں ہم
 اب بھد خون جگر چشم کو تر کرتے ہیں
 ہر سر پر سپہ ناسور جگر کرتے ہیں
 یہ علاج اور ہی زخموں پہ اثر کرتے ہیں
 عاشق کا یہ دعویٰ ہے کہ میں سینہ سپر ہوں
 اے داسے میں قدرت نہ ادھر ہوں ادھر ہوں
 ناوک یہ پوچھتی ہے بھلا میں کہاں رہوں
 یہ درد و داغ ساتھ پیسے جہاں رہوں
 پھوٹے وہ آنکھ جو نحت جگر آلود نہیں
 جل نبجے سر سے لے پاؤں تھک اور نہیں
 حوصلے پر مرے اک زخم کچھ افسانہ نہیں
 صبح خون آلودہ ہے پھر چشم تر سے آستیں
 کر دے اب رشک جن خون جگر سے آستیں
 بھر لے اے قدرت تو اس لعل دہستے آستیں
 کہ عقدہ پڑا ہے بکار گریباں
 پھر آئی ہے فصل بکار گریباں

<p>دل ہو گئے پامال تیرے حسرت پاؤں میں دل کوئی بچاتا ہے ارے ظالم چورخ فود کو دل زخم سینہ سے سد آفت رہی ناسور کو دل دے سرناخن سے پہلے آشتی انگور کو دل نہ دے برباد اے ظالم غبار خاک راں کو دل گریباں ڈھونڈے جو دامن کو اور دامن گریباں کو</p>	<p>دلف قافلہ کے قافلے اس رہ میں جو نقش قدم دلف بہ نہ کر مرہم سے دین سینہ پر نور کو دلف دن نے دل کو مرے تہنا نہ چھوڑا ایک دم دلف تب خزاویے گا قدرت زخم سینہ پر نلک دلف نہ جا اس بزم سے ہرگز جھٹک مت طرف اماں دلف ہو دوست جنوں سے تار تار از بسکیر بہن</p>
<p>دل یہ شام غم ہماری اب کس طرح محسوس ہو دل ہماچھیہ دیو مست مرے استخوان کو دل کہ سینہ سے لب تک نہیں بے فغان کو دل کیا ہم نے آخر زمیں آسمان کو دل مرہم تازہ ناسور کہن چھونے ہے دل جو شر رول سے اٹھا سو جلود طاؤس ہو دل اب دویع ننگ ہو اور رخصت ناموس ہو دل کیا ہو ملک و دم دیکھا ہی سرزمین روس ہے دل چل دکھاؤں تو کہ قید آرز کا محبوب ہے دل جس جگہ جان تناسو طح مایوس ہے دل یہ سکندر ہے یہ دار اسے یہ یکاؤس ہے دل کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے دل آج رہن جام نے پھر فرقہ سالوس ہے دل تیر سید اجد ہر رخ کرے گھر اس کا ہے دل دیکھ اس راہ نہ چل راہ گدراں کا ہے</p>	<p>دل تم نے تو نہ چھپایا اس زلف عین میں دل میں رکھا ہے اردو کہاں کے نشان کو دل گلو گیسے بریاں تلک ناتوانی دل اڑانی زبیں خاک ماتم میں دل کے دل فوج کشتی سے خنجر وار کیاں چھاتی تھو دل کس کی نیزنگی یہ برق خاطر مایوس ہو دل صبر و طاقت تو کبھی کے کچھ یہاں سو کر گھر دل کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھ دل سستے ہی عبت یہ بولی اک تاشا میں تجھے دل لے گئی یکبارگی گور غریباں کی طرف دل مر قیدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے دل پوچھ تو ان سے کہ جاہ و مکتب دنیا سو آج دل کل تو قدرت پائے خم رکھتے تھیں چہر یا دل سینہ اس کا ہو دل اس کا ہو جگڑاں کا ہو دل اس گلی سے جو کوئی گدراں سوچی گدراں سے</p>

تخم غم دل میں جو بیا تھا مٹا کر اُس کا ہے	مخت دل نوک شرہ پر نہ سمجھ اے ہمد
دل نہ ہونا چشم کا بہتہ تھا ایسی کورا آنکھوں سے جدا ہوتے نہیں جاوے نگر کو دور آنکھوں سے اشارت بات کی کرتا ہے جوں بنجور آنکھوں سے	دل نہ تھی تاب نگہ جب لگ گیا وہ دور آنکھوں سے جہاں جاوے وہ نور دیدہ آنکھوں کے مقابل ہی زباں قدرت کی ضعیف ہر سوز اہس کی لکنتیں
دل کہ چشم مور سے بھی تنگ تر ملک لیاں ہے یہ کچھ شاعر نہیں ہے اپنے دل کا مریخ غاں ہے کیا میں وادی الفت کو طے اک جنبش دل سے	دل کہرا قیہم قناعت کا سفر تاج پر روشن ہو لب قدرت سے جزو بیا کچھ ریختن نہیں کرتا نہ واقف کارواں سہوں نہ کچھ آگاہ منزل سے
دل سرخز گان تلک اک اشک اب آتا ہر شکل سے نہ ہو غافل ارے صیاد صید نیم سہل سے دل کدھر فرما د شیریں ہے کدھر ملی مجسمنوں سے	دل گئے ویر دن کہتے تھے پڑے نالے ان آنکھوں سے کرے تو فوج جب تک اور کو یہ منت مرقا ہے ضیقت بوجھ ملنے کو کہ یہ عالم اک افسوں ہے
دل یہ سر ہے اور زانو آتیں اور چشم پُرخوں ہے دل شکل ہے قیامت ہے مصیبت ہے غصہ ہے دل دست امید ہے اور دامن مایوسی ہے	دل تو کیا سامان پوچھے ہی کہ تجھ بن کیونکر گدے ہے آساں نہ کئے گی یہ جدائی کی جو شب ہے دل پر دغ ہے اور حسرت پابوسی ہے
دل تیرے بیدار دسد اور پئے جاسوسی ہے دل رعبے نے مگر تیری زباں چوسی ہے دل یاد میں اپنے اگر ہے تو فراموشی ہے	دل گم گشتہ نبرد دار کہ یاں سینہ میں دم جاں بخش کی اُس کے جوڑی ہے یہ دھوم جس جگہ جلوہ تزامیہ نہ ہوشی ہے
دل نقش پا سے مرے سجدہ کو ہم آغوشی ہے	دل آہ یہ کون سی منزل ہے کہ رکھتے ہی قدم
دل اے خانہ خراب تو کہاں ہے دل وہ زخم نہیں وبال جاں ہے دل اگر فک سرخ زخماں ہے دل آئینہ نہ حال رہ رواں ہے	دل سرگشتہ ترے لئے ہاں ہے دل جو زخم کہ ہو چکے نہ ناسور دل قدرت تک کھول چشم عبرت دل جو نقش قدم ہے اس زمیں پر

دل شک کبے سنی کچھ رقم رہے	دل	نخست دل ترگاں پر شاید جم رہے
اب تو اس منزل سے نہیں اٹھتے قدم		ہم راں آگے چلو تم ہم رہے
ہر آن اک ستم ہے ہر لحظہ اک بجاہر	دل	کوچہ تر ہے ظالم یہ بادشت کربلا ہے
ملتا نہیں کسی سے اس پر ہو کیا مصیبت		یارب یہ دل ہمارا کس سے جدا ہوا ہے
ہو کر و باد جید صحرایم کو اود صحر ہے جانا	دل	صحرا میں گم ہوں کا یہ خضر رہنما ہے

باب الحاف

۱۔ کلیم

کلیم تخلص، شیخ محمد حسین نام۔ شاہ جہان آبادی۔ مشہور سخنور ہے دلی کا نامور قرائیوں میں میر تقی میر تخلص کے تھا۔ ایک رسالہ عروض و قافیہ کا اس نے زبان ریختہ میں لکھا ہے، اور خصوصاً حکم کا ترجمہ بھی زبان ہندی میں کیا ہے۔ ایک نثر اور بھی رنگین زبان ریختہ میں ریختہ قلم معنی رقم رکھتا ہے۔ لیکن باوصف اس خوش گوئی کے کلام مشہور بہت کم رکھتا ہے۔ عہد و ولست میں احمد شاہ بن فروریں آسکا کے ایام اس کے شعر و شاعری کا تھا، اور زمرہ پروازان شاہ جہان آباد کے ساتھ ہم صغیر و ہم نوا تھا۔ چنانچہ دلی ہی میں اس خرابہ دارِ فانی سے گذرا، اور قسیم بیت المعمور کا شانہ باقی کا ہوا۔ صاحب بیان اور شاعر شیریں بیان تھا۔ یہ اس کلیم طہر سخندان کے کلام سے ہے۔

گور و خضر رضواں کو میں اک آن میں دیکھا	دل	جب گل کی طرح جھانک کر بیان میں دیکھا
لگتی ہوا بے توقیر مینا کو دل کو ٹھیس	دل	وے دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا
قبر میں بھی لئے ہمراہ گیا اپنے کلیم	دل	آہ کیوں دردِ دل اپنا نہ کسی کو سہنپ
رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ پس پریچ	دل	اے دل سچ کے جایز ہے راہ ما پر سچ
ہو چکا حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق	دل	رہ گیا میں ترے کبچے میں گرفتار ہمنوز

پوچھت غم کی داستاں احوال	دلہ	لہڑا ٹوٹ آسماں اسے دل
ہیری کی بھی سیر کر گئے ہم	دلہ	اس پل سے بھی بس گزر گئے ہم
دل غصہ ہوئے رقیب پر تم	دلہ	یاں مارے ادب کے مر گئے ہم
بات اُس کی زبان پر آئی	دلہ	پھر خرابی جہان پر آئی
غور و حین مکن کیا کسی کی داد کو پہنچے	دلہ	غرض ہم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے
اُس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا جاہٹے	دلہ	اول اپنے قتل پر شکیں کھینچا جاہٹے
عرق ہر منہ پہ ترے یا گلاب شپکے ہو	دلہ	عجب ہے مجھ کو کہ شعلہ سے آب شپکے ہو
تجھ میں آنکھوں میں کیونکر رکھوں کہ پروں	دلہ	پھر ایسا گھر کہ یہ خانہ خسرو شپکے ہو
گلر و تو جہن میں جیسی سے نہ گیا	دلہ	یہ دل بھی کلی سے بے کلی سے نہ گیا
جو کوئی گیا دل کو گیس پھوڑیاں	دلہ	دل سے تو کوئی تیر ہی گئی نہ گیا
دنیا کے ہاتھ سے جو دل ریش ہیں ہم	دلہ	اس واسطے یاں عاقبت اندیش ہیں ہم
دنیا داری و نوکری محنت و کسب	دلہ	جب کچھ نہ بنا کہا کہ درویش ہیں ہم

باب اللام

۱۔ لطف

لطف تخلص میرزا علی نام۔ راقم ہے اس چند اوراق پر نشان کا، کہ مانند نامہ اعمال اپنے کے
 سیاہ کئے۔ اور اسم گرامی والد بزرگوار کا اس خاکسار کے کاظم بیگ خاں ہے متوطن اسطر آباد شجاعت
 بنیاد کے ہیں۔ یہ لکھنؤ گیا رہ سوچن بھری میں نادر شاہ کے ساتھ شاہ جہان آباد میں تشریف لائے
 اور اب منصور خاں صفدر جنگ کی وساطت سے، کہ آپس میں معرفت ولایت کی تھی، مصدر رعنا
 بادشاہی ہوئے۔ آج کے بیان امورات دنیوی باعث ہر طول کلام کا، اور وہ معاملہ دیکھا ہوا ہے غلام

و عام کا۔ بہر حال غزل فارسی کے کفن میں حضرت کو یہ طوطی تھا، اور سب جی تخلص آپ کا تھا۔ اس تذکرے میں انصاری ہندی کا التزام ہے، اس سبب سے یہاں لکھا نہیں گیا آپ کا کلام ہے۔ اصلاحِ فکر کی اس پیمبران کو آپ ہی کی جانب سے، اور مشورہ ریختہ کا حفظ اپنی ہی طبعِ ناصواب سے۔ یہ غزل پڑے کتنی ایک کہ سراب گاہ طبعِ ناقص کے فراہم ہوئے تھے، عرضِ خدمت از بابِ معنی کے کئے جاتے ہیں۔

<p>پاسِ ناموسِ محبتِ فرض ہے پروانہ دار بلبلِ گل میں وہ جوششِ سر و قمری میں یہ ربط غیرِ لہرِ رشکِ لایت ہے مری جانب سے کج چمن کو گلِ جوتری نے کشتی کا دھیان آیا رہا جو زندہ شبِ تیسرہ فراق میں قیس جو عمرِ حاضر ہو شاید تو دل ہوے نصیب نہ آنکھ بھر کے کبھو ڈر سے ہم تو دیکھ سکے نہ کر اے بلبلِ نل سوختہ صیتا د کا شکوہ نہیں شیریں پہ کچھ موقوفِ قیمت کی خوبی میں اپنی سرفراست ہے کیا شاکی تھا گلشن نہ تنہا میں ہی اپنی فائدہ دہانی کا شاکی ہوں ترے کا ذوقِ لہر بھی لطافت کے ساتھ ایک دن حالِ دل زار نہ دیکھا نہ سنا دیکھ لک بغضِ مری رو کے لگا کتنے طبیب وہ مجھے تم نے دکھایا ہی کہ عیقوب نے جو نحتِ دل کرتا ہی کیا کیا صدفِ شرکاں پر نہ</p>	<p>شمعِ ساں سوزِ شبِ ہجرانِ زباں پر لائیں کیا گلستانِ دہر میں پھر دل کو تیشیں ابھائیں کیا سُن کے کہیں سے قدرواں اب کیونکر فرمائیں کیا ہر ایک پات کے کھڑکے پہ گل کا کان رہا سیاہِ خیرِ بلی کا اس کو دھیان رہا یہ زندگی جو تھی اس میں تو امتحان رہا وہ سامنے بھی اگر اپنے ایک آن رہا کہ جاں بازوں کو دیں میں کفر ہی جلا د شکوہ زبانِ تیشہ کوئی سنے فسردا کا شکوہ تسلی چھوٹی قمری سے سُن شمشاد کا شکوہ کرے ہواک جہاں اُس خانماں آبا کا شکوہ ہے اک عالم کو تیشہ سے زیادہ کا شکوہ سچ تو یہ تجھ سا بھی دلہ از نہ دیکھا نہ سنا کبھی میں نے تو یہ آزار نہ دیکھا نہ سنا کبھی اے دیدہ و نثار نہ دیکھا نہ سنا اس جواں سا بھی نمودار نہ دیکھا نہ سنا</p>
--	--

چشم اور گوش زمانہ میں مقر اس کو لطف
 ہے اس شدت سرگینی کوئے یار کا چرچا
 ڈھکارہ جائے اسرار محبت تو غنیمت ہر
 بزم گہیکر تصور رہتا ہوں سدا ساکت
 نہیں ہر یار کو چہ سے یہ فرصت کہاں ہم
 بیان درود کس لطف سے کرتے ہزار افسوس
 زہے غفلت کہ ہم دنیا کو بزم عیش سمجھتے
 نہ کرے لطف نافع رہ روانہ ہر سرِ محبت
 ازس نہ ہوا ہم سے سراغِ محبت
 فریاد سا نہ رنگ نہ جنوں سا کیا حال
 کیونکر نہ بھلا ہم بوزنگی اب مشکل
 اک آہ کے کرتے کو سچا نہیں تہیدیں
 دو لاکھ بہانے ہوں نت روئے دو آنسو
 یاروں نے یہ تو کہنی کیا بھانیاں ہیں
 میں کیا ہوں باختہ رنگ اس شعلہ رو کو آگ
 اک جوئے شیر بے اے آفریں ہر فریاد
 کب خچہ دل اپنا دلا شہبہ ہوتھہ سے
 طاقت جہاں اک نظارہ کی ملی ہے
 کعبہ سے ہم نہ واقف نہ تگدہ سراگاہ
 اس قہر کو سر و ذکر کچھ نام نہ اور بربا
 اور لطف اس غزل پر کہنا بقول سودا

ثانی حیدر کرار نہ دیکھا نہ سنا
 کہ بھولا عند لیبوں کو گل گزار کا چرچا
 ہوا ہے اب حکموں میں مری آزار کا چرچا
 ہوا اس پر اس کی مغل میں مری گفتار کا چرچا
 کہ اب دن رات بیٹھے کچھ اغیار کا چرچا
 جو ہوتا بزم میں اس کی گبی اشعار کا چرچا
 کھلی چشم حقیقت میں تو کام اڑو با بھلا
 یہی رستہ تو کھا کر پھیسے کعبہ کی بھلا
 شرماتا ہے دل لیتے ہوئے نام محبت
 کس منہ سے اسے بھیجے پیغام محبت
 ہیں دل میں تو سو باتیں اور جنبش شکل
 کس سو کہیں حال لہو آہ عجب مشکل
 دو دن کا ہوا جینا ہم قلعہ غضب شکل
 بے وجہ کچھ نہیں یہ ہم سے رکھائیاں ہیں
 ہمتا کے بھی منہ پر چھپتی ہوائیاں ہیں
 کیا بے ستن میں غل کی نہری پائیاں ہیں
 گو سیکڑوں گلوں کی عقدہ کشائیاں ہیں
 ان فرصتوں پہ ظالم یہ خود نمایاں ہیں
 یہاں آستان لہو اور جہد سائیاں ہیں
 غنچہ کو دل میں ڈھب باتیں سائیاں ہیں
 یہ عاشقی نہیں ہر زور آئیاں ہیں

<p>کبے ہم ایڑیاں رگڑتے ہیں لخت دل یوں مڑو کر جھڑتے ہیں ورنہ اب یا رہی بسر تو ہیں</p>	<p>اومیاں تیغ والے ادراک زخم برگ گل جس منظر خزاں میں چھیں بس غم یا راب نبرہ جلدی</p>	
<p>ہم ہیں کج عزم میں یہاں ادب ان کو نیر لیاں یاں بدن پر ہے ہجوم دغ سے گلکاریاں یا دیں حال پریشاں کی مرے کچھ خوابیاں ہم پہیاں موئے بن کرتے ہیں نشتر نایاں یاں مری چھاتی تپیں کالے لہریں لیاں تم دہاں چتون کی دکھلائے ہو جادو گاریاں گفتگو کی تم دکھلائے ہو دہاں طریاں دشمنوں سے یہاں چھپا کر ہمیں کرتے زاریاں کھینچ گئیں یاں طول شدت سے مری سیاریاں سو جھتی ہیں دہاں تیں ہر بات میں تہ لیاں ان بھلاؤں سے وہ باتوں میں تری عیاریاں</p>	<p>تم ہو بزم عیش ہے دہاں اور صحبت دلیاں تم کو سیر باغ و گلشت چمن کا دہاں ہے شوق دھیان ہے آرایش زلف پریشاں کتیں تم صفا و ساعد و بازو دکھاتے ہو دہاں تم نے دکھلائی دہاں پیٹ اور چوٹی کی پھین نیک بد و دونوں کو یہاں ہم نے تو آنکھیں بند لیں یہاں بزم پیکر تصور ہم خاموش ہیں تقصے تم مارے ہو دہاں باؤ از بلس ہر مریض غم کی جان بخشی کا ہے تم کو دھیان اضطراب لے رہے پردہ ہوا یہاں مار عشق کیا کسی سے بات کیجے بھولتے اک م نہیں</p>	
<p>دھر ہے آبلہ دل ہمارے پہلو میں نہاں ہو یہاں وہی عالم ہر ایک آنسو میں لے ہو وضع فلک کی بست تر و خیمیں کہیں خنجر ہے جلا کر دیتی آب گوہر کو نہ آساں بھیجو پانا سہیختی ہنر کو نہیں گو کچھ بھی نقش بویا تو ہو گا بستر کو دفا دشمن شتابی کر ذرا بسر زینا کو</p>	<p>نہیں یہ شیشہ مت اور محتسب دھڑ میں کب اپنی چشم میں طوفان فوج کو ہو قدر اگرچہ فرق زمیں آساں کا ہے تاہم خوار یکی سے کیا ضرر پاکیزہ جھہر کو گور جا سر سے مانند قلم کہے سر شاہی کبھی تو خاکساروں کا بھی غم خانہ گردش چھلکتا عمر کا اک دم میں ہیاد ہو اساقی</p>	

پھر مجنوں کا دل سنگِ طاقت سے نہ مرنے لگا
 کیا ہم نے تو ترک مدعا کو مدعا اپنا
 نہیں معلوم کیا اس سینہ سوزاں میں پہنا
 نہ میں فرما دوں اور عشق نہ مجنوں لختہ
 تری طرہ سخن پہنچی کہیں اے لطف گلشن میں
 جس دن سے ہم جنوں کے ہیں دُعاں لگو ہو
 اللہ سے قید خانہ بہستی کہ دم کے ساتھ
 رویا میں دیکھ مرقد مجنوں کو دھار مار
 بارے چھوڑا میرے بلا اُس گلی میں آج
 بیمار کا حراسے تو کھلا حال بعد مرگ
 یارانِ پیش رو ذرا ٹھہرو کہ جوں جرس
 رکھ سچ کہ قدم مرے وادی میں گرد باد
 کوئی تو میرے ناصح دانا سے یہ کہو
 کیا دن تھو وہ بھی لطف کہ ہر تھو شرف
 خورشید کی بھی آنکھ فلک پر چھپک گئی
 سب کتا نہ گیر اپنے اور بیگانے ہوئے
 شہر میں پایا نہ تیرے جوئے شہر اک اب
 بزم میں آیا جو شبِ گل رخِ خوں شمع سے
 سنتے ہیں کی محبت نے بیعت دستِ سہو
 تو تو کس کا آشنا ہے ناں مگر کہنے کو ہم
 روشن ضمیر کیونکہ نہ ہوں دل کو مانع سے

بڑا ہی چاہئے بحرِ جزوں میں بارنگ کو
 خدا تو نیک بخشے نیک چن سفلہ پر در کو
 کہ ہر تارِ نفس جوں رشتہ شمع لچ سوزاں
 مرا پھر منتظر تبتلا تو کیوں کوہ و بیاباں ہو
 نژادِ اسے بلبلِ چمن میں غل غل اس
 دامن کی جایاں ہیں گریباں لگو ہو
 ہر اک قدم پہ لاکھوں ہیں نڈاں لگو ہوئے
 تھے جائے گل و رخت مغیلاں لگو ہوئے
 ہیں تو وہ ہائے گنجِ شہیدان لگے ہوئے
 سینہ میں زخم تھے کئی پہناں لگو ہوئے
 ہم چھپے چھپے آئے ہیں نالاں لگو ہوئے
 پاؤں سے اپنی ہیں یہ بیاباں لگو ہوئے
 دل چھوٹے ہیں باتوں میں ندیاں لگو ہوئے
 کاؤں سے اس کو ہم سہی پریشاں لگو ہوئے
 ٹک جو گرہ نقاب کی اُس کے سرک گئی
 اب کی فصلِ گل میں ہم بے طرح دیوے ہوئے
 گھر بہ گھر ظالم مرے مذکور افسانے ہوئے
 بلبلوں کی طرح جی دینے کو پردائے ہوئے
 مژدہ سے فوشاں کہ پھر آبادی مچانے ہوئے
 آشنا ہو تجھ سے اک عالم و بیگانے ہوئے
 خورشید کو ہر کسب ضیا اس چرخ سے

<p>دو خود فروش آگیا بارے چن میں کل ہو دے فضا نے ہستی موبوم کا بڑا اُس گلبدن بغیب رہیں سر باغ میں جس ل زوے کو فزہ بلبل ہو بانگ ناز دیکھنا جن صورتوں کا شکل تھی آرام کی دل نصحت ای اہل وطن اب ہم میں تو آوازی یا نے ان تنگ کوچوں کی فضا صحر کی دیکھ گردش چشم تباں کے بسکہ ساغروش فخر جب سے کھینچا لطف رخ فرقت یا رو دیا</p>	<p>بڑے خودی کل گئی کل کے دماغ سے کنج عدم میں کاٹتے تھے کس فراغ سے صوت ہزار کم نہیں فریاد ناز سے کیا خاک وہ مشکفہ گلگشت باغ سے ان سے ہیں مسدود راہیں نامہ پیغام کی حق رکھے بنیاد قایم گردش آیام کی ہر قدم پر جان ماری ہے دل ناکام کی گردش گردوں کو ہم کہتے تھے گردش عام کی اب ہوئی معلوم محنت گردش آیام کی</p>
<p>کیوں دل پر مے جاو دو ان آنکھوں کا نہن جا پلکیں وہ نکلیں کہ نظر جب پڑے ان پر بے چین بہت لطف کی ہے کل طبیعت کیا سبب بتلایں ہنتے ہنتے باہم رک گئے ویر تک ضعیف سخن کل اس میں اور ہم میں رہا ادھر سے جتنی یگانگت کی ادھر سے اتنی ہونی جدا نہ ہم کو بگڑنا وہ دجی نہیں ہر کچھ تو کہو دھیان اس کا</p>	<p>جس پر کہ پڑے آنکھ سودیو انہ ساین جائے سینہ میں یہ عالم ہو کھج کا لکھن جائے امد کرے تاج وہ روٹھا ہوا من جائے خود بخود کچھ وہ کھچے ادھر ادھر ہم رک گئے بول اٹھے گھبرا کے جب آخر کے تین دم رک گئے بٹھائی تھوڑی سی جب ادھر بہت سی تھنے ادھر گھٹائی کے کی خلقت کہ ہر چکی بس وہ دیکھ دو دن کی آشنائی</p>
<p>جستے کے بزم مری بودیکھو ہر آئینہ آئینہ محل کا تیسرے منہ دکھو ہیں کیا صاحب تاج دیوم ہم اکٹھا تھا دیکھیں گردوں کی نظر</p>	<p>یوں جام کے چم سے کہ مجھ کو دیکھو کہتا ہے سکندر سے کہ منہ تو دیکھو جو خاک نشینوں کے تئیں جائے یتیم گر خرم نہ ہو ماہ نو براے تعظیم</p>

بابِ اہم

میر تخلص، نام نامی اس نگین خاتم سخن آفرینی کا میر عرفی ہے۔ متوطن اکبر آباد کے۔
 سرساج الدین علی خاں آرزو تخلص آپ کے کچھ رشتہ داروں میں دوہ کے تھے۔ ابتدائے سن شعور سے
 پرورش انہوں نے دارالخلافہ شاہ جہاں آباد میں پائی ہے، اور خان مذکور کے فیض صحبت سے
 نظم ریختہ کی کیفیت باریکیوں کے ساتھ اٹھائی ہے۔ تازگی مضمون کی اور علمو معانی کا بیان سے ان
 کے ظاہر ہے، فی الحقیقت کہ شاعر مذکور لفظ قوتوں سے ریختہ کی بخوبی ماہر ہے۔ جو شخص کہ نظارہ گاہ
 سخن میں چشم خوردہ ہیں رکھتا ہے، اور چاشنی خرد سے امتیاز ذائقہ مخ و شیریں رکھتا ہے۔ تو وہ اس
 بات کو جانتا ہے، اور اس رمز کو پہچانتا ہے، کہ میر شیریں مقال میں، اور ریختہ گو بیان سابق محل
 میں، نسبت غورید و ماہ ہے، اور فرق سفید و سیام ہے، بلکہ حجاب اگر مانع نہ ہو بیان کا، تو تفاوت
 ہے زمین و آسمان کا۔ غرض اس تردد سے زبان قلم کی، اور اس خراش سے عارض رقم کی، مراد یہ
 ہے کہ ناقدر دانی سے اغنیا کی، اور نا بھگی سے اہل دنیا کی، اب بازار سخن سازی اس درجہ کا سد
 ہے، اور ہوا شہرستان معنی طرازی اس مرتبہ فاسد، کہ میر سا شاعر جو کہ سحر کاری سخن میں طلسم ساز ہے
 خیال کا، اور جادو طرازی بیان میں معانی پر داز ہے مقال کا، وہ نان شبینہ کا محتاج ہے، اور
 بات کوئی نہیں اس کی پوچھتا آج ہے۔ جس ایام میں کہ درخواست صاحبان عالی شان کی زبان
 و انان ریختہ کے مقدمہ میں کلکتے سے لکھنؤ گئی، تو پہلے کہ نیل اسکاٹ صاحب کے روبرو تقریب
 میر کی ہوئی، لیکن ملت پیری سے یہ پیچا رنجھول کے محمول ہوئے، اور جو انان نو مشتق مری گری سے
 قوت بدنی کے مقبول ہوئے۔

زمانہ خوش طبیعتوں سے کبھی نہیں خالی ہے، اکثر اہل لکھنؤ بھارتے تھے کہ کلکتے میں شاعری
 کی جادو خواست خالی ہے، کس واسطے کہ یہ جانتے ہیں، کہ آج بھی بڑے کے سامنے

نوجوان غور کے میں موزیں۔ اب بھی جو بوجہ تکنت معنی کا بڑھ چٹیل طبع سے ترازو کر کے وہ دکھاتا ہے جو اگر کوہِ بقیہ سے تو محل سے اُس کے کمر چراتا ہے۔ بہر تقدیر غرض جب میرزا محمد رفیع سودا بلدہ لکھنؤ میں اس دار فانی سے عالمِ باقی کو سدھارے، تو میرزا کو رشاہ جہان آباد میں تھے ۵۹ اگے گیارہ سو ستانوے ہجری میں ریاتِ عزم اس صاحبِ لشکرِ مضلین تازہ کے حرکت میں آئے، اور فوج و بدولت لکھنؤ میں قشرف لائے۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے روز ملازمت خلعتِ فاخرہ دیا، اور تین سو روپے مشاہرہ مقرر کر کے تحمین علی خاں ناظر کے سپرد کیا۔ اگرچہ گرفتہ فرجی سے ان کی روز بروز صحبت نواب مرحوم سے بگڑتی گئی، لیکن تنخواہ میں کمی نہ تصور ہوا۔ اور نواب سعادت علی خاں بہادر کے عہد وزارت میں آج کے دن تک، کہ ۱۲۵۵ بارہ سو پندرہ ہجری میں، وہی حال ہے، جو اوپر مذکور ہوا۔ اقسامِ ظلم میں یہ صدر نشین بارگاہِ سخندانِ بہر قسم چکیدہ خانہ معجز نہ رکھتا ہے، لیکن سچ تو یہ ہے کہ ظلمِ غزل میں بد بیضا رکھتا ہے۔ قصیدہ فونتمیز محمد رفیع سودا پر ہوا، ان طرزِ مثنوی کی بھی ان کی بہت خوب ہے، خصوصاً دریائے عشق، جوان کی مثنوی ہے، اک جہان کے مرغِ بے۔ یہ رہنما قوم سخن سرا یہ گان کا مالک چار کتاب پر دلیل و برہان ہے یعنی صاحبِ چار دیوان، خوش بندش خوش بیان ہے مثنویاں بھی متعدد ان سے ثبت جریڈہ روزگار میں۔ یہ غزلیں ان کی منتخب افکار ہیں +

اس دور میں الہی محبت کو کیا ہوا	چھوڑا دنا کو ان نے مروت کو کیا ہوا
امید و ابرود و دیدار مرچلے	آتے ہی آتے یار و قیامت کو کیا ہوا
چمن میں گل نے جو گل دعوے جال کیا	جال یار نے منہ اُس کا خوب لال کیا
بہارِ رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو	چمن کو مین قدم نے ترے نہال کیا
لگانہ دل کو کہیں کیا سنا نہیں تو نے	جو کچھ کہ میسر کا اس عاشقی نے حال کیا
بتیاب جی کو دیکھا دل کو کیا ب دیکھا	جیتے رہے تھکے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا
دل کا نہیں ٹھکانا حالتِ جگر کی کم ہے	تیرے ملاکشوں کا، ہم نے حساب دیکھا

<p>ہے خیر میرا صاحب کچھ تم نے خواب کیا دل تم زندہ کو ہم نے تھا تم تھا مایا نگاہیں ساقی کے انتقام لیا نہ سیدھی طرح سے اُن نے مرا سلام لیا نالہ مرا چمن کی دیوار تک نہ پہنچا کام اپنا اُس کے غم میں دیوار تک نہ پہنچا کارِ شکایت اپنا گفتار تک نہ پہنچا خوبی کا کام کس کے اظہار تک نہ پہنچا یہ حسن کس کو لے کے بازار تک نہ پہنچا</p>	<p>لیتے ہی نام اُس کا سوتے سوچ نکلتے تھے ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا خواب رہتے تھے مسجد کے آگے بتِ خا دو کج روش نہ ملا راستے میں ہم سے کبھو پیغامِ غم جگر کا گلزار تک نہ پہنچا اُس آئینہ کے مانند زنگار جس کو کھا جائے لبریز شادو تھے ہم لیکن حضور اُس کے ستوریِ غبر وئی دو فوں نہ جمع ہوویں یوسف کے لے کے تا گل اور گل سرے کے تا شمع</p>
<p>فرق پہلا بہت جیسا کیا کیا پتنگے نے التماس کیا</p>	<p>دل گل کو مجب میں قیاس کیا صبح تک شمع کو دھنتی رہی</p>
<p>اُس شمع کو بھی راہ یہ لانا ضرور تھا ایک سر وہ استخوانِ شکستوں سے چوتھا میں بھی کبھی کسی کا سر پر زور تھا بھاٹکنا تا کنٹا کبھو نہ گیا خانہ خراب ہو جیواس کی چاہ کا مرتا ہوں میں تو مائے رے صدفِ نگاہ کا قصہ یہ کچھ ہوا دل غفلتِ اہِ پناہ کا جمع ہم نے بھی کیا ہوسرو سالانہ یجا لے یار مرے سدا اللہ تعالیٰ جس دشت میں چھوٹا ہوسرو پاؤں کا چھا</p>	<p>دل ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اسے سپر گل پاؤں ایک کاسہ سر پر پڑا جو میر کننے لگا کہ دیکھ کے چل راہِ بینبر دل سے شوقِ رخِ نگو نہ گیا گدرا بنائے چرخ سے نالِ نگاہ کا آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھنا نہیں ایک قطرہ خوں ہو کے مژدہ سے ٹپک پڑا سر سے بانڈھا ہو کفنِ عشق میں تیرے یعنی دل پہنچا ہلاکت کو بہت کھینچ کسالا گندہ ہوسرو لو دلاں سر پر خاتمے اب تک</p>

	<p>غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا ایک مدت تک وہ کاغذ غم رہا نالہ شب سب کو خبر کر گیا</p>	<p>دل کے جانے کا نہایت غم رہا میسرے رونے کی حقیقت جس میں نمی تجہ کو میسرے حال سے تھی آگمی</p>	
	<p>نادان پھر وہ جی سے بھولایا نہ جائے گا پایان کار سور کا خاک قدم ہوا جو کچھ کہ یہاں ہے سو فوس ہو جاتی کا</p>	<p>یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میر باز آؤ کامی سر کشاں جان میں کھینچا تھا ہم نے دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا</p>	
	<p>لھتا ہے جب نہیں آتا گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا تہ خاک بھی خاک آرام ہوگا مذہب عشق اختیار کیا اب جس جگہ کہ دماغ ہو وہ آگ و درو تھا دل جل گیا تھا اور نفس لب تہ سرد تھا</p>	<p>دلہ اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا دل سے نصرت ہوئی گئی خوش عشق کو حوصلہ ہے شرط و ر جو یہ دل ہو تو کیا سر انجام ہوگا دلہ سخت کا فر تھا جس نے پہلو میسر دل عشق کا ہمیشہ حریف نہ تھا عاشق میں ہم تو میر کر بھی ضبط عشق کو</p>	
	<p>ہے اس میں اس میں فسق زین آسمان کا</p>	<p>دلہ خوبی کو اس کے چہرے کی کب پہنچے آفتاب</p>	
	<p>غرض اُس شیخ نے بھی کام کیا یہ ہیں سے کعبہ کو سلام کیا نامہ اعمال یہ کر گیا</p>	<p>دلہ کام بل میں مرا تمام کیا تیسے کو چے کے رہنرواں نے وصفِ خط و خال میں خواب کو میر</p>	
	<p>تو ہمایہ کا ہے کو سوتا رہے گا جسے ابرہہ سال روتا رہے گا ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا مرے منہ کو کب تک تو دھوتا رہے گا</p>	<p>دلہ جو اس شور سے میر روتا رہے گا میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں تو اب گالیاں غیر کو شوق سے دے مجھے کام ہر دم ہے رونے سے ناصح</p>	

<p>دلہ لکنا رے پیٹھ کر ہاتھوں کو دھونا کہ سب کچھ ہونا اک عاشق نہ ہونا دلہ سہتا رہا جہاں میں جب تک جا گیا مے گلگوں کا شیشہ بچکیاں اٹینے کر دو گیا دلہ معاد م نہیں میرا ارادہ ہے کہاں کا دلہ دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام کیا یعنی رات بہت تھی جا گئے صبح ہوئی آرام کیا چاہتے ہیں جو آپ کریں ہم کو بحث بدنام کیا کوچر کے تیری باشندہ دل سب کو کہیں سلامت کیا آجہ خرقہ کرنا۔ نوپنی مستی میں انصام کیا آنکھ موندے پر اپنی آنکھ کو دیدار کو عام کیا رات کو درو رو صبح کیا اور دن کو چوں توں م</p>	<p>مراغوں تجھ پہ خوں ثابت کرے گا وصیت میرے مجھ کو بھی کی تھی کیا بعد مرگ یاد کر دوں گا و فاس تجھے مناں مجھ ست بن پھر قلقل دینا نہ ہو دے گا آرام عدم میں نہ تھا سستی میں نہیں چین آنٹی کوئیں سب تیریں کچھ نہ دوا کر کام کیا عہد جوانی درو کا نا پیری میں لیں آنکھیں موند ناحق ہم مجبوروں پر یہ قسمت بختاری کی کس کا لکے کس کا قبلہ کون حرم ہے کیا احرام شیخ جو ہر سجدیں بیٹھارات کو تھا مٹانے میں کاش اب بقیہ منہ کو آٹھا و در نہ پھر کیا حاصل یہاں کے سفید وسیہ میں دخل جو ہو سوتا تھا</p>
<p>یعنی آگے چلیں گے دم کر رہ گیا ہاتھ میں قلم لے کر</p>	<p>زندگانی بھی ایک وقفہ ہے ضعف یہاں تک کھینچا کہ صورت کر</p>
<p>دلہ ہاتھ سے جانے کا سر شیشہ کا ر آخر کار سر کو کھینچے گا فلک تک یہ غبار آخر کار دلہ جس کی لے دام سے ناگوش گل آواز ہو ایک ورنہ تاباغ قفس سے مری پرواز ہو ایک سب کی آواز کے پردی میں سخن ساز ہو ایک اک مشت پر پرٹے تو قفس میں جا بیٹل</p>	<p>دلہ کام آنے کا نہیں ایک بھی یار آخر کار مشت خاک اپنی جو پامال ہی یہاں اس پہ نہ جا دلہ میر گم کردہ چین زمرہ پرواز ہے ایک ناتوانی سے نہیں مال فشانے کا دماغ گوش کو ہوش سونک کھول کو سن شور جہاں دلہ گل کی جہاں بھی دیکھی دیکھی دفائے بلبل</p>
<p>دلہ ہیں پریشان چمن میں کچھ پوچھا</p>	<p>دلہ سیر کر عندلیب کا احوال</p>

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں بے قراری جو کوئی دیکھے ہر کہتا ہے یہی چلانا اٹھ کے وہیں پھر تو چپکے چپکے میر لٹنے لگے ہو دیور دیکھئے کیا ہو کیا نہیں نازِ تباہ اٹھا چکا دیور کو میر ترک کر گردشِ فلک کی کیا ہو جو دورِ قح میں ہوں عاشق ہو یا مریض ہے پوچھو تو میر سے	دل	وقت لٹنے کا گردِ غلِ ایام نہیں کچھ تو ہے میر کہ اک دم تجھے آرام نہیں ابھی میں اُس کی گلی سے بگاڑ لیا ہوں تم تو کرو ہوا صبحی بندے میں کچھ رہا نہیں کعبہ میں جا کے بیٹھ میاں تیرا خدا نہیں دیتا رہوں گا چنچ مدام آساں کو میں پاتا ہوں زرد و زبر فراسِ جہاں کو میں	دل
صد تنہا ہے یا رکھتے ہیں پھیر کرتے ہیں میر صاحبِ عشق	دل	تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں ہیں جواں اختیار رکھتے ہیں	
دن گذرتا ہو مجھے فکر ہی میں نا کیا ہو خاک میں لوٹوں کہ لوہوں میں نہاؤں بھیج عشق کو بقیہ نہ بتیابی کر رہے نہ شکیب ہائے زنجی شیرِ مجست کا جگر	دل	رات جاتی ہو اسی غم میں کہ فردا کیا ہو یا مستغنی ہے اُس کو مری پرو کیا ہو کرے تدبیرِ حویہ درودہ دار کھتا ہو درد کو اپنے جونا چارھ پیا رکھتا ہو	دل
فقرانہ آئے صد اگر چلے	دل	میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے	
یارب کوئی ہو عشق کا بیمار نہ ہو وے زندان میں پھنسے طوق پڑے قید میں مر جائے اس واسطہ کا پیوں ہوں کہ ہر آنہ پٹ سرو مانگے ہے دعا دیکھ مجھے خلق یہ ظالم صحرائے محبت سے قدم دیکھ کے رکھ میر	دل	مر جائے دے اُس کو یہ آزار نہ ہو وے پر دامِ محبت میں گرفتار نہ ہو وے یہ باؤ کیجئے کہ کہیں پار نہ ہو وے یارب کسی کو اس سے سروکار نہ ہو وے یہ میر سر کو چہ و بازار نہ ہو وے	دل
جو دے آرام ملک آوارگی میر عشق میں بے خوف و خطر چاہئے	دل	تو شامِ عزت اک صبحِ وطن ہے جان کے دینے کو جگر چاہئے	

	<p>اشک سا پاکیزہ گہر چاہئے عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے دلے رے ذوق دل لگانے کا دلے اور بھی وقت تھا بہانے کا دلے عمر رفت کی یہ نشانی ہے مہر میں گے جو زندگانی ہے دہاں وہی ناز و سرگرائی ہے دلے تصویر کھینچے گا یہ ہم نے مانی</p>	<p>باقل آغوش ستم دیگاں شرط سلیقہ ہے ہر اک امر میں نہیں دسواں جی گنوائے کا دم آخر ہی کیا نہ آنا تھا اب جو اک حسرت جوانی ہے اُس کی شہر تیرے ہے بہم یاں ہوئے میر ہم برابر خاک ادا کھینچ سکتا ہے ہزار اُس کی</p>	
	<p>رشتک سر جلتے ہیں دھندلے خریدار کئی وہ طح تو نازک ہے کمائی یہ بڑی ہے یہ گاڑی مری راہ میں بے طح اڑی ہے دیکھو تو مری آنکھ کہاں جا کے لڑی ہے اب یہاں ہیں ہمدت کوئی پل کوئی ٹھری ہے اک خواہش دل ساتھ مرے جی کے کھڑی ہے ہر تار نگہ آنکھوں میں موتی کی لڑی ہے</p>	<p>دلے گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی دلے کیا حال بیاں کرے عجب طح پڑی ہے دلے کیا فکر کروں میں کہ ٹلے آگے سے گردوں دلے ہے چٹنگ انجم طرف اُس مرے کے اشارے دلے وہ دن گئے جو ہر دلی رہتی تھیں آنکھیں ایسا نہ ہوا ہو گا کوئی واقعہ آگے جاتے ہیں چلے متصل آنسو جو ہمارے</p>	
	<p>سب زینت منقص اپنی کرتا ہے گا افسوس کہ نوجوان مرتا ہے گا دیگر ہر صبح غموں میں شام کی ہی ہم نے مردم کے غرض تمام کی ہے ہم نے دیگر پھر سچ کے غفلت کے تینوں روگے جاؤ ٹھک میر پھر بہت سووگے</p>	<p>اب عشق میں میر پاؤں دھرتا ہے گا یار و چلے سب چل کے اُسے سمجھا دیں خونباہ کشتی مدام کی ہے ہم نے یہ ہمدت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر اب وقت غریب کو جو یوں کھوڈ گے کیا خواب گراں پر روز و شب مائل ہو</p>	

دل غم سے ہوا گم از سارا امڈ	دیگر	غیر تھے ہمیں عشق کی مارا امڈ
ہو نسبت خاص تجھ سے ہر ایک تیش		کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ
جیسے کو تڑوں سنبھالا ہم نے	دیگر	حرقہ برسوں گئے میں ڈالا ہم نے
اب آخر عمر میری کی خاطر		سجادہ گرد رکھنے نکالا ہم نے

۲۔ منظر

منظر تخلص، میرزا منظر جان جاناں کر کے مشہور تھے۔ مشہور مخدروں میں ولی کے نظم و نثر ریختہ میں بہت خوش بیان، اور انداز گفتگو میں نادر زبان تھے۔ اصل وطن ان کا اکبر آباد ہے، اور ولی ان کے نشوونما کی بنیاد ہے۔ متاع اور استغناء طبعیت کے ساتھ مشہور، اور علم و عمل سے فقہ کے معمر تھے۔ حسن پرستی و دل تہگی سے رغبت تمام رکھتے تھے، اور عشق حقیقی و مجازی سے کام۔ انعام اللہ خاں یقین اور فقیہ صاحب درویشان کے شاگردان رشید سے کہا ہے، اور میر عبدالحی تاباں تخلص بھی علی بنہ القیاس اسی طرح سے گئے جاتے ہیں +

کہتے ہیں کہ ہفت روزہ عاشورہ کو لب بام یہ اپنے گھر میں سربراہ بیٹھے تھے، اور کوئی سرور و میل کا بھی آیا ہوا تھا واسطے ان کی ملاقات کے، کہ ناگاہ گذر شدوں کا ان کے زیر بام سے ہوا، اُس رتبے نے کھڑے ہو کر سینہ زنی بھی کی، اور موافق سلام سے ہوا، اور میرزا سے مذکور جس طرح بیٹھے تھے اُسی طرح بیٹھے رہے، بلکہ متنبہ ہو کے فرمانے لگے کہ ”بارہ سو برس جس مقدمے کو ہو چکے ہوں ہر سال اُسے زیادہ کرنا کیا پرستے، اور لکڑیوں کو سلام تسلیم کرنا نہایت عقل کی خفت ہے“ یہ گفتگو جنہیں وہ لوگ جو کہ علم اور شدوں کے ساتھ تھے انہوں نے سنئی، اور تعصب کی مرزا سے مذکور کے امام بارگاہ میں اور محفلوں میں دو تین شب گفتگو رہی۔ آخر شب شہادت کو، کہ عبادت شب دہم عاشورہ سے ہے کوئی شخص ان کے دروازے پر آیا، اور ان کو باہر بلوایا جب باہر آئے تو بے گفتگو ایک چوٹ لپنچے کی نزدیکی، اور کام ان کا پورا کر کے نلوہ راہ اپنے گھر کی لی۔ سن بھی ان کا قریب سو برس کے تھا، اور

ایسا زخم کاری کھایا، لیکن استقلالِ طبیعت پھر اپنے تئیں کٹھے کے اور پہنچایا۔ **۱۹۴۷** الگ کیا رہ سوچا اور
 جبری تھے کہ اُس روشن سازِ سالِ صدیقی نے، اور اُس مصلحِ پروازِ احکامِ فادوقی نے اس نیندِ زنگار
 آلود دنیا سے منہ پھیر لیا، اور سفرِ خلفائے راشدین کے منازل کے طریقت پر کیا۔ یہ اشاران کے
 نتائج افکار سے ہیں *

گرچہ الطاف کے قابل یہ دل زار نہ تھا،	دل	اس قدر جو رجوا کا بھی سزاوار نہ تھا
نہیں کچھ غم کہ یوں ملتا نہیں پیالِ گل میرا	دل	کہ میں روتا ہوں دل کی سیکی پر ہلہ دل میرا
ہم نے کی ہے توبہ اور دھوئیں بچاتی ہے بہار	دل	ہم نے کچھ چلتا نہیں کیا منت جاتی ہے بہار
ہم گرفتاروں کو کیا ہے کامِ گلشنِ سودیک	دل	جی نکل جاتا ہے جب بستے ہیں کاتی ہے بہار
مرتا ہوں میں بے زائے گل ہر سحر	دل	سوج کے ہاتھ جو مری دہلا صبا کے ہاتھ
منظرِ چہا کے رکھ دل نازک کے تئیں مرے	دل	پیشِ شہنشاہیتا ہے کسی میرزا کے ہاتھ
خدا کے واسطے اُن کو نہ دو کو،	دل	یہی اک شمس میں قال رہا ہے
رسوا اگر نہ کرتا تھا عالم میں یوں مجھے	دل	ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے

۳۔ مضمون

مضمونِ تخلص، شیخ شرف الدین نامِ متوطنِ باجِ مود کے تھے۔ باجِ مود ایک قصبہ ہے قصبوں
 میں سے اکبر آباد کے۔ جس ایام میں کہ وطن سے اپنے یہ واردِ شاہِ جهان آباد میں ہوئے تھے، تو
 زینتِ المساجد میں آن کر اُترے تھے۔ طور ان کی بود و باش کا پھر وہیں رہا ہے۔ اور اتفاقاً صلح
 کا سرِ ج الدین علی خاں آرزو سے ہوا ہے۔ از بس کہ شیخ مذکور علت سے نزاع کے منہ میں ایک دانت

لے کسی نے کیا بے مثل تاجِ آپ کی وفات کی کمی ہے۔ عاشِ حمید اُماتِ شہیدا
 لطف یہ ہے کہ یہ الفاظِ حدیثِ نبوی کے ہیں *

نہیں دھرتے تھے، تو خان آرزو انہیں شاعر بیداد کہا کرتے تھے۔ دلی میں نظم وجود کو انہوں نے ناموزون بوجھا ہے، اور مضمون عالی انہیں سیر وجود کا وہیں سوچا ہے۔ بیشیر حسن ان کے کلام میں ابہام کا ہے۔ یہ منتخب ان کے کلام کا ہے +

انوس مار جٹ پٹ دل کو رکھے ہیں انکا	دل	کس ساحروں سے سیکھا زلفوں نے تیری لٹکا
خوبوں کو جانتا تھا گری کریں گے مجھ سے	دل	دل سرد ہو گیا ہے جب سے پڑا ہے پالا
نہیں ہے زاہدوں کو سنی کام	دل	لکھا ہے ان کی پیشانی میں سکا
ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اوج خوب کیا	دل	صبر اتوب کیا اگر یہ یعقوب کیا
کچھ میں بی وفا کے مارے کنہیں عاشق	دل	نکلا ہے ایک مضمون بھاگوں سے اپنے جینا
ترا کہہ ہے حشر آفتاب	دل	نہ لادے تری حسن کی اماں پ
جس طرح سے رہے ہے مال کو اور کلا	دل	یوں رہ زلف تری منہ کے اچھا مار کے بیچ
اگر یہ دار ہے کامل کو سرتاج	دل	ہوا منصور سے یہ نکتہ جل تاج
لیک تو تھا ہی وہ مہ رو خود پسند	دل	ہو گیا آرسی کے تئیں دیکھ دو چند
تجربہ بن زبس کہ پانی جاری کئے ہیں دگر	دل	چشموں سے میں اب پڑ بیٹھا ہوں تھو دھو کر
تیر شریاں بستے ہیں مجھ پر	دل	آب پیکان کا اس طرف سے ڈھال
کیسی ہو کر جو مجھ سے رہا ہے وہ شمع	دل	جو پوچھتا ہوں بات تو کتنا ہو گل پل
احوال پیش دہر کچھ مت کہو ہارا	دل	آتا ہے نام میرا سن کر اُسے پسینا
شرم سے پانی ہو جا دیں شربت	دل	جو مراد یوسف ملے آچاہ سے
دی دلدار خوش آتا ہے جو ہر دیوانکا	دل	خوب لگتی نہیں وہ تیغ جو خدا نہیں
کیا ہوا جو خط مرا پڑ حشا نہیں	دل	جاننا ہے خوب وہ مضمون کو
اُس دہان بیچ سخن رکھتا ہوں	دل	مجھ پہ اس بات کو اثبات کرو
جبے چاہا ہے ترا چاہ و ذقن	دل	آب چشموں سے مرے جاری ہے

دل	دلڈرتا ہے مجھے یہ جاننا	نظر آتا نہیں وہ ماہ رو کیوں
دل	کبھو آنکھیں بھرتی ہیں کبھی دل ڈوب جاتا ہے	چلا کشتی میں جب آگے سر وہ مجھوب جاتا ہو
دل	دل بیتاب کا شاید نے مکتوب جاتا ہے	یہ اشک آنکھوں میں قاصد کس طرح یک دم نہیں مٹتا
دل	جو دیکھا تو کسی صورت نہ جاوے	مرے آئینہ دل سے ترا نقش
دل	غصے سے بت سا ہو گیا لیکن جلا تو ہے	مضمون تو شکر کر کہ ترا نام من قریب

۴م مخلص

مخلص مخلص، مخلص علی خاں نام، بھانجے ذواب نواز شمسٹ جنگ کے راکن
مرشد آباد میر باقر کے مشہور تھے۔ جوان خندہ رو اور کشادہ پیشانی، ہمیشہ خوش وقت اور خوش زندگانی
بگلے میں بہت کیفیت کے ساتھ انہوں نے گذر کی ہے، اوقات بشیر عیش و کامرانی میں
بسر کی ہے، شب و روز عیش و عشرت سے کام تھا، اور رات دن وقف اجاب گردن صراحی اور
لب جام تھا۔ زبان ریختہ میں انہوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ چنانچہ دیوان بطور اساتذہ ترتیب بھی
دیا ہے لیکن کثرت عیش سے از بسکہ دھیان رکھیں کہیں ہے، کلام ان کا خالی نغرش
سے نہیں ہے۔ شاید سنہ بارہ سو سات ہجری میں بلدہ مذکور کے اندر و ام ہستی کی کشاکش
سے رہائی پائی ہے، اور یہ چہرہ ان عدم کی عین نقیش میں فرمائی ہے۔ یہ اشعار اس ستودہ
کردار کے ہیں +

دل	مترتا ہے کوئی دم میں گرفتار دیکھنا	تدبسم اللہ ابرو ہے رخ عروان کا
دل	میاں اس ظلم کا تو ہی سمجھ انجام کیا ہوگا	اب ٹک تو اس کو آگے جگا کر دیکھنا
دل	پھر اُس بدنام سے آگے کوئی بدنام کیا ہوگا	ہمارے قتل کرنے سے تجھے آرام کیا ہوگا
دل	کیوں کف پائیں ترے رنگ حاسے آشنا	بدی میں یاں تلک مشہور دنیا ہے مرا مخلص

یہ پوچھتے ہیں کہ اس سے گرم نہیں واقعہ	دلہ	حیاتِ جاویداں بہتر ہے یا سر کو خدا کرنا
ترکِ الفت بہتوں کی مجھے مقدور نہ تھا	دلہ	دور نہ کہہ مرے بت خانہ سے کچھ دور نہ تھا
مخلص کیا دریافت میں سنگِ محاکے	دلہ	جو عیب کسی کا کہے منہ اُس کا ہو کالا
آخر یہ دل ہمارا کچھ داد کو نہ پہنچا	دلہ	جز نالہ کوئی اُس کی فہر یاد کو نہ پہنچا
ہو گئے دغِ نکال مرے اہو کانِ نکال	دلہ	جب تھی لب کا ترے شور بڑا کان میں آ
اگر یاد دیکھو سے لب کو ترے	دلہ	نہ ہوسٹ کو یہ خار شراب
انجم دل سینے کو کہتا ہے مرے کام آتا	دلہ	باقی رہتا جو کوئی تار گریبان کے بیچ
گئے یہ بال و پر بربادِ وصیتِ داد	دلہ	فقس سے اب نہ کر آزادِ وصیتِ داد
دیکھو کس نہیں بھولی یہ باغِ دوست میں	دلہ	دور سے آنکھیں خزاں کر تیں دکھاتی ہو گیا
دل خستہ و سودا زہ تہہ بہ تہہ ہے نازک	دلہ	دیوانہ زبردست اور زنجیر ہے نازک
محبت میں تری جا کر پھندا دل	دلہ	دریا لائے دل و احسہ تار دل
تھی یہ خوشی کہ ہو گا مرے دل کا ختم	دلہ	وہ تو ہوا نہ کم پہ ہوئے طعنے ہم تمام
کیوں جیش میں علاجِ دغ کر رہا	دلہ	خانہ دل کو بے چسپی کھل کر رہا
کیوں نہ ہر دم مری آنکھوں سے چمے لے لو	دلہ	دغ ایسا نہیں کوئی دل میں کہ ناسور نہیں
منظورِ بندگی مری ہو تجھ کو گو نہیں	دلہ	میں دست کش ہوں تجھ سے یہ ہوتا ہر نہیں
لی جب خوابے اٹھ آنکھ تو تے صحنِ گلشن میں	دلہ	شگفتہ ہو گئیں گلزار میں زکس کی سب کلیاں
کیوں کیا بھاڑ کے نویتِ بخارا میں	دلہ	کچھ نہ اتنا تھا میاں وہ ترا بار و ہمن
ذلی آخر فراسِ نیم سہل کی کبھو تو نے	دلہ	تجھے صد آفریں میا دیوں ہی صید کر لیں
جن کو دور سے شہادت کی تمنا مخلص	دلہ	تجھ بیدار کو وہ بال ہما کہتے ہیں
گرم جوشِ سستی مخلص سے لے ہو جب یار	دلہ	رشک کو اُس کے رقیبوں کو جگہ جلتے ہیں
ستم سے ترے آشنا کم رہے ہیں	دلہ	ہمیں ہیں کہ استنک کہ یہاں تم رہے ہیں

کہتے تو ہو ملنے کی آتی ہیں میں گھائیں دل
 روتے روتے جو کبھی ہوش میں آجاتا ہوں دل
 اُس کے ظلم و ستم کچھ نہ کہے جاتے ہیں دل
 کہتا ہے تو جو ہر دم ستمیہ ہے ادیں ہوں دل
 مخلص ترے کے یا بہت میں گشتری دل
 آئینہ رو کے دل میں کوئی راہ کیا کرے دل
 عاشق سوسے رونے کے اور کام کیا کرے دل
 قاصد کو دیکھ دو سے دیتا ہے گالیاں دل
 مرے دل میں اتنا بسا آئے تو ہے دل
 دوتا ہوں محبت مری اظہار نہ ہووے دل
 دل کو مرے ہرگز کبھی آرام نہ ہووے دل
 ریشہ خاں اُن جاتی ہو جیٹے کو محبتوں سے دل
 کیوں کہ جو دے گی زندگی اب آہ دل
 نہیں یک دل سلامت اس میں پایا دل
 چمن میں قد نے ترے طح جلوہ جالی دل
 ڈرتے ہو دامن آہ کے شعلہ سے جل نہ جا دل
 کوئی اپنی اسیروں سے تغافل یوں بھی کرتا دل
 سحر رونے لہو اور کرتے شام آہ رسا لکڑی دل
 مخلص سادقا دار کوئی ہم نے نہ دیکھا دل
 رہتا ہے غضب مجھ پہ تو ہر شام و گچاہ دل
 تہیہ نہیں اتنی بھی ظالم درکار دل
 جھوٹے ہو میاں تم تو کہنے کی میں یہ باتیں دل
 شرم سے اپنے نہیں جیسے کہ نوا جاتا ہوں دل
 نہ نہیں چھوٹے بنے ہے نہ سوجھتا ہیں دل
 بیخستے اور سر تو قصیر چو ادیں ہوں دل
 تم بھی اگر ہو اُس کے خیر ہر کچھ کہو دل
 دم مارنے کی بات نہیں آہ کیا کرے دل
 جس کا جلا ہو دل سو وہ آرام کیا کرے دل
 ایسی پری کو کھپے کوئی پیغام کیا کرے دل
 کچھ کو پڑی اپنی اب جستجو ہے دل
 مجھ سے کہیں آرزو وہ دلدار نہ ہووے دل
 آغوش میں میرے جو دل آرام نہ ہووے دل
 بگولے آگے آتے ہیں اُسے لینے کو ہاتھوں سے دل
 دل کی فوبت تو جان پر آئی دل
 شکن اُس زلف کی کیا دل شکن ہے دل
 نہال و گل نے کہا نہ ظلمہ العالی دل
 عاشق کی خاک پر نہیں آتے میاں کبھی دل
 قفس میں مر گئے ہم یہ خبر میاں کو پہنچے دل
 کبھی تو نے نہ دیکھا آہ مخلص پہ کیا لکڑی دل
 اس طور کا بندہ نہیں ہوتا ہے خدا کے دل
 کرتا ہے تو ثابت مری گردن پہ گناہ دل
 مطلوب اگر سر ہے مرا بسم لاشہ دل

ناص میں عجب دیکھی مرت تیسری	باہ عاشق کے تانے میں ہے غربت تیری
دل غم سے نہیں بھرا ہے اتنا میرا	جو اس میں سدا سے نصیحت تیری

۵- مجذوب

مجزوب تخلص، میر غلام حیدر نام۔ شاہ جہان آبادی۔ بیٹا سر تلج شعراے بلند مقام ہیں فاضل سودا
 شاعر شیریں کلام کا ہے۔ آشنا پرستی اور یک رنگی کے ساتھ توصوف، دردِ دل اور گداز طبیعت میں شہو
 و معروف نظم ریختہ میں صاحب دیوان ہیں، اور حسن ترکیب میں ناظم رنگیں بیان۔ تلاش سے معنی تلذذ
 کے حتی الامکان نہیں گزرتے ہیں، اور باز دھن سے مضامین مشہور کے حتی المقدور کنارہ کرتے ہیں
 دو دیوان جواب میں میر تقی میر کے انہوں نے کہے، اور مقدور بھر سر انجام جواب کے خائل نہیں رہے
 غرض بافضل، کہ اس ۱۲۱۵ء بارہ سو پندرہ ہجری میں، ساتھ حضرت معاش کے لکھنؤ میں جیتے ہیں مصرع
 تخت دل کھاتے ہیں اور خون جگر پیٹتے ہیں + یہ منتخب افکار اس ستودہ اطوار کا ہے +

خواب سے جو دل ملا کرے گا	دھڑکا ہے یہی کہ کیا کرے گا
عداوت سے تمہاری کچھ اگر ہو دے تو میں جانوں	دل بھلا تم نہ دے دیکھو اثر ہو دے تو میں جانوں
نہ اندیشہ کرو پیارے کہ شب بے وصل کی تھوڑی	تم اپنی زلف کو کھولو سو کر ہو دے تو میں جانوں
آوے ہے میحار کی بالیں پہ تو کیا ہو	دل بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو
اشک آنکھ میں ہو عشق سے تامل میں غم نہ	دل یہ گھر ہے وہ خراب کہ آتش میں غم نہ
چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہم صغیر	صیا دے سنایہ ترانا تو ہم رہے

۶- مصحفی

مصحفی تخلص، غلام ہمدانی نام، ساکن امرتسر ہے۔ اپنی قوم کا اشراف ہے، سچ تو یہ ہے کہ
 گفتگو اس کی بہت صاف صاف ہے، بندش نظم میں اس کے ایک صفائی اور شیرینی ہے، اور مصحفی

بندش میں اس کے بلندی اور زمینی۔ ایک مدت شاہ عالم بادشاہ غازی کے عہد سلطنت میں تقسیم شاہ جہان آباد کار ہے۔ بالفصل کہ ۱۵۲۱ء بارہ سو پندرہ ہجری میں، ایک چودہ برس سے اوقات لکھنؤ میں بسر کرتا ہے ضیق معاش تو وہاں ایک مدت سے نصیب الہی کمال ہے، اسی طور پر دہم برہم اس غریب کا بھی احوال ہے۔ دیوان اس عزیز کا بھر ہوا نظم کے جمیع اقسام سے ہے۔ یہ اس کے منتخب کلام سے ہے۔

پیری میں اور بھی ہونے غافل ہر حریف	بے اختیار لے گئی ہم کو یہ خواب صبح
ہوئی ہے بسکہ یہ فصل بہار دامن گیر	دلہا چلیں جن سے تو ہوتا ہے خار و فیکر
سمجھ کے رکھو قدم دل جلوں کی تربت پر	مبادا ہو کوئی تیرا شرار و فیکر
آگیا خط پہ سہرہ منہ کیا ناز ہنور	دلہا ہے اسی دھب پہ نگاہ غلط انداز ہنور
ایک دن رو کو نکالی تھی وہاں کلفت دل	دلہا اب تلک دامن صحر ہے جبار آلودہ
زبس آئینہ رو ہے طفل حجام	دلہا نہیں بن دیکھے اس کو دل کو آرام
جو دیکھیں انگلیاں وہ گوری گوری	دلہا بنا خورشید پانی کی کٹوری
وہ جس کے رو برو ناگاہ آیا	دلہا اے حیرت نے آئینہ دکھلایا
ملا جب آئینہ کو یہاں نائی	دلہا بنائی چار ابرو کی صفائی
نہ کھینچے نامہ مو اس کی تمثال	دلہا کہ وہ ہے عاشقوں کی ناکال
نئے ہر معصی اب تو بھی فی الحال	دلہا منہ اکر کر ہو جانے البال

۷۔ محبت

محبت تخلص، ذاب محبت خاں نام۔ خلف ارشد ذاب حافظ الملک حافظ رحمت خاں کے ہیں، حسب و نسب کی طرف سے کثرت شہرت کے باعث نہیں محتاج بیان کے ہیں۔ جو ان خوش ظاہر خوش رو ہیں، اور خوش اتلاط و خوش خو جس خلق سے معمور، اور مدت و جو المزمی کے مشا

مشہور فقط خوش مزاجی خلقی کے باعث انہوں نے شیوہ مخموری کا اختیار کیا، اور خوش استعدادی طبعی کے سبب طبع بیکار نہ ہو کر تیش لطافت معنی سے یار کیا۔ جمیع اقسام نظم میں انہوں نے طبع آزمائی کی ہے، اور اصلاح سخن کی میرزا جعفر علی حسرت تخلص سے لی ہے۔ معاصرین اپنے میں مشہور ہیں ساتھ خوش بیانی کے، اور روشن طبعیتوں میں شہرت رکھتے ہیں ساتھ روشنی زبانی کے۔ قصہ سسی پتو کا فرامنے سے ممتاز الدولہ مستر جاسمین بہادر کے انہوں نے نظم کیا ہے، اور نام اس مثنوی کا اسرارِ محبت رکھا ہے۔ بعد نواب حافظ رحمت خاں کی شکست کے، جو لکھنؤ میں آئے، تو اسی ایام سے بس طود بود باش کی وہیں ٹھہرائے۔ نواب آصف الدولہ مرحوم نے بہت اعزاز و اکرام کیا تھا، اور مشاہیر بھی مقول کر دیا تھا۔ بالفضل، کہ ۱۲۱۵ بارہ سو پندرہ ہجری ہیں، اسی شہر میں بود و باش رکھتے ہیں، اور مضامین تازہ کی ہمیشہ تلاش رکھتے ہیں۔ دیوان میں ان کے نظم کے سب اقسام ہیں۔ یہ غزلیں ان کی منتخب کلام ہیں +

جب تلک وہ بت خود کام نہیں آنے کا	دل بیتاب کہ آرام کو نہیں آنے کا
مجھ کو خطرہ ہے خدایہ نہ کرے جو اس کا	دیوے قاصد کہیں پیغام نہیں آنے کا
کیا خوشی کیجے یا ر کہ وہ غور شید نقا	صبح آوے گا تو پھر شام نہیں آنے کا
کوئی ڈھب بھی تجھے آتا ہے وفاداری کا	دل یا کہ سیکھا ہے یہی شیوہ ستم گاری کا
دیکھا اک جھڑکی میں اے یار کوئی بھی ٹھہرا	کیا ہی اغیار کو دعویٰ تھا تری یاری کا
قید ہو بیٹھے ہو اور دونوں جہاں سے آزاد	دل میں تو بندہ ہوں محبت کی گرفتاری کا
دشمن کی آنکھ میں بھی پہنچے نہ اے صبا تک	دل میرا غبار کیجو برباد اس طمع کا
نہ کور جو محفل میں ہو ادوش کسی کا	دل سننے ہی ٹھکانا نہ رہا ہوش کسی کا
شب کہ مجلس بیچ وہ غارت گر ہر خانہ تھا	دل تھے جو باہم آشنا ایک ایک سو بیکانہ تھا
بس گھڑی ٹکڑے تو جلد فرامانے لگا	دل غنچہ قصیری بھی جلتی ہے مرجھا نے لگا
یہ بڑھا دیوانہ پن اپنا کہ ناصح دل ہوا	دل تھا مرا ہم درد لیکن مجھ کو سمجھانے لگا

عاشقوں میں مجھے لکھا تو نے دل آج چہرہ مرا بحال ہوا
 تیری گلی سے دل افکار جو گیا سو گیا دل عدم کے کوچہ سے اے یار جو گیا سو گیا
 تو اس کے گھر کو تو ہنستا ہوا چلا اے دل یہ ہے وہ قہقہہ دیوار جو گیا سو گیا
 دل جو جاتا ہے چلا جائے کہیں مجھ کو کیا دل اس کی رسوائی کو کہتا ہوں نہیں مجھ کو کیا
 چشم حیراں سے کہاں دل کو ملے لذت مری آنکھیں جو بچتے دیکھ رہیں مجھ کو کیا
 منزل اول ہر ابھی عشق کی اے تاب تو دل چھوڑ جاتے ہو تم اخوس نہیں مجھ کو کیا
 دل دیں گے رومانی دستور ہے ہمارا کیا کیجئے نہ ہی کچھ مقدور ہے ہمارا
 اندر سے تکبر رشتا نہیں سخن بھی یہاں تک وہ بت عزیز غم زور ہے ہمارا
 جاتے ہیں جلد بھینکے تو سن کو عمر کے ہم کیا کیجئے محبت گم دور ہے ہمارا
 عزیز کو یاد تو زہار نہ رکھ اے پیارے دل بھول جانے کو بھی لیکن یہ مری بات بھول
 دید زمانہ کرتے ہیں ہم چشم خاند میں اڑتا ہے اپنا مرغ نلکہ آشیانے میں
 دل خشک کہاں سے ہیں اشک چشم سو توارہ تب چھٹے جو ہو پانی خزانے میں
 نزع میں دم ترے پاس آؤ گا ہم دکھ تو ہیں دم میں دم جیتا کہ اپن ہے یہ دم رکھ تو ہیں
 آپ کچھ غیر دل کو چھپ چھپ کے رقم کر تو ہیں یہ جو جھوٹ ہو در تو ہم بات قلم کرتے ہیں
 سرخی اشک کبھی اور کبھی زردیے رو تو نے اے عشق عجب رنگ دکھایا مجھ کو
 بیٹھنے دیوے نہ وہ بزم میں اپن جو مجھے تو اٹھا لیجیو اے بار خدا یا مجھ کو
 ساقی گھٹا میں جو برتی نظر پڑی دل یاد آتی ہے وہیں وہیں سستی نظر پڑی
 ہوسے کی بھی عوض نہ خریدی یہ جس کا اس کو متاع دل مری سستی نظر پڑی
 یا تھا فلک پر اس کا داغ اسے خاک پر دل کی عجب بلندی و پستی نظر پڑی
 تنہا سے یہاں کتنے میں نہیں آتی دل غرض یہ کیا کہوں کچھ بات کہ نہیں نہیں آتی

محش

کون سے روز میں سرنگے مارا نہ کیا پر مرض کا مرے تو نے کبھی چارا نہ کیا	بہر میں تیرے ہیں کب جیب کو پارا نہ کیا درد دل سے تو میں کس رات پکارا نہ کیا
--	--

نہ کیا میری طرف تو نے گذارا نہ کیا

یوں ہی آنکھ تھے مغل میں بہتا کہ ہم تو مر گئے ہاے اسی رشک کے مارے ہم تو	آپ کے دیکھ چکے سب اشارے ہم تو آگے گور کے اس غم سے کنارے ہم تو
---	--

تو بھی غیروں سے میاں تم نے کنار کیا

ساری شب ریتی پر مجھ میں اور دلبر غیشی لیک حرف ناز اس کا سن نہیں جی میں جی	دل اگر اُسے میں جام بھر بھروں ہوں وہ مجھ کو بھی پھیرتا ہوں جب میں اُس کو تب یہ کتنا ہو بھی
--	---

پاس کچھ تیرے ان باتوں کو اب اٹھ جائیگے

مشنوی

کسی قصہ پھر بندے سے یہ بات تو مضمون کر کے اس قصہ کا معلوم یہ بات اتنے لئے تجھ سے کسی ہو تجھے اس عشق کے ہیں کا معلوم پیا ہے تو نے بھی جامِ محبت ترے اشارن کر سب سخاں سراپا کیا لکھوں اُس شمع رو کا عیان یوں ہوئے تھے حیران	اگر صنائع نہ ہو دے اس میں اوقات یہ ہی منشور کر تو اس کو من معلوم کہ عشق اس کی بہت تھک رہی ہے محبت کے ہیں سب اس کا معلوم سراپا تو ہے ہم نامِ محبت محبت کا اُسے کہتے ہیں دیواں کہ حق وہ سخن کا شعلہ سراپا کہ جیسے شمع کے شعلہ پر ہو دود
--	--

دوپٹا چاند تارو کا زری بان
 سا ہوتا تھا یوں جیسے فلک پر
 گندمی چوٹی تفراس شکل آوے
 ہر سبکے تھادیوں کا اُس میں مسکن
 نگہ بدر فلک کی اُس جہیں پر
 دودنمان آب دار اُس سیم بر کے
 کروں کیا خوبی لب کی میں تفر
 تبسم میں نظر اس رنگ وہ آئ
 زباں لکھو لوں اگر وصف وہاں پر
 کوٹھکیا کیا بھکاوے عشق اُس آہ
 نہیں گردن کی کچھ تعریف ہوتی
 حنا سے سسج تھا یوں پنجم ماہ
 بھلا دور کس سے نسبت ان کچوں
 عیاں وہ گلشن خوبی میں ہیں یوں
 اگر دیکھے اُنہیں نامر و ذاتی
 جو وصف اُس ساق سیمیں کا سنو ہو
 قد موزوں وہ جب اپنا دکھا جائے
 تو حیرت سے ہوں سب کو پر یکھے
 جھنک خفاں کی تھی کیا قیامت
 جو ہو نک نسرش گل بر گرم رفتار

جواڑھے تھی کر اپنی پٹیاں صاف
 شب و یجر میں چلے ہیں خستہ
 کہ جوں باہر یہیں دکھاوے
 اچنبہ ہے کہ اک سانپ اور کئی من
 اک اہر یہ جیسے ہو منہ پر
 کہ سورخ اُن سے ہیں دل میں گھر کے
 قیامت اُس پہ تھی سی کی تحسیر
 کہ غنچ جیسے نافرماں کا کھل جائے
 سخن ہو جائے گم میری زبان
 جسے چاہ زرخ کی اُس کے ہو چاہ
 وہ ہے گویا صحرای دار ہوتی
 کہ جوں خوش خط لکھیں نرخی سے لٹہ
 جو میداں خن کے سے لگنی گو
 کہ جیسے دوانا راک شخ میں ہوں
 عجب کیا وہ بھی اپنی کوٹھے چھاتی
 بہ حیرت شمع رور و مروتھنے ہے
 اور اُس کے فندق پاک نظر لٹے
 بن شمشاد میں غنچے نہ دیکھے
 کہ ہر سو جس سے برپا تھی قیامت
 رگ گل پشت پا سے ہو نمودار

۸۔ منت

منت تخلص، میر تقی الدین نام۔ شاہ جہان آبادی۔ مسلمان کے نسب کا ماں کی طرف سے
 سید جلال بخاری کو پہنچتا ہے۔ وہ سید جلال چنیٹے تھے سید عضد یزدی کے جن کا احوال مفصل تذکرہ کاشانی
 میں لکھا ہے۔ قزاقوں کی تقریب اور یونڈوں کے سبب سے تربیت منت مذکور نے شاہ ولی اللہ شاہ
 دہلوی کے گھرانے میں پائی ہے، اور کیفیت راہ طریقت و معرفت کی فخر العارفین مولوی فخر الدین
 قدس سرہ کی خدمت سے اٹھائی ہے۔ عقدے فن شعر و شاعری کے میر تقی الدین فقیر تخلص کی فیض
 صحبت سے ان پر کھلے، اور میر نور الدین نوید تخلص کی برکت مجالست سے دقتی مستی و چستی نظم کے
 ہوئے۔ صفائی بندش و حسن بیان میں فی الصحیقت استاد، اور مویشکا فی معنی میں قلم اس کا رشک خاں
 بہزور زبان فارسی میں کلک عنبر سلک نے ان کے بہت کچھ لکھا ہے۔ نظم و شعر ناک کے قریب لاکھ بیت
 کے کلیات ان کا ہے۔ مثنویاں متعدد انہوں نے کہیں، اور کتاہیں بیشتر تالیف کیں۔ چنانچہ
 شکر تار کر کے ایک نسخہ اس شیریں مقال کا بطور نگستاں کے مشہور ہے، اور جواب اگر نگستاں کا کہیں
 تو کیا مقدور ہے۔ سال ۱۰۸۱ لکھنؤ کا نوے ہجری میں دیرانی شاہ جہان آباد کے باعث لکھنؤ میں
 ان کا آنا ہوا، اور میر محمد حسین فغانی لقب کی بارغوشی کی سبب مشتاق ان کا وہاں ایک زمانہ ہوا۔ بعد
 چندے مربی گری سے میر مذکور کے ممتاز الدولہ مرثعہ جانشین بہادر کی سرکاری میں توسل انہوں نے حاصل
 کیا، اور رفاقت میں صاحب مذکور کی کلکتہ آکر عمار الدولہ گورنر مرثعہ جشن جلالت جنگ بہادر کی اغا
 کے باعث پیشگاہ نظامت سے صوبہ جنگ کے خطاب ملک الشعر کا لیا۔ بعد ایک مدت کے رفیق
 یہ ہمارا چٹائیٹ رائے کے ہوئے، اور چند ایام زندگی کے اپنے طور پر بسر کئے۔ منت لکھنؤ بارہ سو چھ ہجری
 میں نواب سر فرائد الدولہ میرزا حسن رضا خاں بہادر اور ہمارا چٹائیٹ رائے واسطے کچھ سوال و جواب مالا
 کے لکھنؤ سے کلکتہ جو تشریف لائے، تو میر تقی الدین منت بھی ساتھ آئے۔ ایک تین چار روز تپ محرق
 ان کو عارض ہوئی، اور بغیر جان کے لئے وہ تپ نہ گئی۔ چنانچہ کلکتہ اس سید غریب الدیار کا مدفن ہوا،

اور تارتخیز قیامت وہی مسکن ہوا۔ یہ خلاصہ انکار اُس منتخب روز کا کا ہے *

<p>خشک نالے ہو گئے بننے سے دریا مٹ رہا مے کہ سے ٹل گئے اہل ہوس پی پی کو جام کو تہہ اُس کی زلف سے دستِ جبا ہنوز گلِ نعلیے میں زینِ سیتی بزرگِ شعلہ</p>	<p>چشم میں اپنے نہیں اک عمر سے کچھ مٹ رہا انگیں وہ ہوں کہ اس پر پیرِ خاں میں جم رہا حفہ ہوا پہ دل کا ہمارے نہوا ہنوز کون دل سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز</p>
<p>گر نقشِ دوئی نشانیں گے ہم مصری سے وہ ہونٹ نک دکھا اس آنے کا کچھ بھی لطف پیارے آئینہ دل جو تھا وہ ٹوٹا</p>	<p>سچ کہیو کہ کیا کمائیں گے ہم کچھ گھول کے پی نہ جائیں گے ہم ہر دم جو کہو کہ جائیں گے ہم کیا اب تمیں منہ دکھائیں گے ہم</p>
<p>سو کوہِ آتشیں کو چھاتی سے پھیلے ہیں دل ہم تم زدوں کا ہے واجب الترم خوانِ کرم پہ پیسے ہے سیر ایک عالم</p>	<p>کچھ عاشقی نہیں ہو ہم جی پہ کھیلے ہیں اس نیم قطرہ خوں پر سو زخم جھیلے ہیں ہم بے نصیب اب تک پاڑھی بیٹے ہیں</p>
<p>مشت ایسے کو دل زیا تو نے دعی اُس سے سخن ساز بہ ساوسی ہے ہے مری طح جگر خون ترا مدت سے تمہیں عشقِ عبت کرتے ہیں مجھ پر منت</p>	<p>اے مری جان کیا کیا تو نے پھر تمنا کو یہاں مژدہ پاوسی ہے اے خاکس کی تجھ خواہش پاوسی ہاں یہ سچ ملنے کی خواہاں تو کوکِ نوسی</p>
<p>کوئی اس بزمِ رازی پر تمہارے پاس کیا بیٹھے یہیں سے ہر بانِ قائلہ اپنی تو رخصت ہے کھڑے رہے جو اُس کی ہر دم میں تو یوں لگو کہنے جاتی بات سن کر مٹیہ جا دیں تو لگے کہنے دے دے باز یہ بندہ تو مشت بد کہا نے سے</p>	<p>ادھر تک ہم نے دم مارا ادھر تم نہ بنائے کہ اس راوی میں ہم تو نصفِ جہنم ہیں دکھانا ہر یہ اپنے پاؤں کیوں ناتی کھڑے ہنسی سے کستی ہی اک بات کہ بس آپ بیٹھو تکلف ہر طرف گر ساتھ اُس بکے خدا بیٹھے</p>

کہاں ہم کو غرض غم دل رو ہے قدم رکھ گیا کون سینہ پر اپنے سنا تھا میں حال دل اس کو منت	دل اگر زریب فتنہ آرزو ہے گل دغ میں تاج مندی کی بو ہے کہاں بے بیباں سے یہ کیا گفتگو ہے
آہو سے تری چشم کی کب چھوڑیں تیشہ اٹھ جائے کسی کے جودل صاف سے پردا بندے کو خدا کے نہیں جز دل شکنی کام	جب تک کسی ساغر کو تو نکلیں نہ دکھا دے پھر آئینہ دنیا میں کبھو نہ نہ دکھا دے دل کیا سنگ سے دل شج کا اللہ سے پاسے
منت یک بار عشق سے تو بر کر اب تک مرد و دین و دنیا رہنا منت جو شمع دل جلا جاتا ہے کیا جانے کیا غلش ہر سینہ میں آج منت ای جان ان توں کو مست پلج ان باتوں پر پتھر پڑتی سیری ظالم	رباے چار دنا چار عشق سے تو بر کر آجائے دے یا عشق سے تو بر کر دیگر رو کا کب غم کا دلو لاجاتا ہے ہر سانس کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے دیگر مست کھو یا جان ان توں کو مست پلج اللہ کو مان ان توں کو مست پلج

باب النون

۱۔ نابی

نابی تخلص، نام اس کا محمد شاکر تھا۔ شاہ جہان آبادی۔ شاہ نجم الدین آبر تخلص کا مساجد تھا چھوٹا
خودس آرام گاہ کے وقت میں اس نے شہرت پائی ہے، اور بطور قدامت کے طرز ابہام میں کرتا طبع
آزمائی ہے۔ خوش طبعی اور ظرفیت سے بیشتر سرور رکھتا تھا، اور عالم کی ہجو کرنا شعار رکھتا تھا۔ شیوہ
قدیم میں صاحب دیوان ہے، اور وضع سابق میں شاعر خوش بیان ہے لیکن از بسکہ غیر مروج طرز
ابہام ہے، کلام ان کا نام قبول طبلن قاص و عام ہے۔ یہ منتخب اوراق اس کمنہ مشاق کا ہے۔

شاید کہ سر بھرا ہے اب پھر کہ آسان کا

توس قح سے چرچا کرتا ہے تجھ بھوان کا

نہ پوچھو خود بخود عارضِ غورِ شید کی خوبی بچ کو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کیا کیا تری نگاہ کی کثرت سے اسے کہاں ابرو	دلہ	لیا ہے داؤ حسنِ ماہِ سرِ رویوں سرِ کرچندہ لے چلا جی کے تیشِ منہ دیکھتا میں گہ گیا ہمارے سینہ میں تو داہو اسے تیر دل کا	دلہ
مت کرنا زودام زلف سے دل سخن سن اس بست کا خدادا کا	دلہ	بال باندھا غلام ہے تیرا جیسا ہو گا کوئی بندہ خدا کا	دلہ
زنگ تیرا گندی دیکھ اور بدنِ مغلِ سا صاحب دی ہے دریا اور پر مجھے مچتی	دلہ	ہوش کھو کر آدمی بھولے ہیں اپنی خورد و خواہ لا اتار اسے میں اسے کس گھات	دلہ
محبت سوں عالی کی دیکھ۔ ناجی	دلہ	ہوا ہے دل مراب حیدر آباد	دلہ
یکساں چوغل میں لوں اس سرِ وقت کے تیش عاشق کو روتے دیکھ چڑھا مت بھول کے تیش	دلہ	بالا بتاؤں خضر کی عمر اب کے تیش برسات میں اتار دے ہر کہاں کے تیش	دلہ
زلف کیوں کھولتے ہو دن کو صنم	دلہ	نگھ دکھایا ہے تو مت رات کرو	دلہ
ہو غرض ملنے میں ذالفت کچھ اس بے درو کی غم نہیں گرد لہری سحرِ دل کو لے جاتا ہے وہ	دلہ	پوچھتا ہے کان زرِ عاشق کے رنگ بے درو کو پاس میرے تب تو آتا ہی جو دل پاتا ہی وہ	دلہ
ان بتوں کو ہم فقیر دس سے کہو کیا کام ہو وظیفہ راگنی کے سر میں زارِ بد کھن ہے ست پڑ	دلہ	یہ تو طالبِ زر کے ہیں اور یہاں خدا کا نام نہیں سبج تیرے ہاتھ میں یہ راگ ملا ہو	دلہ
ہو اجب آئینہ میں جلوہ گر میں تب لیا بوسا انا سحرِ بولنے لگتا ہو اس کے زخم کا بسل	دلہ	جوا یا اپنے قابو میں تو چہرہ منہ دیکھیں کیا ہو کناری آبدار اس شمع کی منصور خانی ہو	دلہ
اس کے رخسار دیکھ جیتا ہوں	دلہ	عارضی میری زندگی کافی ہے	دلہ
تصور سے رخ کے گئی ہو نیند آنکھوں سے	دلہ	مقابل جس کے ہو غور شید کیوں نکر اس کو خواب ہے	دلہ

۲۔ نعیم

نعیم تخلص، نعیم اللہ نام، وطن شاہ جہان آباد کا معاصر محمد حاتم حاتم تخلص کا تھا۔ چنانچہ اکثر شاعروں میں گفتگو میں طنز و ایما کی ان کے درمیان آتی ہیں، اور مکر غزلیں انہوں نے باہم لڑائیں ہیں۔ ایک دن محمد حاتم نے شاعر سے یہ غزل پڑھی، اور مطلع میں غزل کے طنز محمد نعیم پر کی ہے

جس دن سے کوئے یار کا حاتم مقیم ہو	بدتر سے خنداں سے بہار نعیم ہے
-----------------------------------	-------------------------------

جب دورہ پڑھنے کا محمد نعیم تک پہنچا تو انہوں نے بھی مطلع غزل یہ پڑھا ہے

طلب نہ ہو تو سلیمان کی کچھ بھی حاتم ہے	لب سوال نہ ہو دے تو بیچ حاتم ہے
--	---------------------------------

غرض نعیم مذکور نے مرتبہ دوم تک دلی نہ چھوڑی، اور شاہ جہان آباد ہی میں سیرِ جنتِ النعیم کی کی۔ ایک دیوان مختصر زبان ریختہ میں اُس کہن اُستاد سے ہے۔ یہ اُس کے طبعِ زاوے سے ہے +

اس وقت نکلتے یار و گفتار نہ کیجے گا	اُس فتنہ عالم کو بیدار نہ کیجے گا
احوالِ سرائے کے کہنے لگا وہ ظالم	اب جاسیے بس زیادہ تکرار نہ کیجے گا
خیال کر کے ترے مو کو روتا ہوں	وہ کیوں نہ روے پڑی جکے بالِ اکھوں میں
دیکھ آئینہ خانے میں گر تجھ کو نہیں باور	وہ تجھ سے تو جان میں بھی دلدار بہت ہوں گے

بابِ الواو

۱۔ ولی

ولی تخلص، شاہ ولی اللہ نام، دکنی۔ وطن بزرگوں کا اس کے گجرات ہے۔ شاعر بلند مقام تھا۔ اول زبانِ ہندی میں دیوان اس عزیز نے جمع کیا ہے۔ اور نظم ریختہ کو سرزمینِ دکن میں رواج اس نے دیا ہے۔ شعراءِ دکن میں مشہور و ممتاز ہے، اور اپنے معاصروں میں سر بلند اور سر فراز عالمگیر بادشاہ کی سلطنت میں ہندوستان کی طرف آیا، اور میاں گلشن کے فیضِ خدمت سے فائدہ انواع

واقسام کا اٹھایا۔ خوب خوب داد تلاش معنی کی دی، آخر اس بیت بے معنی دجود سے راہ کا شانہ
عدم کی لی۔ یہ اشعار اُس سر بلند انکار کے مثبت جریدہ روزگار ہیں *

پھر میری نہ لینے کو صیاد نہ آیا بلبل و پروانہ کر نادل کے تیش آرزوئے چشمہ کوثر نہیں گذرے تھ طرف ہر دہلوس کا صحن گلشن میں جب خرام کیا پھرتے ہیں سیست ہوشیہ نظر لے ہے نقش کناری کا ترے جاگہ اوپر	دل	شاید کہ اُسے حال مر یا د نہ آیا کام ہے تجھ چہرہ گل ناز کا تشنہ لب ہوں شربت دیدار کا ہوا دھاوا مٹھانی پر پکس کا سرو آزاد کو غلام کیا بن بند ان انکوں کو کہ کون سکون کا دامن کو ترے ہاتھ لگا کون سکے گا	دل
جب تجھ عرق کے وصف میں جاری قلم ہوا نقطہ پیچھے خال کے باندھا ہوش دل خدا نے منہ پہ ترے باب حسن باز کیا تخت جس بے خانہاں کا دشت دیرانی ہوا حسن تھا پردہ تجرید میں سب سے آزاد حاکم وقت ہے تجھ گھر میں رقیب بدخ بسکہ مجھ حال سوں ہمسرے پریشانی ہیں	دل	عالم میں اُس کا نافہ جواہر قسم ہوا دہ دائرے میں عشق کے ثابت قدم ہوا قد بلند کو تیسرے تمام ناز کیا سرو اور اس کے بگولاتیج سلطانی ہوا طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ دیو مختار ہوا ملک سلیمان میں آ درد کہتی ہے مرا زلف ترے کان میں آ	دل
شغل بہتہ ہے عشق بازی کا ہر زبان پر ہے مثل شانہ دمام دل صدیادہ تجھ پلاک سوں بندھا آیا ہے نقل لینو ترے منہ کی تاب کی بجا ہے گر شہید سرو قد کو	دل	کیا حقیقی و کیسا مجازی کا ذکر تجھ زلف کی درازی کا خرقہ دوزی ہے کام سوزن کا تار خطوط سی تی بنا سطر آفتاب کی بنادیں چوبک طوبہ کی تابوت	دل

<p>دل ہر دھوس کی گرم ہوتی ہے دکان آج دل ہوا جی میں مرے خون دیدہ صندل سرخ</p>	<p>ٹھکلا ہے بے حجاب ہو باناس کی طرف کیا ہے دفع مرے دردِ سر کو رونے سے</p>
<p>دل تو رقیباں اور پر کرم مست کر دل گیا یکبارگی آرام لے کر دل جو کوئی اتنا ہے تیرا نام لے کر دل دیا تھا تجھ کو دانا بوجھ کر دل دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز دل حوض کوثر پہ جوں کھڑا ہو بلال دل رگ یا قوت ہے مہج بستم دل کہ ہے خلوت میں اُس کی خوبی موم دل تجھ کو ہے بندہ پردی کی قسم دل صنعتِ ولی دیدہ منتقا پہ لکھا ہوا</p>	<p>دل رحم بے جاستم برابر ہے دل جو آیا ست ساقی جام لے کر دل میں اُس کو جوں نگیں کرتا ہوں سجدہ دل میں جانا تھا کہ توانا دان ہے دل ہوں گرچہ خاکسار ولیِ ازہرِ اذ دل لب و لہر پہ جلوہ گر ہے خال دل صنم کے لعل لب وقتِ تکلم دل نہ جا آنکھوں میں آنجہ دل میں کشن دل ملک ولی کو صنم گلے سے لگا دل اُس کو دہن تنگ کی تعریف کو میں نے</p>
<p>دل بے تحلف صفیہ کا غنہ دیر بھیا کروں دل خود بخود در سوا ہے اُس کو اد کیا رسوا کروں دل جامہ زریوں کو بد رنگ جامہ تو مینا کروں دل زیور لب ذکرِ سبحان اللہ ہی آئینے کروں دل سرود کو دیکھ سیرِ عالم بالا کروں دل ملنے کو رقیبوں کے فراموش کرے تو دل گر گل کی حامل کو ہم آغوش کرے تو دل ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو دل اُس گل بدن کو اپنے گلے ہار کر رکھوں</p>	<p>دل خوبی اعجازِ حسن یا کر انشا کروں دل کیا کہوں تجھ قد کی خوبی سرورِ عیاں کو حضور دل سر کروں جب وصف تیرے جامہ گل رنگ دل رات کو آؤں اگر تیری گلی میں اے حبیب دل آرزو دل میں یہی ہے وقت مرنے کو ولی دل ایک بار اگر بات مری گوش کرے تو دل غیرت سے کرے چاکِ گریباں لی زخون دل اے جان ولی وعدہ دیدار کو اپنے دل ایسے نصیب میرے کہاں میں ملی کہ آج</p>

خوش قد اداں دل کو بند کرتے ہیں	دلہ	نام اپنا بلند کرتے ہیں	دلہ
اوسامری تو دیکھ مری ساحری کھینچیں	دلہ	شیشہ میں ل کو بند کیا ہوں پچی تیش	دلہ
صبت غیسر میں جایا نہ کرو	دلہ	درومندوں کو کرٹھایا نہ کرو	دلہ
اک دل نہیں آرزو سے خالی	دلہ	برجا ہے محال اگر خلا ہے	دلہ
کیونکہ کپڑے رنگوں میں تجھ غم سے	دلہ	عاشقی میں لباس ہوتا ہے	دلہ
رہیں گے خاک ہوتی سیری گلی میں	دلہ	دفا داری ہماری اس قدر ہے	دلہ
دیکھنا تجھ قد کا اے نازک بدن	دلہ	باعثِ نیاز زہ آغوش ہے	دلہ
اب خلا صی عشق سے ممکن نہیں	دلہ	دامِ دل زلفِ دودامی پوش ہے	دلہ
نفسِ بخش عاشقاں وہ ساتی گلہام ہے	دلہ	جس کی آنکھوں کا تصور بخیر دی کا جام ہے	دلہ
مفسی سب بہار کھوتی ہے	دلہ	عشق کا اعتبار کھوتی ہے	دلہ
ترامنہ مشرقی حسن انوری جلوہ جالی ہے	دلہ	لبیس جامی ہمیں فردوسی وابر دہالی ہے	دلہ
مت تصور کرو مجھ دل کو کہ ہر جانی ہے	دلہ	چمن حسن پر یو کا تماشا ٹی ہے	دلہ
گلِ رخاں کیوں نہ کہیں تجھ کو سکندِ طالع	دلہ	جلوہ گر بریں ترے جامہ دارانی ہے	دلہ
شیخ مست گھر سوں نکل آج توغبانِ کھنور	دلہ	گول دستار ترا باعثِ رسوائی ہے	دلہ
اے ولی رہنے کو دنیا میں مقامِ عاشق	دلہ	کو چہ یار ہے یا گوشہ تنہائی ہے	دلہ
دل چھوڑ کے یار کیونکہ جاوے	دلہ	زنجی ہو شکار کیونکہ جاوے	دلہ
چھوڑاے شیخ طرزِ خود کامی	دلہ	مت ہو مہر ویدہ باز کا دامی	دلہ
جب تک نہ ملے مشرابِ دیدار	دلہ	آنکھوں کا خار کیونکہ جاوے	دلہ
تجھ لب و زلف کے تماشے کو	دلہ	چل کہ آئے ہیں مصری و شامی	دلہ

۲-ولی

ولی تخلص، میرزا محمد ولی نام، متوطن شاہ جہان آباد کے تھے جو ہیں شاہ اسرار اللہ صاحب ارشاد کے علی ابراہیم خاں مرحوم نے گلزار ابراہیم میں لکھا ہے احوال اُس خجستہ کردار کا کہ جوان آزاد حال اور دوست ہے اس خاکسار کا یہ سہ لکھ گیارہ سو چار نوے ہجری میں بلدہ مرشد آباد کے اندر جا کر رہ رہتے تھے، اور بشیر شغل اشعار، زبان ریختہ میں انہوں نے بہت کچھ کہا ہے، اور دیوان بھی ان کا منظم ہوا ہے، یہ منتخب افکار اُس ستودہ اطوار کا ہے۔

نشدے سے مرا پر مردہ دل گلشن ہوا	یہ چرخِ مردہ فیضِ آب سے روشن ہوا
دل بچھے منظور ہو اُس کا اگر دیکھنا	دل جان سے دھو لاکھ کو تب تو ادھر دیکھنا
زلف کو بے کھولتا اپنے وہ منہ پر ولی	ملتی ہے آپس میں اب شام دھند دیکھنا
آہ کا اُس کو کھپ اُثر نہ ہوا	دل میرے اس نخل میں شہ نہ ہوا
بے کسی پر مری کے کوئی	دل سچے بن اے نالہ نوحہ کرنے ہوا
صحبتِ نیکان کرے دل میں بد دل کیا	دل قندکب شیریں کرے ہوئے اگر بادامِ تنغ
کیا تمنا اُس شکر لب سے تو رکھتا ہے ولی	ہو گیا فراود کا شیریں سے آخر کامِ تنغ
تمنی آشنا نہ تنغ سے اُس کی کمر ہنوز	دل ہم ترے لاکھ پلے پھرتے ہیں سر ہنوز
آنکھیں بھی انتظار میں پتھر آئیں ولی	دل قاصد پر اُس صنم کی نہ لایا خبہ ہنوز
میری زبانِ تر سے نہ ہوتا زہ کام خشک	دل کب سیر آبِ تنغ سے ہووے غلام
کبھی جو زلف اٹھاوے تو منہ نظر آوے	دل اسی اُمید میں گذری ہے صبح و شام میں
زندگی کی اُس نے کچھ لذت ولی جانی نہیں	دل جس کے دل میں دردِ عشقِ دلہ جانی نہیں
چاہے کیونکر کہ یہ جی تن سے نکل جائے	دل پھر نہ آیا جو گیا اُس کی خبہ لانے کو
عیاں گر کردل کے سوزِ نماں کو	دل لگے آگ جوں شمعِ میری دباں کو

کبھی درد کی چاشنی کو نہ بھولے	ہما کھا دے میرے اگر استخوان کو
صدے زیا درشتہ العنت ہر مختصر	ایسا نہ ہو کہ اس میں پڑے اب جدا گرہ
ہجر کی مار ہی ڈالے ہے شب تار مجھے	کب دکھا دے گا خدا صبح رخ یار مجھے
دانہ خال دکھا کر کیا تو نے صیتاؤ	ذلت کے دام میں آخر کو گرفتار مجھے
جس جگہ عشق رخش تاختہ ہے	دل و دل رستم حواس باختہ ہے
نگہ گرم سے پری رو کے	شیشہ دل مرا گداختہ ہے
جس لعل میگوں سے مہوش ہو	اُسے ہر دو عالم فراموش ہو
بند قباچن میں جو وہ یار واکرے	لے برگ گل کو لہتہ میں نگھا صبا کر

بابُ الہاء

۱۔ ہدایت

ہدایت تخلص۔ شیخ ہدایت نام اس مرد کا ہے۔ شاہ جہان آبادی۔ معتقد اور شاگردِ اجیرِ درد کا۔ ایک مثنوی انہوں نے بنارس کی تعریف میں بہت خوب لکھی ہے۔ اور دو مضمون توحشی کی دہی ہے۔ شاعر فصیح بیان ہے اور ناظم شیر زبان۔ دیوان مختصر زبان ریختہ میں طبع زاد سے اس کے ہے، اور گم شدگان راہِ معنی کو بہتر ہدایت اس کہن اُستاد سے ہے۔ یہ منتخب کلام اس شاعر بلند مقام کا ہے۔

جب لوں ہوں ترانہ نام نیک پڑتا ہے تانے	جس طرح کہ نمرن کا ڈھلک جاتا ہے منکا
جسے کہ زلف سے لے تری ڈسا ہو گا	غرض وہ مر ہی گیا ہو گا کیا جیا ہو گا
جوں خنجر ترے دھصف میں ہوں سر بردہ گیا	بے منہ میں زباں پر نہیں مقدور سخن کا
نہ رحم اس کے ہے جی میں نہ دل میں پڑ	ہماری گزرے گی کیونکر الٹی کیا ہو گا
ہو گیا ہوں میں زرد جوں غور شید	ظاہر وقت ہے خیمہ مرا
تام صبر و دل دوں تو یار لوٹ گیا	نہ خلف وعدہ کیا پرتانہ بھوٹ گیا

بلا ہی زور ہے اس دختِ رز کا اس قاتی
 ملا ہے جا کے یہ آخر کو سادہ رویوں سے
 ہے آدمی کو بھی قیدِ حیات اک زنداں
 آتش سے داغِ دل کی سرپائیں جل گیا
 رووے ہے کیا جانی پہ اپنی کہ بے خبر
 لب پر ہزار حرفِ شکایت کا تھا جوم
 ہرختِ دل گھمے کامرے ہار ہو گیا
 ہے گس کے جی میں خواہشِ سیرینِ بہا
 آیا ہوں تنگِ کشمکشِ دامِ رلف میں
 بوسہ طلب کیا تھا فقط اور کچھ نہیں
 کچھ ان دلوں ہے حال ہدایتِ تراتبہ
 عالم کو تیسری چشم نے بیہوش کر دیا
 جاتا رہا ہوں آپ بھی میں اپنی یاد سے
 مجلس میں اُس کی رات ہدایتِ نمودل
 نے جم رہا جاں میں نہ یہ جام رہ گیا
 کوئی پھر نہ ملکِ عدم سے تو اب ملک
 دیکھا جتھے کے چشمِ وہن کو تو نرم سے
 آتی ہے آج تجھ سے تو کچھ اور بوسیم
 کیا دن تھے وہ بھی آہِ ہدایت کہ بنِ دلوں
 مدت ہوئی ہے اب تو ملاقاتِ نبی نہیں
 اک دن بھی مہربان نہ وہ بے وفا ہوا

خمارِ جس کامرے ہاتھ پاؤں کوٹ گیا
 اگرچہ آئینہ تھا دل پہ ہم سے پھوٹ گیا
 کسی نے خوب کہا ہے مواسو پھوٹ گیا
 گلزارِ پھولے کیا کہ بدن سا راجھل گیا
 شب کیا گذر گئی ہے کہ ابنِ بچہِ حل گیا
 لکھڑے کو دیکھتے ہی پکچھ دل بہل گیا
 گل تھا پر اپنی چشم میں یہ خار ہو گیا
 سینہ تمام داغوں سے گلزار ہو گیا
 یارو میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا
 میں اتنی بات کہتے گنہگار ہو گیا
 کیوں میری جان کیا تجھے آزار ہو گیا
 جس کی طرف نظر گئی مدہوش کر دیا
 کیا جاننے کہ کس نے فراموش کر دیا
 یہاں تک کہا کہ شمع کو خاموش کر دیا
 مردوں کا اس جگہ میں مگر نام رہ گیا
 پایا جاں کسو نے کچھ آرام رہ گیا
 منہ اپنا لے کے پستہ و بادام رہ گیا
 رات اس چمن میں کون گل اندام رہ گیا
 راتوں کو اپنے پاس وہ گل فام رہ گیا
 آنے سے بلکہ نامہ و پیغام رہ گیا
 اسے آہ و نالہِ حسری تم کو کیا ہوا

<p>دلے یہ آبلہ اپنا نہ کامیاب ہوا ہوا ہوں آہ میں یارب کس انجمن سے جدا بس میری جان دہوی پیالوں میں بھگت شاید کسی جگہ پہ دل اُس کا اُٹک گیا آہ دلہا رسی ہے کم یہاں اور آزاری بہت حُسن میں ان کے نمک اور طح داری بہت</p>	<p>ہر ایک دانہ اُٹور یہاں شراب ہوا نہ صحنِ بلخ میں لگتا ہے جی نہ صحرائیں دیکھ اُس کی چشم مست کو دل تو بہک گیا دیکھا نہیں ہے ہم نے ہدایت کو ان دنوں عشق میں غواں کے ہے طرزِ سنگار ہی بہت مار ڈالا ہند کے کافر اداؤں نے ہمیں</p>
<p>گرچہ کتنا جس چکار رہا جس طح ہو گوہرِ بکیتا میں تب آب میں دریا ہے یا دریا میں آب روستے روتے ہی گندری ساری رات پر ہدایت چشم تر کا کیسا علاج یارب کیا آج سو گئی صبح</p>	<p>نہ ملے کارِ رواں سے ہم اے واسے یارب ہے ہم میں ہدایت جلوہ گر پر نہیں معلوم ہر گز اُپ کو تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات دل تو سمجھا ہے سمجھتا ہے کبھی کتنی ہی نہیں یہ ہجر کی شب</p>
<p>ہاں میاں سچ ہے کہ ایسے ہی نگار تھے ہم آہ اس کوہِ دیبا باں میں کئی یار تھے ہم اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنو ہو یہ زکس باوجود اس کے کہ ہر معذرت اکھوں سے سچ کہیو ہم سے رات پیار کی کہاں رہے گو اس میں جی رہو نہ رہو ہم تو یہاں رہے پر چشم تھے سے ہائے مجھے یہ صبا نہ تھی ایسی گشتی کہ ہم سے گویا آستانہ تھی جز بونے خونِ دل کہیں بونے وفادہ تھی</p>	<p>تو نے گرفتار کیا ہم کو صنمِ خوب کیا قیس دوں مر گیا فرماؤ کی وہ شکل ہوئی تم نہ فریاد کسی کی نہ نغماں سنتے ہو عصالے ہاتھ آتی سُن تجھے گلشن میں آئی ہے چلی مسک رہی ہے اور آنکھیں ہیں رُسمی کرتا نہیں ہے جانے کو دل کوئے یار ہی کیا خاک کو مری کہیں گلشن میں جانہ تھی سیرِ چین ہوا دے صحبت و طہ گلشن کو دوستی کے میں دیکھا چین چین</p>

دل	گرو باد آسامری طینت میں ہے آدرگی	دل	خسے میٹھائیں جوں نقش قدم تو کیا ہوا
دل	ل گئے جس دن گلے تیکے اسی دن حیدر	دل	ہوئے جب حدیث و عشرت ہم کو تیرا دیکھ
دل	گھر نظر آتا ہے اپنا دور سے	دل	دل مرا کیوں کر ہو غافل گور سے
	چشم بھی کیا کم ہے یہ ناسور سے		آنکھ سے آنسو کبھو تھمتا نہیں
	فائدہ کیا یا اس مذکور سے		دل نہ کر تو شکوہ جو برتاں
دل	بندے کا بھی اے بتاں خدا ہے		گرت یہی جور اور جفا ہے
	کہ مراں ہو وہ یا ب کسی بہانے سے		غرض یہی ہر مجھے اشک کے بہاں سے
	جواپنے گھر میں ہی محفوظ آب دے		بزرگ اشک اُسے آبرو دینا میں
	وگرنہ فائدہ اُس کو مرے ستانے سے		وہ کیا کرے کہ محبت کا اقتضا یہی
	الہی اٹھ گئی یہ رسم کیا زمانے سے		کہیں عمر و فنا ہو جاں میں یا خلاص
	یہ سر لگا ہے مر اُس کے اُتارنے سے		میں چھوڑتا ہوں کوئی اُس کو مثل حلقہ
دل	وہ شور قیامت سی ہشیار نہ ہووے		انکھوں نے تری جس کتنیں مست کیا
	اے دانے اُس اوپر کہ جو خوار نہ ہو		آتا ہے مجھے رحم ترے حال پر زاہد
دل	یاد میں زلف و رخ یار کے کیونکر گداری		کیا کموں تجھ سے ہدایت کہ مرئی مگر
	رات گزری تو شب مرے بدتر گزری		دن گزرتا ہے مجھ کو ز قیامت کے دراز
دل	جو تیرا سو پا مال جھانے سنگ ہے		پختہ مغزان جنوں ہر کسی کو جنگ سے
	تا بہ لب آنا نفس کو راہ صد فرنگ ہے		عشق نے تیرے مجھ کو تانک کیا ہر ناؤ
	ظاہر عاشق کسی پر تو کیا رنگ ہے		ان نون کچھ تو ہدایت ہو گیا ہر زو
دل	اک جی سے ہیں کیا ہزار جی سے		صدقے ترے گلزار جی سے
	نکلانہ کبھو یہ خارجی سے		کھٹکے ہے تری فرہ ہر اک وقت
دل	کوئی قیامت ہو کہ یہ آہ دل مجھوں ہر		گھر سے ٹکھری تو جی ساتھ نکل جاتا ہر

دل کیا یہ صید ہے نکلتا تھوڑی ہے	دل کیا یہ صید ہے نکلتا تھوڑی ہے
آستیں کس نے یاں پھوڑی	چشمیں — ہے دہن دریا
ہلے عشوق کے ٹھوڑی ہے	شلخ گل خم نہیں کسو نے کیا
سائے بہت رات تھوڑی ہے	عمر کوتاہ کار عمر دراز کو
دل وہی تار ہے ہیں ہی ماہ وہی گردن ہے	ایک دو ماہ روغائبے نظر سے دہ
دل بنا خرب ہو بنیا دیت پرستی کی	یہ خوب سیر کی جگہیں ہر یک پستی کی
جو سر بلند ہیں اُن کو ہر فکر پستی کی	ہمیں نشیب فراز زمانہ سے کیا کام
دل کس کی مجلس سے ہم اُداس گئے	جی تو گلشن میں بھی نہیں لگتا
سننے ہی بس مرے حواس گئے	جب ستائیں نے غم ہدایت کا
کوئی بی شکل ہو دیکھ جی بس کے	جاؤں گل میں شستہ شہر میں پھر
دل ہدایت بھی تو کوئی زود ہر شہر لگتا ہے	شہید تیغ ابرو اسیروں کیسے ہے
ایک شخص ہزار کشمکش سے نہ پھرا	مہابت کوئی اپنے جسم و جان سے نہ پھرا
جو کوئی گیا سو پھر وہاں سے نہ پھرا	کوچہ تو ترا و عدم سے نہیں کم
دل پیری ہے سو اس میں کیا باہر باقی	دل عہد شباب ہو چکا ہے باقی
شب گزری ہے رفتہ گیا ہر باقی	ہوتا ہے کوئی دم میں یہ دور اب آخر

باب الیاء

ایقن

یقین قلع، انعام اللہ خاں نام۔ شاہ جہان آبادی، بیٹا انور الدین خاں، اور ذوالساج محمد الف ثانی

کا تھا۔ شاہ کوہر زانہر جان جاناں کا، ہشہم اور منظور نظم ناسے مذکور۔ اکثر یہ گمان باشندگان شاہ جہان آبادی
تھا، کہ یقین فی شروعا میں محض بے استعداد تھا۔ مگر زانہر خود شکر کہتے تھے، اور نام اس کا داخل اشعار

کرتے تھے۔ مارے جانے کو اس کے بعضے قویوں نقل کرتے ہیں کہ احمد شاہ بادشاہ کے عہد سلطنت میں بہ سبب کسی حرکت نامعقول کے، کہ وہ صادر نہ ہوئی تھی یقین سے، باپنے اس کے اس کو قتل کیا، اور غش کی اس کو دریا میں بہا دیا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ ارتکاب اُس علی شنیع کا گذر تھا۔ اس کے باپ کے دھیان میں کہ وہ منع ہے جمیع ادیان میں یقین نے اس مقدمہ میں باپ کو اکثر متنبہ کیا۔ ایک دن اُس نے تھا ہو کر اس بیچارے کا جی ہی لیا۔ علم غیب کا بدستی خدا کو ہے، اور یقین گمانوں کا بالکنہ اس خالق ارض و سما کو ہے۔ بہر حال یقین مذکور کا کلام طہان کے مرغوب ہے، اور اشعار اس کے جاں خراش دل کو پ۔ یہ ابیات آبدار اُس کا خلاصہ نکار میں +

نہ مژملیں اگر صدقے ترے جانی کو کام آتا	اگر سنہ ناز کا تھا گالیاں کھانے کے کام آتا
میں تو طاہر نہ کروں اُس کی بجا کو لیکن	دل چھپکے کیونکہ یقین زخم نمایاں میسر
مجھے گر حق تعالیٰ کا فرسہ مانے جہاں کرتا	دل بتوں کو میں بہ زور ان بیکسوں پر ہر ماں کرتا
نہ دیتا عیش کی خسرو کو فرصت قہر شیریں میں	جو میں ہوتا بجا تو شیر جوے خوں رواں کرتا
اگر مرنے میں اُس شیخ کی خاطر نشان ہوتا	خدا جانے وفا میرے کے حق میں کیا گمان کرتا
زباں فولاد کی ہوتی جواب کوہ کن دیو	سم ہوتا اگر پرویز کو عشق امتحان کرتا
نہیں معلوم اب کب سال مینا نے یہ کیا گذرا	دل ہماری توبہ کرنے سیتی پیمانے پہ کیا گذرا
برہن اپنے سر کو پہنٹا تھا دیر کے آگے	خدا جانے مری صورت سے تنجاندہ پہ کیا گذرا
یقین کب میرے سوزِ دل کی داد کو پہنچو	کہاں ہے شیخ کو پروا کہ پروا نے پہ کیا گذرا
میں زخم مرے کاری اس سینے سے کیا ہوگا	دل اب مرنے ہی بہتر ہے اس جیسے سر کیا ہوگا
اگر تجھ کو زینچا دیتی سب کچھ بہر جانی	دل تماشا ماہ کفانی کا اُس کو خواب بہ جانتا
سر یہ سلطنتِ آستان یا بہتر تھا	دل ہمیں ظن بہا سے سایہ دیو بہتر تھا
مرا دل مر گیا جس دن سونپا رہے باز آیا	یقین سپہیں اگر کرتا تو یہ بیجا بہتر تھا
تنگ دل کو کب بھلی لگتی ہو ریتاں کی ہوا	دل باغ سے یوسف کو زنگیں ترہی زندان کی ہوا

نہ آپ تیشہ فرما دے خوں میں گرلا سکتا دل
 یہ عشق شکرِ نغمہ باد پر لایا جو چھب لایا
 تہہ آنکھوں سے اتر کر دل نہ کرتا شو کیا کرتا دل
 یہ دل ایسا خراب کو چہ و بازار کیوں ہوتا دل
 تری آفت سے مرنا خوش نہیں آتا بھو وڑ
 یقین امید جینے کی نہیں تیری ان آنکھوں کے
 گرائیں آنکھ سے تیری جہاں کے ہاتھ کیا آیا دل
 نہ کہتی راز دل تو اتنی رسوائی بھلا سستی
 کیا بدن ہو گا کجس کے کھولتے جام کا بند دل
 دامِ دھنس سے پھوٹے پہنچے جو باغِ نیک دل
 اس قدر غرقِ لبو میں یہ دل زار نہ تھا دل
 حسن کا عشق زلیخا سیتی کچھ چل نہ سکا
 دل مرا عشق کے دھڑکوں سے مڑا جاتا ہے
 دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
 اتنا کوئی تھا میں کبھو بے وفاء نہ تھا دل
 ناصح جو یہ نصیحت بیجا ہے میں سنی
 خیف مجھ سے اُلجھ کر عبث ہوا دماغ دل
 نری آنکھوں کی کیفیت کو جو خانہ سے کیا نسبت دل
 بتاں کی مجھ کو خاطرِ حجِ بربیاں تک کہ کہیں
 ہمارا شور سن مجنوں کو بھولی طرزِ زمانے کی
 شیشہ دل کے تیش اپنی سنبھالے رکھ لیں دل

تو ایسے رنگ سے کب نقشِ فریں کو بنا سکتا
 وگر نہ کون ایسی فتحِ خسرو کو دلا سکتا
 یہ شیشہ طاق سے گرتا نہ ہوتا چو کیا کرتا
 اگر ملتا نہ اتنا گلِ رخوں سے خوار کیوں ہوتا
 یہ ایسا کارِ آساں اس قدر دشوار کیوں ہوتا
 اگر پرہیز تو کرتا تو یوں بیمار کیوں ہوتا
 مجھے چمکا زمین پر آساں کے ہاتھ کیا آیا
 نصیحت کر کے مجھ کو اس نہاں کے ہاتھ کیا آیا
 برگِ گل کی طرح ہر نازن معطر ہو گیا
 دیکھا سو اس زمیں میں چمن کا نشان تھا
 جب خاکِ ترے پاؤں سے سرو کا رہ تھا
 ورنہ وہ پاک گھٹن قابلِ بازار نہ تھا
 یہ وہ دل ہے کہ کوئی ایسا جگر دار نہ تھا
 کو چہ یار میں کیا سایہ دیوار نہ تھا
 ملنے میں تیرے مجھ سے یہ دل آشنا نہ تھا
 معذرت کر کہیو مجھ کو مرادِ بجا نہ تھا
 کہ میں دوست تھا اُس کو بھی کیا شونہ تھا
 ناکہ کی گردشوں کو دور پہانے سے کیا نسبت
 کہاں اس دام سے یہ صید جاسکتا ہو کیا قدر
 کوئی شیر دل کے منہ پر نہ بجا سکتا ہو کیا قدرت
 پھر کرے گا کون اُس کو پھوٹ جانے کا علاج

سوچکہ سول گریباں پھاڑ دیوے کی طرح
 جی نکل جاتا ہے میرا جب کبھو آتی ہے یا
 غار میں خزاں کو بجی ڈرتا ہے میرا بے طرح
 فصل گل بھی آن پہنچی دیکھتے کیا ہوتے ہیں
 گرچہ شیریں شیخ کے ہے وجد میں آنے کا شوق
 آہ و نالہ پر نہیں موقوف شہرت عشق کی
 دل ہمیں کہہ کر چلا تھا اپنے جا کی خبر
 بلبلیں سیم چلی جاتی تھیں باغوں کی طرف
 نین پہنچتا نصف نالہ مرا حیات تک
 توقع دے کے مت کہ ناامیدی کو سخن ہو کر
 جو لوہا جس نہ دے اُس کو لگانا ہاتھ کیا حاصل
 خال گورے منہ کا لیتا ہو مرے دل کو چڑا
 گریباں پھاڑتے ہیں دیکھ خوابان چمن کیونکر
 کوئی سخت کوئی لذت اٹھاوے یا رس کوئی
 تعجب سخت رہتا ہو یقیں اس بات کا بھوکو
 بعد مرنے کے ہوں میں گور میں غناک ہنوز
 منہ پہ کھاتا ہوں اسی طرح سے تلوار کہ بس
 نزع میں دیکھ مجھے یا بھجک کر بولا
 آپ کو بیچ کے یوسف نے زینبا کو لیا
 آپ ہم نے مقرر کی ہے اپنی جاقص
 تنگ تو کرتا ہی رہم جو کہیں جاتے رہیں
 زلف کی زنجیر میں آخر چھٹا شانے کی طرح
 وہ قسم کھا کر اسی ساعت نکھانے کی طرح
 دل مری آنکھوں پہ دیتے ہو کف پابا طرح
 اکے چلتا ہے جنوں پر دل ہمارا بے طرح
 پر قیامت بانگ ہوتا ہے موحاد کا شور
 کس قدر ہے اس نحوشی ساتھ پروا کا شور
 دل پھر نہ دی ہم کو کسی نے اُس دیوانے کی خبر
 کچھ توڑتی سی سنی ہے گل کے آنے کی خبر
 کون لے اس ناتواں کی اب دوستی کی خبر
 جواب تلخ مت دی مجھ کو اس شیریں زمین بس
 بہت کی تو نے اس تیشہ کی خدمت کو کہیں
 اس نگاہ میں چاندنی راتوں کو بھی چھوڑا
 نہ کیجے چاک ناصح اس ہوا میں پیر بن کیونکر
 کہو اپنے تئیں غنائے نہ کرتا کو کہن کیونکر
 کہ اتنا بولتے ہیں تلخ یہ شیریں دمن کیونکر
 گر دھڑکتے ہیں مری خاک کے افلاک ہنوز
 دل مرا عشق میں ایسا ہے جگر وار کہ بس
 کیا بڑی طرح سے مرنے سے یہ بیمار کہ بس
 کیا خریداریہ پایا ہے خیر یہ کہ بس
 ورنہ ٹک پھر کہیں تو ہو جائے نہ دبا لافس
 توڑا منہ دیکھتا رہ جائے گا تنہا لافس

آج نہ کبھی ہریں وہ لطف کی بیدا و کس
 جی میں اتنا ہے تری جھپکے کر دکھا دیجے
 کچھ پر وبال میں طاقت نہ رہی جب چھوٹے
 تو نہ تھا حیف یقیں ورنہ دیوانہ ہوتا
 عاقبت تن پروری ہوتی ہے گردن کا وبال
 اہل نوا آہن دلوں کو دیکھ شرماتے ہیں سخت
 یہ نہیں ہوتا کسی مہم سے اس سینہ کا داغ
 ہم تو مرنے ہیں گے اور بچتا ہر اُلفت کا چرائی
 خاندانِ دروچہ سے کیوں نہ ہو روشن یقیں
 تاصح سے بچ کو غم نے کیا شرمسار حیف
 دل نہیں کھینچتا ہوں تیرے بیاباں کی طرف
 اس ہو امیں رحم کرساتی کہ بے جام شراب
 سحر کے ڈورے جو سنتے تھے سویہ دیکھے یقیں
 آئینہ ہوتا ہو اس روئے درخشاں کا حرف
 بہت حیویتی کی تدبیر اہل عرفان کو نہیں لائق
 رشک لاکے ہو یہ دانے کے جیسی تن کو آگ
 جلتے ہیں سب کیل ان تیلیا کپڑوں کے ساتھ
 چن میں مجھ سو دیوانہ کو دل جانیکا کیا حاصل
 جنہیں بالوں کی پھانسی دی ہو دگر گزشتہ
 ہمارے درد کی واروار کچھ ہو تو دارو ہے
 ہم نہ کہتے تھے کہتے پھیراؤں دھاروں کے تیں

دل سر پہ آیا مرے اس طر سے جلا وطن
 باغ میں اتنا اگر تاسا ہے یہ شمشاد کس
 ہم ہوئے ایسے بے وقت میں آزاد کس
 آج اس طرح کا دیکھا ہے پر زاد کس
 کس قدر ہلو چرب اپنی سو دکھ پانی جو شمع
 دیکھ کر گل گیری صورت کو ڈرجاتی ہو شمع
 ہو گیا ناسور آخر یاد دیرینہ کا داغ
 دیکھئے پھر ہو دے کب روشن محبت کا چرائی
 ہے مرا ہر داغ سینہ میں مصیبت کا چرائی
 سو بار بھٹ چکا یہ گریباں ہزار حیف
 خوش نہیں اتنا نظر کرنا غزالاں کی طرف
 دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف
 دل کھنچا جاتا ہے اس زلف پریشاں کی طرف
 ماہ بن اور کون ہو غور شیدا باں کی طرف
 کہ پینا آب حیوا نشان انسان کو نہیں لائق
 لگیو یا فائوس ایسی تیرے پیرا ہن کو آگ
 جی دھڑکتا ہو مبادا لگ اٹھو دامن کو آگ
 دکھا کر گل جنوں کو شور پر لانے کا کیا حاصل
 جو زلفوں میں پھندا دل کس غم کھانے کا کیا حاصل
 یہ سب کچھ سن کر ساقی بات پتی جانے کا کیا حاصل
 دخل کی صورت میں پڑا آخر نہ اہوں کا وبال

خدا کی بندگی کئے اُسے یا عشق معشوقی دل
 سوسوہیں التفات تفاعل میں یار کے
 شیریں دہن بھی تلخ لگے بولنے یقیں
 وہ کون دل ہو جہاں جلوہ گر وہ نور نہیں دل
 تسک سفر کی خبر سن کے جان و حرکوں سے
 کوئی بھی دیتا ہے لڑکوں کے ہاتھ شیش ذل
 جس محبت میں نہیں ہو شور ہو وہ بے نمک دل
 بن یقیں کے باغ میں جا کر تباہ کتب و سب
 شکوہ جفا کا یار سے کرنا وفا نہیں دل
 اگر سرمہ جو عاشق دم نہ مارے یار کو آگے دل
 گالی بھی پی گئے ہیں مایں بھی کھائیاں میں دل
 ایسا وارز و امن میں ہاتھ اُن کے آیا
 حق کو یقیں کے آخر پر بادست دو یارو
 قامت رعنا سے تیرے بس کہ تر مانا ہو سرو دل
 تم ہمیں پامال یوں کرنے ہو بخش قاتلو
 کھڑے ہو سرو پٹ بن بنا کے رعنا ہو دل
 نہ لانا تھا مرے گریہ کو شور پر اے عشق
 خون انصاف سے اتنا بھی زباں تزدادو دل
 باندھ کر مجھ پہ کمر لطف نہیں غیر کا قتل
 کوئی یہ چاند سا منہ چھوڑ کر عاشق ہو شعلہ کا دل
 ستاؤ مت یقیں کا دل کہ یہ غویاں کا مسکن دل
 وہ نسبت ایک سے سوسوہ طرح تبخیر تو ہیں
 بیگانگی سے اُس کی کوئی آشنا نہیں
 اب چھوڑوے نظارہ کچھ اس میں نہیں
 اُس آفتاب کا کس ذرہ میں ظہور نہیں دل
 جو بچوں مرنے کے نزدیک میں تو دور نہیں
 یقیں میں غور سے دیکھا تو کچھ شور نہیں
 کیا مزا ہے عشق کرنے میں جو رسوائی نہیں دل
 سیر گل سے جی نہیں لگتا وہ سودائی نہیں
 بندہ کو اعمتِ ارض خدا پر روا نہیں دل
 کہ اُس کا جی نکل جاتا ہو اُس کی ایت تکیں میں دل
 کیا کیا تری جفا میں ہم نے اٹھائیاں میں
 بختوں کی عاشقوں کے کیا نارسانیاں میں
 تم نے سخن کی طرزیں اُس کی اڑائیاں میں
 دیکھ کر فخر کو زین کے بیچ گر جاتا ہے سرو دل
 دیکھتے ہو قمر یوں کو سر پہ جھلاتا ہے سرو
 جو یار پر دے سے نکلے تو کیا تماشا ہو دل
 برسی بلا تو نے چھٹی ہے دیکھئے کیا ہو
 لعل کو یار کے ہونٹوں سے برابر نہ کرو دل
 اپنی بیداد کے مضمون کو مکر نہ کرو
 گذر آتش پرستی سے یہ پردے سو کر دیکھو دل
 خدا جانے کہ کیا ہو اس سر خانے کو مت چھوڑو

جفا کے عذریں اے ظالمونہ دیر کرو
دل
حناک کی طرح میں اپنا ہل کیا ہے خوں
خدا کرے کہ کہوں حق شباب ثابت ہو
دل
جو تو شراب پیئے کیونکہ دل کہاں ہو
خنک گذرتے ہیں ایام عشق داغ بغیر
دیوانے شہر سے یہاں آ کے جی چھپاتے ہیں
بتاں کی وجہ نہیں حسنِ خلقِ دوہن پاک
یقین بتاں کا ہوا جب بندہ تیرے داغ
دل
شہر میں تھا نہ ترے حسن کا سا شور کبھو
فکر مرہم کی مرے واسطے مت کرنا صبح
گو نہ کر وعدہ وفا دے مجھے اس کا جواب
اپنی بیدار کی سو گندہ بے تنگہ کو اور مرگ
دل
خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو خیالی کشتا
مفت میں لیتے وفا کو شہرِ خواہاں میں نقیض
دل
بہا آئی نہیں کیا حکم ہو یا غباں سچ کہ
نٹ الا ہو مجھ میں اے ہما شور مجھ سے
یقین راتوں کو کر شور زمینیں سب کی کھوتا
کچھ عمر نہیں باقی پیارے تو شباب آجا
دل
منہ اپنے کدگلشن میں رہنے نہ دیا کرتا
رودادِ محبت کی مست پوچھ یقین مجھ سے
دل
عمر میں تو نے تو دیکھے ہیں بہت غم خانے

کہاں تاثیر نالوں میں ہے ازمنہ مخربہ دل
 جب ہوا معشوق عاشق دریا بانی کیا کرے دل
 وصل کی گرمی سے مجھ کو ضعف آتا ہے یقیں دل
 کیا دل ہو اگر جلوہ گر یار نہ ہو دے دل
 دل جل جو گیا خوب ہوا سوختہ بہت دل
 دو آنے کس طرح ناصح اٹھادیں ہاتھ طفلان دل
 یار کب دل کی جراحت پہ نظر کرتا ہے دل
 اپنی حیرانی کی ہم عرض کریں کس منہ سے دل
 عمر فریاد میں برباد کئی چھپر نہ ہوا دل
 جو سر پاؤں پر رکھ دیکھ تو خوش ہو دیں ہاں ہم دل
 مرے انہو بھی مارو ضعف کے اب چل نہیں سکتے دل
 خطا ہر صفت مکر یاریوں ویسے رقیباں کو دل
 اگر دیتے ہو دل کی داد جتنا اُس کا جی چاہے دل
 نہیں ممکن کہ ہم کعبہ کو جا دیں چھوڑت خانہ دل
 نہیں کوئی کہ دشنام اُس کی ہم تک یاد عالاہ دل
 پڑے پتھر الہی اس محبت پر کہ ہو بے کس دل
 دیار سن میں تو خوش ہو اپریہ پڑی مشکل دل
 مناسب بنیں ہر شکوہ جو رکھ ان خوب دیوں دل
 زین پر جس طرح کرتا ہے سایہ سرور عنا کا دل
 نہیں ہونے کبھی احباب کی خاطر لولہ اس دل
 معاوضہ میں وفا کے جو یہ جفا ہو دے دل
 عبت میا کو تا خوش ہو کیوں کر مایوس چپے دل
 بندگی سے جس نے خوں ہو خدائی کیا کرے دل
 دیکھئے مجھ ساتھ خواہاں کی جدائی کیا کرے دل
 ہے طور سے کیا کام جو دیدار نہ ہو دے دل
 وہ جنس کوئی جس کا خریدار نہ ہو دے دل
 کہ ہے کشت جنوں سیراب ان کو نگہ باران دل
 کون اُس کو چہ میں جز تیر گدہ کرتا ہے دل
 کب وہ آئینہ پر مغز و نظر کرتا ہے دل
 نالہ مشہور غلط ہے کہ انہ کرتا ہے دل
 لیکن ہاں ہو سکتی ہے یہ جرأت کہاں ہم دل
 کیا اے عشق مجھ کو بائے ایسا ناتواں تو دل
 ہماری ہم سے پوچھو کو کہن کی کو کہن جانے دل
 تو کرنے دو اُسے فریاد جتنا اُس کا جی چاہے دل
 کرے داد عطا نہیں ارشاد جتنا اُس کا جی چاہے دل
 گیا ہے اب اُس کو دیکھئے کب تک خدا لاؤ دل
 مرے فریاد اور پرویز و شیریں کو اٹھا لاؤ دل
 کہ ٹٹ جاتا ہوں وہاں جو کاررواں حسن و خالاک دل
 یقین کوئی بڑی بانوں کو اچھے منہ پہ کیا لاؤ دل
 تری قامت کے آگے فرش ہو جاتی ہر عنائی دل
 خدا نشا پر چبے یہ مصاحب ہے یہ تنہائی دل
 کبھو کسو سے کوئی کیونکہ آشنا ہو دے دل

اگر خیر نہیں یاد کر نہیں سکتا
 یقین ہوا مجھے قطرے سواشک کے معلوم
 خبر کیا پوچھتے مرغِ قفس سے آشیانے کی
 گئے کچھ شوروں گلیں اور پروازِ اول میں
 مواجبات ہوں مت اتنا بھی کس کر بازہ بالوں کی
 زنجیر میں بالوں کے پھنس جانے کو کیا کر
 دل چھوٹ گیا ہم کو دُسر سے توقع کیا
 دکھ تو دیتا ہے کدوں تجھ کو بھی حیران قفسی
 مُنت کیا زور کرتی ہے گرفتاری مجھے
 کب ہوں ہو تجھ کو رسوائی کی لیکن کیا کر
 کیا لگا لیتا ہے خواہاں کو قفس کر تو ہی نہ
 جس کو منظور ہو جینا اسے مرنا ہو عذاب
 بے قراری کب ٹھہرنے دی تجھ کو زیرِ تیغ
 ستم ہو قید کرنا اس طرح کے مرغِ نادان کو
 کرتے ہیں اپنے بال دکھا جتا مجھے
 جو روحِ جفا میں یار بہت ہو گیا دلیر
 خدا مجھے ترے داعیوں سے لالہ زار کرے
 قیامت آپ پر اُس قد سولا چکے ہم تو
 اس مستی پوش سے آغوش نگیں کیجئے
 نگاہ گرم سے کھا دے بھی تاب مو کی طرح
 یہ دل ملکِ ہر خواہاں کا کون اس کو چھپا
 کبھو بُلا ہی نہیں کہ ترا بھلا ہو دے
 نہ اٹھ سکے کوئی جو آنکھ سے گرا ہو دے
 اسیروں کو توقع کب ہے گلشن میں جان کی
 نہ دی فرصت زمانے ہمیں حویں سجا کی
 ملکِ دھیلی تو کر دے جانِ بخیریں دوش کی
 کیا کیا کیا یہ دل نے دیوائے کو کیا کسٹر
 اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانے کو کیا کہنے
 باغبان اکیے اجارے لوں گلستانِ قفسی
 جی ہی لے چھوڑے گی آخر کو یہ بیماری مجھے
 کھینچ کر لاتی ہے اس کو چھین ناچار ہی مجھے
 آئینہ کی سادہ لہری ساتھ پرکاری مجھے
 ہے دم پاک میسجِ آدم شمشیر مجھے
 مارنا سیلاب کا شکل ہے قاتل کیا کر مر
 کہ جو مارے بھلائی کے قفس کو آشیانہ مجھے
 اس سچ سے بتاں کے نکالے خدا مجھے
 کرتے تو کی یہ راست نہ آئی وفا مجھے
 یہ خارِ خشک مگر آگ سے بہا کر کرے
 کہاں تلک کوئی محشر کا انتظار کرے
 جی میں ہواکِ مصرعِ موزوں کو قفسیں کیجئے
 خدا کسی کے تئیں اتنا خوش کمر نہ کرے
 بغل میں کون مالِ بادشاہی کو دبا کرے

<p>حق مجھے باطل آشنا نہ کرے دوستی بد بلا ہے اس میں خدا ہے وہ مقتول کا فر نعمت ناموں کی یکے نصیحت ہے</p>	<p>دل میں تہوں سے پھر دل خدا نہ کرے کسی دشمن کو مبتلا نہ کرے اپنے قاتل کو جو دعا نہ کرے کے نفیس یار سے وفاء نہ کرے</p>
<p>حسن اور عشق میں اک طور کی نسبت ہے ضرور یار آیا پہ مجھے ہوش نہ تھا کیا کیجے چھٹے اس زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچو نہ نکلا کام کچھ اس صبر و اب نالہ کرتا ہوں ہیں اس غم کو اوتوں زندگانی خوش نہیں ہو میں سرور کو اتنا نہ کر شور و شر و قمری یقین رکھو کہ شوخی خوب نیند میں غیبی گنہ گستاخ لٹکوی دیکھ روئے یار کیا کہنے تبسم میں جو اس کا منہ کھلا جی بندھ گیا اپنا اگر اس کی جگہ پہلو میں ہونا چار بہتہ تھا یقین کے واقعہ کی سن خبر وہ بد گماں بولا دوانہ ہوں میں جی دینے میں مجھ کو سلیقہ گلا تو چھٹ گیا نے کی طرح فریاد کر رہے غل جھاگہ کوئی صید کیا اس نام کو سچ کہ اگر زنجیر میری پاؤں میں ڈالے تو کیا ہوگا یہ وہ آنسو ہیں جن سے دہر آشاک ہو جاوے گنہگاروں کو جو امید اس اشک نہ دے</p>	<p>دل چٹم بیمار تھے دی ہے دل زار مجھے نہ کیا اس دل دشمن نے خبر وار مجھے وصیت ہماری غول بھلا جلا دو پہنچے مری فریاد بھی شاید مری فریاد کو پہنچے کوئی مینا دگر یار بھاری داد کو پہنچے نہ دے برباد تو اپنی کھٹ خاکستری قمری تو بجا سرور کے چڑھیے میٹھے سر پر اے قمری زبان چرب میری ہوئے بیکار کیا کہنے مرا دل لے گیا ہنستے ہی ہنستے یار کیا کہنے بہت دیتا ہے میرا دل مجھ آزار کیا کہنے یہ دیوانہ کچھ ایسا تو تھا بیمار کیا کہنے لڑنے لے لے کے مرنے کی طرح فریاد کیا جانے قیامت دور ہو کب تک لگی داد کیا جانے کئی دن میں کیتری نف کی خاطر پریشانی بہار نے دو میرا ہاتھ جو اور یہ گریباں ہے اگر ہوتے کوئی یہ آب جل کر خاک ہو جاوے کہ دامن شاید اس آب رواں پاک ہو جاوے</p>

عجب کیا ہوتی تھی کی شامت جوتو زائد	نہاں تاک ٹیلا دے تو وہ سواک ہر جا
اگر عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے	دلہ مزار انہیں پیش کچھ بھلا بھی ہے
یہ کون دھبے سخن خاک میں ملانے کا	کسو کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے
یقین کا شور جنوں سن کے یار نے پوچھا	کوئی قبیلہ مجھوں میں کیا رہا بھی ہے
خوش آئی تھی مجھ کو یہ بات اس مجنونِ عرب کے	دلہ کیا کیجے کہاں تک چاک گدڑی ہم گریباں
نہیں ہر جام سے بن کچھ ہمارا خونہاساتی	دلہ اس آپ زندگی سپریا روں کو جلا ساتی
ملک اک تو رحم کراے مرگ مو کی تمنائیں	دلہ ہماری جان کو رو تو ہیں یہ ابرو ہواساتی
دفا کا کیا تیا رستہ کوئی بدلا جفا دیوے	دلہ تر تھم ان تہوں کو اپنی بندوں پر خدا دیوے
نہیں پرواز قسمت میں میری اڑا	دلہ خفا ہو زندگی کی مرگیا ہوں لیک تارہوں
مبادا حشر مجھ کو خواب راحت جگا دیوے	دلہ محبت کا جو تارہ عجب آداب ہیں اس کے
کہ جوں جوں یار دیوے کا لیاں عاشق دعا دیوے	دلہ زندے فرصت ان ہاتھوں کے کچھ کام بھی
ہم آخر ہوں گودا ہنگی اس چاک گریباں کے	دلہ رگڑنا ہے سر اپنا پشت پا پر متصل تیرے
گریباں بھائیو اس پر کیا طالع ہیں دال کے	دلہ ملک اک انصاف کر کر تارہ جی جتا کوئی
کھوڑ سندا کھینچ مانتے پر کیا ہے قتل عام	دلہ تیغ ابرو کو دیا ہو سنگ دیکھا چاہیے

۲۔ یک رنگ

یک رنگ تخلص مصطفیٰ قلی خاں نام، متوطن شاہ جہاں آباد کے۔ نواسوں میں خاتمان خاں لودھی کا اور معاصر نجم الدین آبرو کے تھے منصب سرداروں میں محمد شاہ بادشاہ اور شہرہ آفاق ساتھ عزت ماہ کے مشہور مشنوں میں شاہ جہاں آباد کے اور معروف ہاں آوروں میں اس فحمتہ بنیاد کے تھے۔ طور اگلی گویائی کا پیر و قدما کی گفتگو کے ہے، اور طرز ان کلام کی روئے پر مضمون و آبرو کی ہے، لیکن از بسکہ شیعہ سابق یاران حال کے غیر خوب ہے، تو آہنگ قدیم مع خراش و داغ کو ہے، بیدہ شاہ جہاں آباد میں انہوں نے اس سرگ فانی سے سفر کیا اور لوں پر احباب کے داغ حوال کا دیا، یہ اشعار پر مبنی و خوش بیان ان کے منتخب دیوان ہیں۔

دل	مجھے مت بوجھ پیارے اپنا دشمن	دل	کوئی دشمن ہوا ہے اپنی جاں کا
دل	میں نے دُشمنِ صال سے تیری ہوں کامینا	دل	کیونکہ کہوں کہ تجھ سے بہتر ہے آفتاب
دل	سچ کہے جو کوئی تو مارا جائے	دل	راستے ہیں گے وار کی صورت
دل	مجھ کو معلوم یوں ہوا گل سے	دل	پھول جتنے ہیں اُس سے دولت مند
دل	کیوں کہو تو تم کہو دشمن ہمارے اس قدر	دل	دوست کا دشمن کوئی ہوتا ہے بیکار اس قدر
دل	نگہبیاں چاہئے سرشار کے پاس	دل	تری آنکھوں سے کیونکہ دل جدا ہو
دل	رُوٹھتا ہوں اس سبب ہر بائیں	دل	تا گلے تیرے لگوں اے یا میں
دل	اُس پری پیکر کو مت انسان بوجھ	دل	شک میں کیوں پڑتا ہوا دل جان بوجھ
دل	کیا جائے وصال ترا ہونے نصیب	دل	ہم تو ترے فراق میں اویار مہر چلے
دل	رونی اسلام تیرے رو سے ہے	دل	کفر کا رشتہ ترے گیسو سے ہے
دل	بے قراروں کے تئیں آرام دل	دل	اے مرے پیکر ترے پہلو سے ہے
دل	جدائی سے تری اے صندلی رنگ	دل	مجھے یہ زندگانی درد سے ہے
دل	ہوا معلوم یہ غنچے سے ہم کو	دل	جو کوئی زردار ہے سو تنگ دل ہے

دل	نہیں پھوڑیں میں سدا زلف تری اپنی مروڑ	دل	باوجودیکہ کمال ان میں پریشانی ہے
دل	اب تو سجن ہمیں کو تباہی تمہیں سے ہے	دل	ہم سب طرف سوں یا رہتا رہی گلے پرشے
دل	یک رنگ پاس آؤ سجن کچھ نہیں بساط	دل	رکھتا ہے یہ دو مین کہو تو نظر کرے
دل	زخمی برنگ گل میں شہیدان کر بلا	دل	گلزار کی منظر ہے بیابان کر بلا
دل	کھانے چلا ہے زخمِ ستم شامیوں کے ہاتھ	دل	دھو ہاتھ زندگی سیتی مہمان کر بلا
دل	اندھیرے جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ	دل	ہے سر بریدہ شمع شبستان کر بلا

بہار اللہ تعالیٰ کتاب تذکرۃ الشعراء من تالیف مراد علی خاں لطف مخلص بتاریخ بہت و ششم

ماہِ ربیع الثانی ۱۲۳۵ھ ہجری روز جمعہ بعد سہ پاس روز گذشتہ بہ تمام رسید

اشتراک کتب جدید

مندرجہ ذیل کتب بغرض فروخت ہمارے پاس جو ہیں
بذریعہ ویلیو پے ایل پارسل یا نقد قیمت بھیجنے پر مل سکتی ہیں

- ۱۔ الغزالی مصنفہ شمس العلماء مولانا محمد شبلی نعمانی۔ اس کتاب کا پہلا ادیشن ختم ہو چکا ہے۔ یہ دوسرا ادیشن ہے قیمت ۱۰/-
- ۲۔ علم الکلام حصہ دوم۔ مصنفہ شمس العلماء مولانا محمد شبلی نعمانی۔ حصہ اول سب بک چکا ہے اس کی کوئی جلد باقی نہیں۔ حصہ دوم کی صرف چند جلدیں باقی ہیں۔ قیمت ۱۲/-

۳۔ تاریخ و کن۔ جلد اول قیمت ۵/-

۴۔ تاریخ و کن۔ جلد دوم۔ قیمت ۵/-

۵۔ تاریخ و کن۔ جلد سوم۔ قیمت ۵/-

۶۔ سفر نامہ تہینیو۔ قیمت ۴/-

۷۔ سفر نامہ فورنر۔ قیمت ۶/-

۸۔ نظام الکبریٰ۔ قیمت ۵/-

۹۔ تہذیب عرب۔ شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی کی مشہور کتاب قیمت سابق

قیمت حال منتہ

۱۰۔ حیات جاوید قسم دوم مطبوعہ کان پور قیمت ۵/-

۱۱۔ دربار الکبریٰ۔ مصنفہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد۔ قیمت ۳/-

موصول ڈاک پر حال میں بذمہ خریدار ہوگا

المشترک

عبداللہ خاں، کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد دکن

۱۹/۵/۳۱

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

۱۹/۵/۳۱
۱۹/۵/۳۱
۱۸/۵/۳۱



D 135 $\frac{2}{0.4}$ $\frac{0.1}{1.5}$ p

